حیدر قریشی کی شخصیت اور فن

منزّہ یاسمین

ناشر
میاں محمد بخش پبلشرز

انتساب

امّی ،ابّو اور بہن بھائیوں

کے نام

ع ''ملا وہ بخت کہ ہر خیر میرے گھر میں ہے''

فہرست ابواب

صدشکر!

وقت کا سیلِ رواں کسی کے لیے رُکا ہے جو میرے لیے رکتا!! ابھی کل ہی کی بات لگتی ہے جب میں نے ایم اے (اُردو) سالِ اول میں داخلہ لیا تھا۔ سوچا تھا اور سنا بھی تھا کہ یہ بھی کوئی مضمون ہے جس کے لیے پریشان ہوا جائے مگر وہ جو غالب نے کہا تھا کہ

ع بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا

کچھ ہی دنوں کی ''جماعت نوردی'' سے یقین ہو گیا کہ فرمودہء غالب کتنا درست ہے۔ لہذا ''مرتے کیا نہ کرتے'' کے مصداق پڑھائی پر توجہ دینا پڑی۔ اسی خوف و ہراس میں پہلا سال گزر گیا اور ہم رو دھو کر فرسٹ ڈویژن حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو تھیسس کا شوق چرایا۔ اُس لمحے کو اب تک کوستی ہوں جب ہوش سے کم اور جوش سے زیادہ یہ سوچا تھا کہ جہاں اور بہت سے کام ہوتے آئے ہیں، یہ بھی ہو جائے گا مگر کام کا ڈول ڈالا تو پتہ چلا کہ ایک بار پھر میں نے خود کو عذاب میں مبتلا کر لیا ہے کہ اس دشتِ بے اماں میں تو صرف چلتے اور چلتے رہنے سے بقا ہے نہ کوئی شجرِ سایہ دار اور نہ۔۔۔۔۔۔۔۔

خیر مقالہ نگاری کا عزم کیا تو میری خوش نصیبی کہ استادِ مکرم ڈاکٹر شفیق احمد صاحب نے سرپرستی فرماتے ہوئے نہ صرف گائیڈ یعنی رہبری و رہنمائی کا شرف بخشا بلکہ موضوع کا کٹھن مرحلہ بھی آساں بنا دیا اور ''حیدر قریشی کی شخصیت اور فن'' ہمارے مقالے کا موضوع قرار پایا۔ پہلے قدم پر ہی پریشانی نے قدم پکڑے کیونکہ جناب حیدر قریشی صاحب تو جرمنی میں مقیم ہیں۔ ایسے میں مواد کی فراہمی کا کٹھن مرحلہ کیسے طے ہوگا؟ خدا بھلا کرے انٹرنیٹ اور برادرِ خورد یاسر یاسین کا، کہ اِدھر انہوں نے ای میل پر جرمنی میں حیدر قریشی صاحب سے رابطہ کیا اور تعاون کی درخواست کی اور اُدھر انہوں نے کمال مہربانی اور شفقت سے ہر ممکن تعاون کی یقین دہانی کرا دی اور اس کا عملی مظاہرہ چند دنوں میں خان پور سے جناب پروفیسر نذر خلیق صاحب کی تشریف آوری کی صورت میں ہوا۔ جنہوں نے جناب حیدر قریشی کی اکثر کتب اور ''جدید ادب'' کے پرچوں کی صورت میں بیشتر مواد فراہم کر دیا۔ پروفیسر صاحب کی یہ عنایت و شفقت مقالے کی تکمیل تک جاری رہی اور باقی مواد جناب حیدر قریشی نے ای میل کے ذریعے ارسال فرمایا۔ جو معلومات بھی مجھے درکار تھیں، اُن کے لیے جناب حیدر قریشی سے مختلف اوقات میں فون اور On Line Net Chatting کے ذریعے رابطہ رہا:

ع کس منہ سے شکر کیجئے اِس لطفِ خاص کا

اس مواد اور معلومات سے استفادہ یقیناً مشکل مرحلہ تھا لیکن استادِ مکرّم جناب ڈاکٹر شفیق احمد کی رہبری و رہنمائی کی بدولت ہر مشکل اور کٹھنائی آسان ہوتی گئی اور بالآخر مقالہ صورت پذیری کی منزلِ مقصود پر آ پہنچا۔

اظہارِ تشکر کے رسمی لفظ بہت چھوٹے محسوس ہو رہے ہیں، اس سے زیادہ کیا لکھوں کہ دل کی گہرائیوں سے استادِ مکرم کی سپاس

گذار ہوں۔

اپنے والدِ گرامی قدر جناب پروفیسر ڈاکٹر انور صابر کے لیے اظہارِ ممنونیت بھی مجھ پر واجب ہے کہ انھوں نے قدم قدم پر مجھے مقالے کی طرف متوجہ رکھا اور لمحہ لمحہ حوصلہ افزائی کے ساتھ ساتھ کمپوزنگ اور بائنڈنگ کے آخری مرحلے تک مجھے اس محاورے کا عملاً مفہوم سمجھایا کہ "سر پر کھڑے ہو کر کام کیسے کروایا جاتا ہے"۔ شفقت پدری کا تقاضا اور فرض اپنی جگہ، میں دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اُن کا سایہ ہم سب اہل خانہ کے سروں پر ہمیشہ قائم و دائم رکھے۔ (آمین)

میں اپنے بھائی محمد یاسر یاسین کی بھی ممنون و شکر گزار ہوں کہ اس نے کمپیوٹر کے محاذ پر جناب حیدر قریشی سے میری رابطے کی مشکل آسان کیئے رکھی۔ میں آئندہ زندگی میں اُس کے درجات کی بلندی اور ترقی کے لیے دعا گو ہوں۔ میں اپنی والدہ ماجدہ کی بھی ممنونِ احسان ہوں جن کی دعاؤں سے میرے لیے آسانیاں پیدا ہوتی رہیں۔

آخر میں میں ربِّ ذوالجلال کی حمد و شکر کرتی ہوں جس نے ماضی کے بہت سے مشکل مرحلوں کی طرح اِس بار بھی مجھے توفیق اور ہمت عطا فرمائی اور میں اس مقالے کو مکمل کرنے میں کامیاب ہوئی۔

(منزہ یاسمین)

باب اول

حیدر قریشی کی
سوانح اور شخصیت

حیدر قریشی کی سوانح (حصہ اول)

حیدر قریشی کا اصل نام ''قریشی غلام حیدر ارشد'' ہے۔انہوں نے ارشد نام کو تخلص کے طور پر شاعری میں استعمال کرنے کی بجائے اپنے قلمی نام ''حیدر قریشی'' کو اختیار کیا اور ادبی دنیا میں بھی وہ ''حیدر قریشی'' کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔

قبیلہ قریش کے علی الہاشمی عرف حیدر کرارؓ کے نام نامی سے منسوب حیدر قریشی ۱۳۔جنوری ۱۹۵۲ء کو ضلع جھنگ کے ایک چھوٹے سے شہر ''ربوہ'' میں پیدا ہوئے۔لیکن سرکاری دستاویزات میں ان کی تاریخ پیدائش یکم ستمبر ۱۹۵۳ء درج ہے۔ (۱)

قیام پاکستان سے قبل حیدر قریشی کے پردادا ''حضرت میاں میر محمد'' خان پور کے قریب ایک چھوٹے سے شہر ''گڑھی اختیار خان'' میں قیام پذیر رہے۔حضرت میاں میر محمد کا شمار گڑھی اختیار خان' ضلع رحیم یار خان کے پیروں میں ہوتا تھا۔(۲) اس کے علاوہ حضرت خواجہ غلام فریدؒ کے روحانی دوست میاں در محمد (درّن سئیں) کیساتھ رشتہ داری کا بھی تعلق ملتا ہے۔(۳) حیدر قریشی کے پردادا کو یہ پیری مریدی کا سلسلہ وراثت میں ملا تھا اور یہی ان کی زندگی کا حاصل تھا۔لیکن حیدر قریشی کے دادا ''اللہ رکھا قریشی'' اپنے آباؤ اجداد کی پیری مریدی کے اس مروجہ سلسلے سے زیادہ دلچسپی نہ رکھتے تھے۔اس لیے وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر قریبی شہر خان پور آ کر رہنے لگے۔

خان پور میں حیدر قریشی کے دادا جی ''اللہ رکھا قریشی'' نے ایک شریف گھرانے کی لڑکی ''صاحب خاتون'' سے شادی کی۔جن سے ان کے دو بیٹے پیدا ہوئے۔قریشی غلام حسین اور قریشی غلام سرور۔قریشی غلام حسین' اللہ رکھا قریشی کے پہلے بیٹے تھے۔تعلیم سے دلی لگاؤ نہ ہونے کی وجہ سے وہ زیادہ پڑھ نہ سکے۔قریشی خاندان میں پچھلی کئی پشتوں سے یہ ہو رہا تھا کہ دو بیٹے پیدا ہوتے' ان میں سے ایک بیٹا اولاد سے محروم رہتا اور دوسرے کے ہاں پھر دو بیٹے پیدا ہو جاتے۔۔۔۔۔۔ چنانچہ حیدر قریشی کے تایا ''قریشی غلام حسین'' بھی اولاد سے محروم رہے۔لیکن ان کی وفات کے ساتھ ہی حیدر قریشی کے خاندان کی اس نسل در نسل روایت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ (۴)

حیدر قریشی کے والد ''قریشی غلام سرور'' اللہ رکھا قریشی کے دوسرے بیٹے اور ''قریشی غلام حسین'' کے چھوٹے بھائی تھے۔قریشی غلام سرور نے نویں جماعت تک تعلیم حاصل کی۔پھر پولیس میں محرر کے عہدے پر بہاول نگر میں فائز ہوئے۔لیکن اپنے والد صاحب کی اداسی کی بناء پر ملازمت میں نہ جا سکے۔اس سلسلے میں حیدر قریشی اپنے ابا جی کے خاکے میں اس واقعے کا ذکر کرتے ہیں۔

> ''عالم شباب میں نواب بہاول پور تک رسائی حاصل کر کے انہیں بہاولنگر محکمہ پولیس میں محرر لگوایا گیا۔جب سارا سامان باندھ کر روانہ ہونے کا وقت آیا تو دادا جی نے دبی زبان سے کہا: بیٹا!۔۔۔تو پھر جا رہے ہو؟
>
> ۔۔۔۔۔اچھا جاؤ' ویسے دل نہیں کرتا کہ جاؤ۔۔۔۔۔۔۔۔ابا جی نے فوراً کہا: دل تو میرا بھی نہیں کرتا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔یہ کہہ کر بندھا ہوا سامان کھول ڈالا۔'' (۵)

حیدر قریشی کے والد قریشی غلام سرور نے دو شادیاں کیں۔پہلی بیوی ''عزیز بی بی'' نے اس الزام کی بنیاد پر عدالت کے ذریعے طلاق لی کہ یہ شخص اولاد پیدا نہیں کر سکتا۔پھر ان کی دوسری شادی حیدر قریشی کی والدہ سے ہوئی اور یکے بعد دیگرے انہوں نے پانچ بیٹوں

اور پانچ بیٹیوں کو جنم دیا۔

ان تمام اولادوں کے نام درجہ ذیل ہیں۔

۱۔ شریفہ فرحت
۲۔ حیدر قریشی
۳۔ اکبر قریشی
۴۔ زبیدہ کلیم
۵۔ شاہدہ تنویر
۶۔ فہمیدہ کوثر
۷۔ شمسہ قمر
۸۔ طاہر قریشی
۹۔ نوید انجم
۱۰۔ اعجاز قریشی

حیدر قریشی کے والد صاحب کی رحیم یار خان میں کپڑوں کی ایک دکان تھی۔ جس کے ذریعے گھر کی گزر بسر ہوتی تھی۔

حیدر قریشی کا تعلق سرائیکی علاقوں مثلاً خان پور اور رحیم یار خان سے تھا اور ان کی زبان بھی سرائیکی تھی۔ اس بات کا ذکر حیدر قریشی خود بھی کرتے ہیں۔

''ہم سرائیکی لوگ تو اپنے شہر کے ریلوے اسٹیشن پر پہنچ کر ہی پردیسی ہو جاتے ہیں''۔

(۶)

اس کے علاوہ ڈاکٹر شفیق احمد بھی حیدر قریشی کی شاعری کے مطابق ان کے سرائیکی ہونے کا ذکر کرتے ہیں۔

''ان (حیدر قریشی) کا تعلق سرائیکی علاقے اور سرائیکی خاندان سے ہے۔ ورنہ یہ الفاظ ان کی شاعری کا حصہ نہیں بن سکتے تھے۔ شعر اور الفاظ دیکھیئے۔

☆ اک خواب ہے جنڈری کا

(غزلیں، نظمیں، ماہیے۔ ص:۳۴)

☆ ہم نے بھوگا ہے صرف اسے حیدر

(ص:۲۴۳)

☆ اب ڈبوتا ہے چاہے تارتا ہے (ص:۲۰۸)

☆ جو فقیروں کو طعنے مارتا ہے (ص:۲۰۸)

☆ ریت سے گھر کون اسارتا ہے

(ص:۲۰۹) (۷)

حیدر قریشی کے آبائی شہر خان پور اور رحیم یار خان ہیں۔انہوں نے اپنی زندگی کے چند برس رحیم یار خان کے ''محلّہ قاضیاں'' میں بھی بسر کیے۔اپنی ابتدائی تعلیم کے بارے میں حیدر قریشی لکھتے ہیں۔

''عام طور پر ہر انسان کی پہلی درس گاہ ماں کی گود ہوتی ہے۔میری پہلی درس گاہ بھی ماں کی گود تھی اور دوسرا اسکول اباجی کی خصوصی توجہ تھی۔جب اباجی کی رحیم یار خان میں کپڑے کی دکان تھی مجھے دکان پر بلوالیا کرتے تھے اور اردو لکھنا' پڑھنا' سکھایا کرتے تھے۔جب کوئی فاش قسم کی غلطی ہوتی' مجھے ایک تھپڑ پڑتا' میں رونے لگتا تو اباجی پیار کرنے لگتے۔۔۔پیسے دیتے۔۔۔۔۔۔۔۔سبق بھولنے میں تھوڑا نقصان تھا مگر بہت سارا فائدہ بھی تھا۔اب سوچتا ہوں تو اباجی کے تھپڑوں والا نقصان ہی مجھے سب سے بڑا فائدہ اور اپنا اثاثہ لگتا ہے۔''

(۸)

والد صاحب کی اس توجہ کی وجہ سے جب حیدر قریشی کو اسکول میں داخل کروانے کیلیئے ٹیسٹ لیا گیا تو انہیں کچی پکی کلاسوں کی بجائے دوسری جماعت میں داخل کرلیا گیا۔اپنی پرائمری تعلیم کے بارے میں حیدر قریشی بتاتے ہیں۔

''پرائمری لیول پر میری پڑھائی کے سلسلے کی یہی ایک اہم بات تھی۔میں پڑھائی میں نہ اول درجہ کا طالب علم تھا نہ نکما تھا۔میں اوسط درجے سے تھوڑا سا بہتر طالب علم تھا۔''

(۹)

پھر چند ناخوشگوار واقعات اور مالی مشکلات کی بناء پر حیدر قریشی کے والد صاحب کو رحیم یار خان والا گھر فروخت کرنا پڑا۔اس وقت حیدر قریشی کی عمر دس سال تھی۔رحیم یار خان سے یہ لوگ خان پور شہر میں منتقل ہوگئے اور حیدر قریشی کے اباجی نے ''حئی سنز شوگر ملز' خان پور'' میں ملازمت شروع کردی۔

حیدر قریشی نے مڈل کا امتحان خان پور کے سکول' ''کالونی مڈل سکول خان پور'' سے پاس کیا۔مڈل کی تعلیم کا دورانیہ حیدر قریشی اور ان کے گھرانے کے لیے سنگین مشکلات کا تھا۔اس دور میں حیدر قریشی اور ان کے گھر والوں کو سخت مالی مسائل سے دوچار ہونا پڑا۔حیدر قریشی اپنے ان حالات کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''یہ وہ زمانہ تھا جب ہم لوگ بے حد بھیانک غربت کی زد میں آئے ہوئے تھے اور میرے پیروں میں ہوائی چپل تھی۔تب خالہ حبیبہ نے اپنے پرانے ''کوٹ شوز'' مجھے دیدیئے

۔خالہ حبیبہ کے پاؤں ہمیشہ سے چھوٹے رہے ہیں۔اس لیے مجھے وہ ''کوٹ شوز'' پورے آ گئے۔اور میری سردیاں آرام سے گزر گئیں۔۔۔۔۔گھریلو حالات کو دیکھتے ہوئے میری یہ عادت بن گئی کہ نئے تعلیمی سال پر اپنی پچھلی کلاس کی کتابیں سیکنڈ ہینڈ قیمت پر بیچ دیتا اور نئی کلاس کی کتابیں کسی اپنے جیسے لڑکے سے آدھی قیمت پر خرید لیتا۔'' (۱۰)

تعلیم کے ساتھ ساتھ حیدر قریشی اپنے سکول کے دوران میں ہونے والی ہم نصابی سرگرمیوں میں بھی حصہ لیتے رہے۔سکول میں انہوں نے ہونے والے کئی تقریری اور بیت بازی کے مقابلوں میں انعامات جیتے۔

۱۹۶۸ء میں ''گورنمنٹ ہائی سکول' خان پور'' سے حیدر قریشی نے پندرہ سال کی عمر میں دسویں کا امتحان درجہ اول میں پاس کیا۔ گھریلو حالات بہتر نہ ہونے کی وجہ سے انہوں نے حئی سنز شوگر ملز' خان پور میں مزدوری شروع کر دی تا کہ اپنے والد صاحب کے بوجھ کو بانٹ سکیں۔'' انہوں نے شوگر مل میں ۱۹ سال تک ملازمت کی۔ یہ ملازمت ان کو حئی سنز شوگر ملز' خان پور کے جنرل منیجر ''عزیز حسین'' کی بیگم کے ذریعے ملی جوان کے اباجی کا بے حد احترام کرتی تھیں۔حیدر قریشی اپنی اس ملازمت کے بارے میں کہتے ہیں۔

''بیگم عزیز حسین کی نیکی کے سبب مجھے پندرہ برس کی عمر میں شوگر مل میں مزدوری مل گئی۔میں نے اپنی زندگی کے بے حد قیمتی انیس سال اس شوگر مل میں برباد کیے۔بیگم عزیز حسین کی نیک نیتی اور نیکی کے باوجود مجھے شدت سے احساس ہوتا ہے کہ انہوں نے میرے لیے نیکی نہ کی ہوتی تو میں زیادہ بہتر حالات میں ہوتا۔'' (۱۱)

شوگر مل کی یہ ملازمت سیزنل تھی یعنی چھ مہینے نوکری اور چھ مہینے بیکاری کے ہوتے تھے۔اس لیے حیدر قریشی نے اپنی پڑھائی کے سلسلے کو جاری رکھا۔انہوں نے ۱۹۷۰ء میں پرائیویٹ امیدوار کے طور پر ایف۔اے کا امتحان پاس کیا۔۱۹۷۱ء میں اٹھارہ سال کی عمر میں ان کی شادی ان کے ماموں کی بیٹی ''مبارکہ'' سے ہوگئی۔حیدر قریشی نے نوکری اور شادی شدہ زندگی کیساتھ ساتھ پرائیویٹ طور پر اپنا سلسلہ تعلیم بھی جاری رکھا۔

۱۹۷۲ء میں بی۔اے کا امتحان پاس کیا اور ۱۹۷۵ء میں ایم اے (اردو) کی تیاری شروع کر دی اور ۱۹۷۶ء میں ایم اے کا امتحان درجہ دوم میں پاس کر لیا۔اس تمام عرصہ میں انہیں شوگر مل میں تھوڑی بہت ترقی بھی عطا کی گئی اور مستقل بھی کر دیا گیا۔لیکن حیدر قریشی اپنی تعلیمی قابلیت کی بدولت کسی دوسری مناسب ملازمت کے لیے بھی کوشاں رہے۔اس میں کامیابی نہ ہونے کے باوجود انہوں نے ۱۹۸۷ء میں بغیر کسی وجہ کے شوگر مل کی نوکری چھوڑ دی۔پھر تین سال بے روزگاری اور تنگ دستی میں بسر کیے۔پھر ۱۹۹۰ء میں حیدر قریشی کو ایبٹ آباد کے ایک معیاری تعلیمی ادارے ''پاکستان انٹرنیشنل پبلک سکول اینڈ کالج ایبٹ آباد'' میں اردو پڑھانے کی اچھی جاب مل گئی۔ یہاں پر سرکاری لیکچرار کے گریڈ کیساتھ مزید بہت ساری مراعات بھی تھیں۔حیدر قریشی اپنی تدریسی زندگی کے بارے میں بیان کرتے ہیں۔

''مجھے نویں' دسویں' کیمبرج اور ایف ایس ای کی کلاس کو اردو پڑھانا ہوتی تھی۔

پڑھانے کا تجربہ ہوا تو پہلی دفعہ احساس ہوا کہ میں تو خود از سرِ نو پڑھائی کر رہا ہوں۔ بچوں کو پڑھانے سے پہلے خود پوری تیاری کرنا۔۔۔۔۔ مجھے لگا کہ میں استاد سے زیادہ ایک اچھا طالب علم بن رہا ہوں۔ طالب علموں کے ساتھ میرا رویہ مدرسانہ سے زیادہ دوستانہ ہوتا تھا۔"
(۱۲)

حیدر قریشی نے "پاکستان انٹرنیشنل پبلک سکول اینڈ کالج ایبٹ آباد" میں تقریباً ڈیڑھ دو سال تک ملازمت کی۔ اس کے بعد ۳۱ دسمبر ۱۹۹۳ء کو چند ناخوشگوار وجوہات کی بناء پر وہ وطن عزیز پاکستان کو خیر باد کہہ کر جرمنی منتقل ہو گئے اور وہ تا حال جرمنی میں مقیم ہیں۔ ایبٹ آباد میں قیام کے حوالے سے ڈاکٹر صابر کلوروی کے بقول:

"حیدر قریشی اپنی موجودہ زندگی سے مطمئن نہ تھے۔ اس لیے انہوں نے انتہائی منصوبہ بندی سے کام لیتے ہوئے خود یا اپنے دوستوں کے نام سے مختلف اخبارات میں اپنے خلاف کچھ مضامین لکھوائے اور ان میں خود کو سیاسی مخالفت کا نشانہ بنایا۔ اور پھر انہی اخباری بیانات اور مضامین کے ذریعے انہوں نے جرمنی کا ویزا حاصل کیا اور خاموشی سے غالباً ۱۹۹۴ء میں جرمنی جا کر سیاسی پناہ حاصل کر لی۔" (۱۳)

آج کل حیدر قریشی جرمنی کے ایک قصبہ ہیٹرس ہائم میں قیام پذیر ہیں۔ جہاں وہ اردو ادب کا نیٹ ورک چلا رہے ہیں۔ حیدر قریشی نے جرمنی میں رہتے ہوئے بھی اردو ادب سے تعلق رکھنے والے تمام تخلیق کاروں سے انٹرنیٹ کے ذریعے رابطہ رکھا ہوا ہے۔ حیدر قریشی اردو کی متعدد ویب سائٹس سے کسی نہ کسی رنگ میں منسلک ہیں۔ ان میں سے اہم ویب سائٹس یہ ہیں۔

1. www.urdudost.com
2. www.urdustan.com
3. www.alqamaronline.com (۱۴)

ان تینوں ویب سائٹس پر حیدر قریشی اپنی تخلیقات کے ساتھ جلوہ افروز نظر آتے ہیں۔ اس کے علاوہ حیدر قریشی کی جملہ کتب اور ان کے بارے میں تمام معلومات کے لیے ایک ویب سائٹ www.haiderqureshi.com کے نام سے ہے۔ جس کو حیدر قریشی کے قریبی دوستوں خورشید اقبال (ڈائریکٹر اردو دوست ڈاٹ کام) نذر خلیق اور سعید شباب نے مل کر قائم کیا ہے۔ (۱۵)

حیدر قریشی کے تین بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ بڑی بیٹی کا نام رضوانہ کوثر ہے اور دوسری بیٹی کا نام درثمین ہے اور وہ "مانو" کے نام سے پکاری جاتی ہے۔ حیدر قریشی کے تین بیٹے ہیں۔ جن کے نام علی الترتیب شعیب حیدر، عثمان حیدر، اور طارق عرف ٹیپو ہے۔ بڑے دونوں بیٹے اور دونوں بیٹیاں شادی شدہ ہیں۔ حیدر قریشی کا سارا خاندان جرمنی میں جبکہ ان کے بہن بھائی اور باقی رشتہ دار پاکستان میں ہیں۔

حیدر قریشی نے باقاعدہ طور پر شاعری کا آغاز ۱۹۷۱ء میں کیا۔ اس سے پہلے چھوٹی موٹی تک بندی دو تین سال پہلے سے جاری

تھی۔

پہلے پہل حیدر قریشی نے اپنی اس صلاحیت کو سب سے چھپا کر رکھا' پھر اپنی ایک غزل ایک ہفت روزہ تک بھیجی جو کہ معیاری ہونے کی بدولت شائع ہوگئی۔ان کی شاعری کو باقاعدہ منظر عام پر لانے کا ذریعہ حیدر قریشی کے دوست جمیل محسن بنے جنھوں نے ایک ادبی انجمن ''بزم فرید'' خان پور میں قائم کی تھی۔حیدر قریشی نے جمیل محسن کی دعوت پر اپنی غزل بزمِ فرید میں پڑھی۔اپنی اس شعری نشست کے بارے میں حیدر قریشی اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہیں۔

> ''۱۹۷۳ء کا کوئی دن تھا۔جمیل محسن میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ ہم نے ایک ادبی انجمن '' بزم فرید'' قائم کی ہے۔آج شام کو اس کے زیر اہتمام ایک شعری نشست ہو رہی ہے۔آپ بھی اس میں شرکت کریں۔۔۔۔۔۔۔خان پور کے جیٹھہ بھٹہ بازار میں ایک بڑی سی دکان کے اندر فرشی نشست تھی۔بیس کے لگ بھگ حاضرین موجود تھے۔بڑے احترام کے ساتھ میرا استقبال کیا گیا۔مشاعرہ شروع ہوا۔جب مجھے کلام سنانے کی دعوت دی گئی' مجھ پر شدید گھبراہٹ طاری تھی۔پتا نہیں میں نے غزل کیسے پڑھنی شروع کی اور کیسے مکمل کی اتنا یاد ہے کہ غزل ختم ہونے پر دکان داد سے گونج رہی تھی اور میں پسینے سے تر بتر تھا۔یہ ''بزم فرید'' میں میری پہلی آمد تھی۔ (۱۶)

بہت جلد حیدر قریشی کو بزم فرید کا جائنٹ سیکرٹری اور پھر جنرل سیکرٹری کا عہدہ بھی سونپ دیا گیا۔حیدر قریشی نے بحثیت جنرل سیکرٹری بزم فرید کی ترقی وترویج کے لیے اس کی پریس رپورٹنگ پر خاص توجہ دی۔اس کے لیے حیدر قریشی نے بہاول پور کے ہفت روز ''مدینہ'' کی خدمات حاصل کیں۔پھر یہی ہفت روزہ ''مدینہ'' حیدر قریشی کے لیے ترقی اور شہرت کا زینہ بن گیا کیونکہ بہاول پور کے ہفت روزہ ''مدینہ'' کے ایڈیٹر علامہ منظور احمد رحمت نے نہ صرف بزم فرید کی ادبی رپورٹیں شائع کیں بلکہ حیدر قریشی کو مختلف ادبی اور سماجی موضوعات پر لکھنے کی تحریک کر کے نثر نگاری کی طرف بھی راغب کیا۔ (۱۷)

حیدر قریشی کا پہلا مضمون ۱۹۷۵ء میں ''موجودہ ادبی بے راہ روی'' کے عنوان سے ''نگار پاکستان'' میں شائع ہوا۔حیدر قریشی اس وقت خود کو ادبی دنیا میں نو وارد تصور کرتے تھے۔اس لیے انہوں نے اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو ابھارنے کیلئے بڑے بڑے ادیبوں اور شاعروں کی تخلیقات کو پڑھنا شروع کیا۔ایسے میں ڈاکٹر وزیر آغا کی تصانیف ''تنقید اور احتساب''۔''نظم جدید کی کروٹیں'' اور ''نئے مقالات'' نے حیدر قریشی کو ڈاکٹر وزیر آغا کا مداح بنا دیا۔اس بارے میں وہ لکھتے ہیں۔

> ''مجھے احساس ہوا کہ ادب کے بارے میں جو کچھ میں سوچتا ہوں مگر میری گرفت میں نہیں آپاتا' وہ سب ڈاکٹر وزیر آغا کی گرفت میں ہے۔'' (۱۸)

حیدر قریشی نے ۱۹۷۸ء کے آخر میں خان پور سے جدید ادب کے نام سے ایک کتابی سلسلے کے اجراء کا پروگرام بنایا۔جدید ادب کا

پہلا شمارہ اکتوبر ۱۹۷۸ء میں خان پور سے شائع ہوا۔''جدید ادب''نو سال تک شائع ہوتا رہا۔اس رسالے کی اشاعت میں ڈاکٹر وزیر آغا نے حیدر قریشی کی بہت حد تک معاونت کی۔حیدر قریشی اپنے ہر رسالے کی اشاعت سے پہلے ڈاکٹر وزیر آغا سے مشورہ کرتے تھے۔اس کے علاوہ''جدید ادب''میں ڈاکٹر وزیر آغا کی تخلیقات کو اہتمام سے شائع کیا جاتا۔محدود وسائل اور مالی مشکلات کی بناء پر''جدید ادب'' کی اشاعت بند ہوگئی۔اس کا آخری شمارہ ۱۹۸۶ء میں شائع ہوا۔حیدر قریشی نے ''جدید ادب''کو جرمنی سے بھی شائع کیا۔جس کا پہلا شمارہ مئی ۱۹۹۹ء اور دوسرا شمارہ مئی ۲۰۰۰ء میں سرور ادبی اکادمی جرمنی کے زیر اہتمام شائع ہوا لیکن پھر چند وجوہ کی بناء پر''جدید ادب'جرمنی'' کی اشاعت بھی معطل ہوگئی۔''

''جدید ادب''خان پور میں حیدر قریشی کی شاعری،افسانے اور دوسری تخلیقات شائع ہونے لگیں۔انہی چھوٹی چھوٹی کوششوں کے تسلسل سے حیدر قریشی کی تخلیقات نے تصانیف کا روپ دھارنا شروع کر دیا اور وہ یکے بعد دیگرا اپنی منزلیں طے کرتے ہوئے شہرت کی بلندیوں کو چھونے لگے۔اس شہرت کی ایک اہم وجہ ان کی ماہیا نگاری اور ماہیا پر تنقید بھی تھی۔حیدر قریشی کی مطبوعہ کتب مندرجہ ذیل ہیں۔

مطبوعہ شاعری کی کتب:

۱۔ سلگتے خواب (غزلیں)

۲۔ عمرِ گریزاں (غزلیں،نظمیں،ماہیے'')

۳۔ محبت کے پھول (ماہیے)

۴۔ دعائے دل (غزلیں،نظمیں)

۵۔ غزلیں،نظمیں،ماہیے (چاروں شعری تخلیقات کا مجموعہ)

مطبوعہ تخلیقی نثر:

۶۔ روشنی کی بشارت (افسانے)

۷۔ قصے کہانیاں (افسانے)

۸۔ میری محبتیں (خاکے)

۹۔ سوئے حجاز (سفرنامہ)

تخلیق و تنقید میں مطبوعہ کتب:

۱۰۔ اردو میں ماہیا نگاری (یک موضوعی کتاب)

۱۱۔ عہد ساز شخصیت (مضامین کا مجموعہ)

۱۲۔ ماہیے کی تحریک (مضامین کا مجموعہ)

۱۳۔ اردو ماہیے کے بانی (مضامین کا مجموعہ)

زیر اشاعت کتب:

۱۔ فاصلے، قربتیں (انشائیے)

۲۔ کھٹی میٹھی یادیں (یادنگاری)

۳۔ افسانے، خاکے، انشائیے

۴۔ حاصل مطالعہ (مضامین کا مجموعہ)

حیدر قریشی مختلف ادبی رسائل اور اخبارات میں اپنے مضامین، شاعری، افسانے، خاکے، انشائیے وغیرہ لکھ چکے ہیں۔ مثلاً

اخبارات:

اخبارات میں سے کچھ کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ روزنامہ ''نوائے وقت'' راولپنڈی

۲۔ روزنامہ ''جنگ'' لندن

۳۔ روزنامہ ''امروز'' ملتان

۴۔ روزنامہ ''مشرق'' پشاور

۵۔ روزنامہ ''صداقت'' لاہور

۶۔ روزنامہ ''پاکستان ٹوڈے'' امریکہ

۷۔ روزنامہ ''مصنف'' حیدرآباد (دکن)

۸۔ ہفت روزہ ''اخبار نو'' دہلی

۹۔ ہفت روزہ ''بھنگڑا'' گوجرانوالہ

۱۰۔ ہفت روزہ ''لاہور'' لاہور

۱۱۔ ہفت روزہ ''مدینہ'' بہاول پور

۱۲۔ ویکلی ''ہوٹل ٹائمز'' اسلام آباد

رسائل:

جن رسائل میں حیدر قریشی کی تخلیقات شائع ہوتی رہیں۔ ان میں سے چند کے نام یہ ہیں۔

۱۔ ماہنامہ ''اوراق'' لاہور

۲۔ ماہنامہ ''ماہ نو'' لاہور

۳۔ ماہنامہ ''تجدیدنو'' اسلام آباد

۴۔ ماہنامہ ''تخلیق'' لاہور

۵۔ ماہنامہ ''نگارستان'' کراچی

۶۔ ماہنامہ ''ادب لطیف'' لاہور

۷۔ ماہنامہ ''صدرنگ'' اسلام آباد

حوالہ جات

۱۔ سہ ماہی ''ادب عالیہ انٹرنیشنل'' ص:۶۱۔جمیل احمد ہانس پبلی کیشنز، وہاڑی، اپریل تا جون۲۰۰۲ء۔

۲۔ حیدرقریشی'' میری محبتیں'' ص نمبر۲۹۔معیار پبلی کیشنز، نئی دہلی ۱۹۹۸ء۔

۳۔ حیدرقریشی'' میری محبتیں'' ص نمبر۲۹۔

۴۔ حیدرقریشی'' میری محبتیں'' ص نمبر۴۶۔

۵۔ حیدرقریشی'' میری محبتیں'' ص نمبر۱۰۔

۶۔ حیدرقریشی'' میری محبتیں'' ص نمبر۱۱۔

۷۔ ڈاکٹر شفیق احمد'' حیدرقریشی کی شاعری'' ص نمبر۲ غیر مطبوعہ مضمون۔

۸۔ حیدرقریشی'' کھٹی مٹھی یادیں'' دوماہی ''گلبن'' احمد آباد شمارہ مئی، جون ۱۹۹۹ء۔

۹۔ حیدرقریشی، ''کھٹی میٹھی یادیں'' (زیراشاعت)

۱۰۔ حیدرقریشی، ''کھٹی میٹھی یادیں''

۱۱۔ حیدرقریشی، ''میری محبتیں'' ، ص نمبر۱۲

۱۲۔ حیدرقریشی، ''کھٹی میٹھی یادیں''

۱۳۔ بحوالہ ڈاکٹر شفیق احمد سے ایبٹ آباد میں صابر کلوروی کی گفتگو

۱۴۔ مرتبین نذیر فتح پوری، سنجے گوڑبولے ''حیدرقریشی۔فن اور شخصیت'' ص نمبر۱۰، اسباق پبلی کیشنز، پونہ

۱۵۔ مرتبین نذیر فتح پوری۔سنجے گوڑبولے، ''حیدرقریشی۔فن اور شخصیت''، ص نمبر۱۲

۱۶۔ حیدرقریشی، ''میری محبتیں'' ص نمبر۱۵۱۔۱۵۲

۱۷۔ حیدرقریشی، ''میری محبتیں'' ص نمبر۱۵۱

۱۸۔ حیدرقریشی، ''میری محبتیں'' ص نمبر۱۰۶

حیدر قریشی کی شخصیت (حصہ دوم)

کسی تخلیق کار کے ادب پر نظر ڈالنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ وہ اس کی شخصیت سے واقفیت رکھتا ہو۔ کیونکہ ہر تخلیق کار کا فن اس کی شخصیت کا پرتو ہوتا ہے۔ شخصیت سے مراد کسی شخص کی داخلی اور خارجی ہستی کے خصائص اور میلانات سے مل کر جو مجموعی پیکر بنتا ہے اسے شخصیت کہتے ہیں۔ گویا شخصیت داخلی اور خارجی خصائص اور میلانات کا امتزاج ہوتی ہے۔ اپنی تصویروں کے حوالے سے حیدر قریشی سانولی رنگت کے مالک ہیں اور ان کا جسم فربی مائل ہے۔ چہرے کے نقوش دھیمی مسکراہٹ کی بدولت پُر وقار لگتے ہیں۔ چہرے پر متناسب سائز کی مونچھیں ہیں۔ آنکھوں پر نظر کا چشمہ لگاتے ہیں۔ ان کے لباس کے حوالے سے خورشید ناظر اپنی سابقہ ملاقاتوں کا ذکر کرتے ہوئے بتاتے ہیں۔

> ''حیدر قریشی عام طور پر شلوار قمیض پہنتے تھے اور اکثر اوقات ادبی مصروفیت کی بناء پر وہ لباس کی صفائی تک کا خیال نہیں کرتے تھے''۔ (۱)

لیکن اب حیدر قریشی گھر میں قمیض شلوار پہنتے ہیں۔ جب کہ باہر پینٹ شرٹ' ٹائی اور کوٹ کا استعمال زیادہ تر کرتے ہیں۔ حیدر قریشی شائستہ اور سادہ گفتگو کرتے ہیں۔ ان کی گفتگو میں موضوع کے مطابق اتار چڑھاؤ کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ ڈاکٹر محمد انور صابر حیدر قریشی کے لب و لہجے کے بارے میں بتاتے ہیں۔

> ''وہ شائستہ اور بے تکلف انداز میں بات کرنے کے عادی ہیں''۔ (۲)

پروفیسر نذر خلیق حیدر قریشی کے بارے میں کہتے ہیں:

> ''ان کے ہاں ہر معاملہ میں شائستگی ہے اور وہ ادب و احترام سے بات کرتے ہیں''۔
>
> (۳)

حیدر قریشی کی گفتگو میں موجود ذومعنویت کے پہلو پر خورشید ناظر اظہار خیال کرتے ہیں:

> ''اُن کا لب و لہجہ عموماً معتدل ہی ہوتا تھا لیکن بعض اوقات وہ کسی کے لیے طنز کا لہجہ بھی اختیار کر لیتے تھے لیکن اس طنز میں بھی ذومعنویت پائی جاتی تھی''۔ (۴)

حیدر قریشی خوراک کے معاملے میں سادہ ہیں۔ وہ سب کچھ بغیر کسی تردّد سے کھا لیتے ہیں۔ کھانے پینے کے معاملے میں گھر والوں کو پریشان نہیں کرتے۔ ان کی خوراک کے حوالے سے خورشید ناظر بتاتے ہیں۔

''خوراک سادہ تھی کبھی فرمائش نہیں کی، جو مل جاتا' اسی کو اطمینان سے کھا لیتے''۔

(۵)

ان کی اہلیہ ''مبارکہ'' ان کی خوراک کے متعلق بتاتی ہیں۔

''صابروشاکر ہیں۔جیسا بھی مل جائے' کھاپی لیتے ہیں۔کبھی کبھار ٹی وی دیکھتے ہوئے ڈرائی فروٹ کھانے میں بدپرہیزی کر جاتے ہیں۔نہاری اور پائے شوق سے کھاتے ہیں''۔

(۶)

اس رائے سے پتہ چلتا ہے کہ حیدر قریشی خوش خوراک ہیں۔کھانے میں سب کچھ کھا لیتے ہیں مگر لذیذ اور خوش ذائقہ خوراک کو فوقیت دیتے ہیں۔

حیدر قریشی شریف اور سادہ طبعیت کے حامل انسان ہیں۔ان کے اس پہلو کے بارے میں ڈاکٹر انور صابر کی رائے ہے۔

''میں انہیں ۱۹۸۰ء سے جانتا ہوں۔وہ بہت سادہ اور شریف النفس انسان ہیں۔''

(۷)

خورشید ناظر حیدر قریشی کی شرافت کے حوالے سے بتاتے ہیں۔

''میں نے انہیں کبھی معیار سے گری ہوئی بات کرتے ہوئے نہیں دیکھا' جس سے محسوس ہو کہ ان کے کردار میں کوئی ایسا پہلو ہے جسے منفی کہا جاسکے۔وہ ایک شریف اور دوست انسان ہیں۔'' (۸)

پروفیسر اکبر حمید اپنے تخلیق کردہ حیدر قریشی کے خاکے ''گرم دم جستجو گرم دم گفتگو'' میں حیدر قریشی کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''میٹھا' دل پذیر' جوتوں سمیت دل میں اتر جانے والا' صاف ستھرا' کھرا' دوٹوک' ٹوٹ کر محبت کرنے والا' مصلحتوں کی کمزوریوں سے مبرا' اپنی رائے اور فیصلے میں اٹل دوستوں کو آگے نکلتا دیکھ کر خوش ہونے والا''۔ (9)

حیدر قریشی کے مزاج کی اس رنگارنگی کے ساتھ ساتھ وہ ایک قابل اور محنتی انسان ہیں۔وہ بیک وقت شاعر' نقاد' خاکہ نگار اور انشائیہ نگار ہیں۔وہ اپنی محنت' ذہانت اور قابلیت کی وجہ سے ہر وقت کسی نہ کسی تخلیقی کام میں مصروف رہتے ہیں۔ڈاکٹر انور صابر حیدر قریشی کے بارے میں کہتے ہیں۔

''وہ ایک مخلص' محنتی اور دھن کا پکا انسان ہے۔'' (۱۰)

خورشید ناظر ان کی تخلیق اور ادبی مصروفیت پر تبصرہ کرتے ہوئے بتاتے ہیں۔

''وہ اکثر اوقات سفر میں رہتے تھے اور یہ سفر عام طور پر ادبی حوالے سے ہوتا تھا۔ وہ اکثر و بیشتر سرگودھا جاتے کیونکہ وہ ڈاکٹر وزیر آغا سے نہایت عقیدت بھرا تعلق رکھتے تھے اور عام طور پر مختلف مقامات پر مشاہیر ادب سے ملنا ان کا پسندیدہ کام تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے رسالے ''جدید ادب'' میں بڑے بڑے لکھاریوں کے نام دیکھے جا سکتے ہیں۔'' (۱۱)

حیدر قریشی کا شمار اوسط درجے کے طالب علموں میں ہوتا تھا۔ حیدر قریشی اپنی پرائمری لیول کی تعلیم کے بارے میں بتاتے ہیں۔

''میں پڑھائی میں نہ اول درجہ کا طالب علم تھا' نہ نکما تھا۔ میں اوسط درجے سے تھوڑا سا بہتر طالب علم تھا۔'' (۱۲)

اس کے باوجود حیدر قریشی کے اندر کچھ کرنے اور آگے بڑھنے کی لگن کا ایک احساس موجود تھا۔ جس نے انہیں ملازمت کے ساتھ ساتھ پڑھنے کی طرف بھی راغب رکھا۔ حیدر قریشی اپنی ملازمت اور تعلیم کے بارے میں بتاتے ہیں۔

''۱۹۶۸ء میں دسویں کا امتحان پاس کرتے ہی حئی سنز شوگر ملز جیٹھہ بھٹہ خان پور میں مزدوری کر لی تب ایک صاحب نے پیشکش کی کہ حیدر کالج میں پڑھنا چاہے تو اس کے جملہ تعلیمی اخراجات کا ذمہ میں لیتا ہوں۔ لیکن میرا مسئلہ کالج کی تعلیم سے زیادہ اباجی کے بوجھ کو بانٹنا تھا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں نے ۱۹ سال تک مزدوری کی نوکری کیساتھ ساتھ پرائیویٹ طور پر اپنا سلسلہء تعلیم جاری رکھا۔ خدا کے فضل اور امی' ابو کی دعاؤں سے ۱۹۷۰ء میں ایف۔ اے ۱۹۷۲ء میں بی۔ اے اور ۱۹۷۶ء میں ایم اے (اردو) کر لیا۔'' (۱۳)

حیدر قریشی کی شخصیت کا ایک اہم اور مثبت پہلو یہ بھی ہے کہ وہ بہت مخلص اور محبت کرنے والے انسان ہیں۔ لیکن ان کے مزاج میں انتہا پسندی کا عنصر بھی ملتا ہے جو ان کی مستقل مزاجی کا ثبوت ہے۔ پروفیسر اکبر حمیدی حیدر قریشی کے بارے میں بتاتے ہیں۔

''وہ دوستوں ہی کو اپنے ساتھ نہیں رکھتا خود بھی دوستوں کے ساتھ رہتا ہے۔ میرے انشائیوں کے مجموعے ''جزیرے کا سفر'' کی تقریب کی خبر جب اس نے سنی تو مجھے لکھا کہ میں اور فرحت نواز بھی اس تقریب میں مضمون پڑھنے خان پور سے سرگودھا آ رہے ہیں۔ ہمیں دعوت نامے بھجواؤ۔ چنانچہ دسمبر کی بارشوں میں وہ اور فرحت نواز دونوں اس تقریب کے لیے سرگودھا پہنچے۔ اسی طرح جب میرا تیسرا مجموعہ ''تلوار اس کے ہاتھ'' شائع ہو رہا تھا۔ حیدر قریشی نے مجھے لکھا ''یہ مجموعہ مکتبہ جدید ادب شائع کرے گا۔'' چنانچہ وہیں سے شائع ہوا۔''

(۱۴)

پروفیسر فرحت نواز حیدر قریشی کے بارے میں کہتی ہیں:

''حیدر قریشی انتہائی مخلص سے بھی زیادہ مخلص دوست ہے۔'' (۱۵)

بلاشبہ حیدر قریشی ایک مخلص اور مثبت سوچ کے حامل انسان ہیں۔اس پر خلوص انداز کی ایک بڑی وجہ ان میں مروت کا ہونا ہے۔ خورشید ناظر حیدر قریشی کے بارے میں بتاتے ہیں۔

''حیدر قریشی ایک بامروت اور شائستہ انسان ہیں۔وہ اپنی حد میں رہ کر اپنے ملنے والوں اور دوست احباب کی ہر طرح سے خدمت کرنے کے عادی ہیں۔ (۱۶)

لیکن ان میں کسی حد تک دوسروں کی باتیں برداشت کرنے کا مادہ کم ہے وہ اپنے خلاف ہونے والی باتوں کو ایک حد تک برداشت کرتے ہیں لیکن جب وہ مخالفانہ باتیں بڑھ جاتی ہیں تو جواب دیئے بغیر نہیں رہتے۔اس پہلو کے بارے میں حیدر قریشی خود لکھتے ہیں۔

''شروع میں جب کوئی مخالفانہ مضمون آتا تھا تو میں غصے کیساتھ کانپتا تھا اور جب تک جواب نہ لکھ لیتا تھا مجھے چین نہیں آتا تھا۔لیکن جب سے میں نے سکہ رائج الوقت کو سمجھ لیا ہے مجھے اب زیادہ غصہ بھی نہیں آتا اور مخالفین کی کسی واقعی اہم بات کا جواب تو ضرور دیتا ہوں مگر ان کی عام اور سطحی باتوں کی اب میں پروا بھی نہیں کرتا۔ (۱۷)

حیدر قریشی کو اپنی ادبی زندگی میں بہت مخالفت کا سامنا کرنا پڑا ہے۔اس کی ایک بڑی وجہ یہ کہی جاسکتی ہے کہ وہ ادبی سیاست کا شکار رہے اور لابی سے محروم ہیں۔

حیدر قریشی کے دوست احباب کا حلقہ وسیع ہے۔اس کی وجہ ان کا بلند اخلاق اور بے غرض انداز ہے۔ان کے دوستوں میں اکثریت ان کی ہے جن سے وہ پاکستان میں تعلق رکھے ہوئے تھے۔حیدر قریشی کے حلقہ احباب کے بارے میں ان کی شریک حیات مبارکہ حیدر بتاتی ہیں کہ:

''پرانا حلقہ احباب تو وہی ہے جو ابتداء میں تھا۔سعید شباب' نذر خلیق' فرحت نواز ۔۔۔۔۔' ادبی احباب میں ڈاکٹر وزیر آغا سے لیکر اکبر حمیدی تک ایک لمبی فہرست ہے۔ اب انٹرنیٹ پر ان کے دوستوں کا ایک اور بڑا حلقہ سامنے آیا ہے۔جن میں سب سے اہم خورشید اقبال صاحب ہیں۔جو ''اردو دوست ڈاٹ کام'' کے مالک ہیں''۔ (۱۸)

پروفیسر اکبر حمیدی حیدر قریشی کے وسیع حلقہء احباب کی ایک وجہ ان کی مقناطیسی شخصیت کو قرار دیتے ہیں۔

''حیدر قریشی میں کوئی مقناطیسی قوت ہے کہ جو کوئی ایک بار اس کے حلقہء احباب میں داخل ہوا پھر کبھی باہر نہ نکلا۔میں اور فرحت نواز تو خیر اب اس زنجیر کے عادی ہو چکے ہیں۔ حیرت تو یہ ہے کہ یہ زنجیر محبت بہت سے نئے شاعروں اور شاعرات کو گرفتار کرتی چلی جا رہی

ہے۔۔۔۔۔حیدر قریشی کے دوستوں اور ادبی احباب میں ڈاکٹر وزیر آغا، ڈاکٹر جمیل جالبی ، ڈاکٹر انور سدید، محمد علی صدیقی، جوگندر پال اور فرحت نواز جیسے نامور لوگ بھی شامل ہیں اور تازہ واردان بساط ادب بھی۔'' (۱۹)

خورشید ناظر اپنے اور حیدر قریشی کے تعلق کے حوالے سے بتاتے ہیں کہ:

''میرا اور حیدر قریشی کا ہمیشہ اچھے دوست کی حیثیت سے تعلق رہا ہے۔ ہمارے اس تعلق کی زیادہ تر نوعیت ادبی ہوتی تھی کیونکہ میری اکثر شاعری ''جدید ادب'' میں شائع ہوتی تھی۔'' (۲۰)

حیدر قریشی کی شخصیت کو پروان چڑھانے میں ڈاکٹر وزیر آغا اور ان کے گروپ نے اہم کردار ادا کیا۔ حیدر قریشی ڈاکٹر وزیر آغا سے دلی عقیدت اور محبت رکھتے تھے۔ وزیر آغا سے اپنے تعلق کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''ڈاکٹر وزیر آغا سے میرا تعلق کسی تعارف کے بغیر فکری سطح پر پہلے قائم ہوا تھا۔ ذاتی رابطہ اور شخصی سطح پر تعلق بہت بعد میں قائم ہوا۔ میں نے وزیر آغا سے اپنے تعلق اور نیازمندی کو دو خانوں میں بانٹ رکھا ہے۔ ایک خانہ علمی اور فکری تعلق کا ہے۔ ایک خانہ شخصی اور ذاتی تعلق کا ہے۔ علمی لحاظ سے میں ڈاکٹر وزیر آغا کو اپنا استاد اور رہنما سمجھتا ہوں۔'' (۲۱)

ڈاکٹر وزیر آغا سے یہ تعلق حیدر قریشی کے اس شعر سے بھی واضح ہوتا ہے۔

حیدر نئے ادب میں تو گھائل انہیں کا ہوں
رشتہ بہت ہی گہرا ہے آغا وزیر سے (۲۲)

ڈاکٹر وزیر آغا حیدر قریشی کی تخلیقی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کیلئے انہیں اپنے مشوروں سے فیض یاب کرتے رہتے ہیں۔ اسی رہنمائی کی بدولت حیدر قریشی ادب کی متعدد اصناف میں کامیاب نظر آتے ہیں۔ اس کے علاوہ حیدر قریشی بھی ڈاکٹر وزیر آغا کی بتائی ہوئی لائنوں پر چلنے کیلئے آمادہ تھے۔ وہ ''جدید ادب'' کی اشاعت میں سب سے پہلے وزیر آغا سے مشورہ کرتے تھے۔ ان تعلقات کی بناء پر حیدر قریشی کو وزیر آغا گروپ کا ممبر کہا جا سکتا ہے اور انہوں نے اس گروپ کے فروغ کیلئے کافی خدمات بھی سرانجام دی ہیں۔

وزیر آغا گروپ سے منسلک ہونے کی وجہ سے حیدر قریشی کی کبھی کوئی تحریر احمد ندیم قاسمی کے رسالے ''فنون'' میں شائع نہیں ہوئی اور نہ ہی ''جدید ادب'' میں احمد ندیم قاسمی کی کوئی تحریر چھپی۔

حیدر قریشی کا شمار محبت کرنے والے لوگوں میں ہوتا ہے۔ انہیں اپنے والدین اور بہن بھائیوں سے بے حد محبت ہے۔ اس محبت کا اظہار انہوں نے بارہا اپنی تخلیقات میں کیا ہے۔ اپنے والدین پر لکھے جانے والے خاکے حیدر قریشی کی محبت کا ثبوت ہیں۔

حیدر قریشی کی اہلیہ مبارکہ حیدر جو ایک گھریلو خاتون ہیں اپنے شوہر کے بارے میں کہتی ہیں۔

''وہ بے حد اچھے اور محبت کرنے والے شوہر ہیں۔ ہم دونوں میں بہت ہم آہنگی ہے۔ ویسے ہمارے مذاق ایک دوسرے سے بالکل متصادم ہیں لیکن اس کا ہماری زندگی پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا۔'' (۲۳)

حیدر قریشی کی بڑی بیٹی رضوانہ حیدر اپنے والد کے بارے میں رائے دیتے ہوئے کہتی ہیں۔

''بحیثیت والد نرم طبیعت کے ہیں۔ اولاد پر اپنے فیصلے ٹھونستے نہیں ہیں۔ بلکہ ان کی رائے اور مرضی پوچھتے ہیں اور اسی کو فوقیت دیتے ہیں۔ البتہ جب کوئی مسئلہ درپیش ہو تو کسی سے مشورہ نہیں کرتے، خود ہی حالات سے نمٹتے ہیں۔'' (۲۴)

حیدر قریشی کے بڑے بیٹے شعیب حیدر ان کے مزاج کے بارے میں بتاتے ہیں۔

''پہلے تھوڑے سخت مزاج کے تھے اب قدرے نرم مزاج کے ہو گئے ہیں۔'' (۲۵)

حیدر قریشی کی اہلیہ ''مبارکہ حیدر'' حیدر قریشی کے مزاج کے متعلق بتاتی ہیں۔

''بہت میٹھے اور بہت کڑوے۔ اپنے ہر رویے میں انتہا پسند ہیں۔'' (۲۶)

اس کے علاوہ حیدر قریشی کی بے حد ادبی مصروفیات کے بارے میں مبارکہ حیدر بتاتی ہیں۔

''میں عموماً ان کی ادبی زندگی کی مصروفیت کی وجہ سے نالاں رہتی ہوں۔ میں گھر پر ہوتی ہوں تو ان کو اپنے ادبی کاموں سے فرصت نہیں ہوتی۔ ایک بار میں دو دن کے لیے اپنی بیٹی کے ہاں گئی۔ واپس آئی تو کہنے لگے کہ آپ گھر پر موجود ہوں تو آپ کی موجودگی کے احساس کے باعث خود بخود ادبی کام ہوتا رہتا ہے۔ لیکن آپ گھر پہ نہیں تھیں تو کسی قسم کا کام کرنے کو جی نہیں چاہا۔ یہ ان کے لیے بھی انکشاف تھا اور میرے لیے بھی''۔ (۲۷)

حیدر قریشی کی ادبی مصروفیات کے بارے میں ان کی بڑی بہو تسنیم حیدر بتاتی ہیں۔

''ادبی زندگی پوری زندگی پر حاوی ہو جائے تو مشکل ہو جاتی ہے۔ کئی گھریلو تقریبات کی وجہ سے بہت کم وقت دے پاتے ہیں۔ اول تو تقریب سے غائب رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر شامل ہوں تو تب بھی جلد سے جلد گھر جانے کی کوشش کرتے ہیں۔'' (۲۸)

حیدر قریشی کا شمار قابل اعتماد دوستوں میں ہوتا ہے۔ ان کا رویہ اپنے دوستوں سے ہمدردانہ، مخلص اور مددگار ہوتا ہے۔ بقول نذیر فتح پوری:

''حیدر قریشی نہایت خندہ پیشانی کیساتھ آنے والوں کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ اپنی بے پناہ مسرت کا اظہار کرتے ہیں، دیدہ و دل فرشِ راہ کرنے کے ہنر سے بھی وہ واقف ہیں اور اپنا

یہ ہنر دکھانے میں قطعی بخل سے کام نہیں لیتے۔منہ موڑ کر جانے والوں کیلئے ان کے دل میں دکھ کے طوفان اٹھتے ہیں۔وہ روٹھے ہوؤں کو منانے کی کوشش کرتے ہیں۔"

(۲۹)

پروفیسر اکبر حمیدی حیدر قریشی کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"اس خود غرض،سودا باز اور کم حوصلہ عہد میں اتنے بے غرض،مخلص اور وسعت ظرف رکھنے والے دوست کہاں ملتے ہیں۔ویسے بھی میرا تجربہ ہے کہ بڑے شہر عام طور پر چھوٹے لوگوں کو پیدا کرتے ہیں۔بڑے لوگ جو اندر سے بڑے ہوتے ہیں وہ تو چھوٹے شہروں کے تربیت یافتہ ہوتے ہیں۔حیدر قریشی بھی چھوٹے شہر کا بڑا آدمی ہے" (۳۰)

حیدر قریشی کے دوست خورشید اقبال ان کے بارے میں رائے دیتے ہیں۔

"حیدر قریشی کی شخصیت کا منفرد پہلو ہی ان کے فن کے منفرد پہلو کا ذمہ دار ہے ۔۔۔۔اور وہ ہے بیباکی اور صاف گوئی۔ان کی غزلوں،نظموں،ماہیوں،افسانوں اور خاکوں میں سے اگر ان کی بیباکی نکال لی جائے تو ان کے فن کا سارا حسن ماند پڑ جائے۔ سارے رنگ پھیکے پڑ جائیں گے۔" (۳۱)

گویا ہم کہہ سکتے ہیں کہ حیدر قریشی کی شخصیت اپنے گونا گوں رنگوں کے ساتھ ہمیں متاثر کرتی ہے اور ان کی شخصیت ہی ان کے فن میں جھلکتی نظر آتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ خورشید ناظر۔انٹرویو: ۱۷۔اکتوبر۲۰۰۲ء۔رہائش گاہ خورشید ناظر۔سیٹلائٹ ٹاؤن بہاول پور۔

۲۔ محمد انور صابر ڈاکٹر۔انٹرویو: ۲۰۔اکتوبر۲۰۰۲ء۔رہائش گاہ ڈاکٹر محمد انور صابر۔سیٹلائٹ ٹاؤن بہاول پور۔

۳۔ نذر خلیق۔تحریرانٹرویوبسلسلہ سوال نامہ:۲۷۔اکتوبر۲۰۰۲ء۔رحیمیار خان۔

۴۔ خورشید ناظر۔انٹرویو:۱۷۔اکتوبر۲۰۰۲ء۔بہاول پور۔

۵۔ خورشید ناظر۔انٹرویو:۱۷۔اکتوبر۲۰۰۲ء۔بہاول پور۔

۶۔ مبارکہ حیدر۔تحریری انٹرویوبسلسلہ سوال نامہ:۲۴۔اکتوبر۲۰۰۲ء۔جرمنی۔

۷۔ محمد انور صابر۔ڈاکٹر۔انٹرویو:۲۰۔اکتوبر۲۰۰۲ء۔جرمنی۔

۸۔ خورشید ناظر۔انٹرویو:۱۷۔اکتوبر۲۰۰۲ء۔بہاول پور۔

۹۔ مرتبین۔نذیر فتح پوری۔سنجے گوڑبولے۔''حیدر قریشی۔فن اور شخصیت''ص نمبر۱۴۔اسباق پبلی کیشنز۔پونہ۔

۱۰۔ محمد انور صابر۔ڈاکٹر۔انٹرویو:۲۰۔اکتوبر۲۰۰۲ء۔بہاول پور۔

۱۱۔ خورشید ناظر۔انٹرویو:۱۷۔اکتوبر۲۰۰۲ء۔بہاول پور۔

۱۲۔ حیدر قریشی۔''کھٹی میٹھی یادیں''،دوماہی''گلبن''احمد آباد۔شمارہ مئی جون ۱۹۹۹ء۔

۱۳۔ حیدر قریشی۔''کھٹی میٹھی یادیں'' (زیراشاعت)

۱۴۔ مرتبین نذیر فتح پوری۔سنجے گوڑبولے۔''حیدر قریشی۔فن اور شخصیت''ص نمبر۱۵۔۱۶۔

۱۵۔ فرحت نواز۔تحریری انٹرویو۔بسلسلہ سوال نامہ۔۳۔اگست ۲۰۰۲ء۔رحیمیار خان۔

۱۶۔ خورشید ناظر۔انٹرویو:۱۷۔اکتوبر۲۰۰۲ء۔بہاول پور۔

۱۷۔ حیدر قریشی،''کھٹی میٹھی یادیں'' (زیراشاعت)

۱۸۔ مبارکہ حیدر۔تحریری انٹرویو۔بسلسلہ سوال نامہ:۲۴۔اکتوبر۲۰۰۲ء۔جرمنی۔

۱۹۔ مرتبین نذیر فتح پوری۔سنجے گوڑبولے،''حیدر قریشی۔فن اور شخصیت''،ص نمبر۱۴۔

۲۰۔ خورشید ناظر۔انٹرویو:۱۷۔اکتوبر۲۰۰۲ء۔بہاول پور۔

۲۱۔ حیدر قریشی،''ڈاکٹر وزیر آغا۔عہد ساز شخصیت''،ص نمبر۲۱۔نایاب پبلی کیشنز۔خان پور۔

۲۲۔ حیدر قریشی،''غزلیں،نظمیں،ماہیے''۔ص:۲۳۱۔سرور ادبی اکادمی۔جرمنی۔

۲۳۔ مبارکہ حیدر۔تحریری انٹرویو۔بسلسلہ سوال نامہ۔۲۴۔اکتوبر۲۰۰۲ء۔جرمنی۔

۲۴۔ رضوانہ حیدر۔تحریری انٹرویو۔بسلسلہ سوال نامہ۔۲۴۔اکتوبر۲۰۰۲ء۔جرمنی۔

۲۵۔ شعیب حیدر۔تحریری انٹرویو۔بسلسلہ سوال نامہ۔۲۴۔اکتوبر۲۰۰۲ء۔جرمنی۔

۲۶۔ مبارکہ حیدر۔تحریری انٹرویو۔بسلسلہ سوال نامہ۔۲۴۔اکتوبر۲۰۰۲ء۔جرمنی۔

۲۷۔ مبارکہ حیدر۔تحریری انٹرویو۔بسلسلہ سوال نامہ۔۲۴۔اکتوبر۲۰۰۲ء۔جرمنی۔

۲۸۔ تسنیم حیدر۔تحریری انٹرویو۔بسلسلہ سوال نامہ۔۲۴۔اکتوبر۲۰۰۲ء۔جرمنی۔

۲۹۔ مرتبین نذیر فتح پوری۔سنجے گوڑبولے،''حیدر قریشی۔فن اور شخصیت''،ص نمبر۱۸۔

۳۰۔ مرتبین نذیر فتح پوری۔سنجے گوڑبولے،''حیدر قریشی۔فن اور شخصیت''،ص نمبر۱۶۔

۳۱۔ خورشید اقبال۔تحریری انٹرویو۔بسلسلہ سوال نامہ۔۱۔نومبر۲۰۰۲ء۔مغربی بنگال انڈیا۔

باب دوم

تخلیقات حیدر قریشی

کا سرسری جائزہ

حیدر قریشی نے ۱۹۷۱ء میں ادب کے میدان میں قدم رکھا اور انہوں نے شاعری' افسانہ' انشائیہ' تنقید' ماہیا اور خاکہ نگاری جیسی اصناف ادب میں نام پیدا کیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے رسائل اور کتابیں بھی مرتب کیں۔ حیدر قریشی اُردو ادب کی تقریباً تمام اصناف میں کامیاب دکھائی دیتے ہیں۔ اسی لیے احمد حسین مجاہد حیدر قریشی کے تخلیقی ذہن کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حیدر قریشی ایک ہمہ جہت تخلیق کار ہے۔ غزل' نظم' افسانہ' انشائیہ' تحقیق' تنقید' غرض ہر میدان میں حیدر قریشی کے نقوش پاروشن ہیں۔۔۔ مشاہیر ادب نے ان کی تخلیقی صلاحیتوں کا بجا طور پر اعتراف کیا ہے۔'' (۱)

حیدر قریشی کی تخلیقات کو ادبی لحاظ سے مندرجہ ذیل چار حصوں میں تقسیم کیا اور اُسی کے مطابق جائزہ بھی لیا جا سکتا ہے۔

(۱) شاعری میں ''غزلیں' نظمیں' ماہیے'' کا سرسری جائزہ

(۲) تخلیقی نثری کتب کا سرسری جائزہ

(۳) تحقیقی و تنقیدی کتب کا سرسری جائزہ

(۴) مرتب کردہ کتب کا سرسری جائزہ

پھلا حصه:

(۱) ''غزلیں' نظمیں' ماھیے'' کا سرسری جائزہ:

''غزلیں' نظمیں' ماہیے'' حیدر قریشی کی شاعری پر مشتمل مجموعہ کلام ہے جو ۱۹۹۸ء میں پانچ سو کی تعداد میں ''سرور ادبی اکادمی جرمنی'' کی طرف سے شائع ہوا۔ اس کی قیمت ۴۰۰ روپے ہے۔ کتاب میں شعری اصناف بھی کتاب کے نام کی ترتیب سے رکھی گئی ہیں یعنی سب سے پہلے ۱۴۰ غزلیں' پھر ۲۷ آزاد نظمیں اور آخر میں ۲۰۰ ماہیے ہیں۔

حیدر قریشی کا یہ مجموعہ کلام اُن کی کل شاعری یعنی چار شعری مجموعوں پر مشتمل ہے۔ اُن شعری مجموعوں کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

(الف) سلگتے خواب (غزلیں)

(ب) عمرِ گریزاں (غزلیں،نظمیں اور ماہیے)

(ج) محبت کے پھول (ماہیے)

(د) دعائے دل (غزلیں اور نظمیں)

(الف) سلگتے خواب:

''سلگتے خواب'' حیدر قریشی کا پہلا شعری مجموعہ ہے۔ اس مجموعے کی اشاعت ۱۹۹۱ء میں ہوئی۔ ''سلگتے خواب'' کی طباعت ''تجدید اشاعت گھر لاہور'' نے کی۔ کتاب کا خوبصورت سرورق ''شبہ طراز'' نے تیار کیا ہے۔ پس ورق پر حیدر قریشی کی ایک تصویر کا اسکیچ بنایا گیا ہے۔ اسکیچ کے نیچے حیدر قریشی کے دستخط کے ساتھ یہ شعر درج ہے۔

میں منزلوں کی کھوج میں خود سے بچھڑ گیا

پھر عمر بھر تلاش ہی اپنی رہی مجھے

''سلگتے خواب'' کا انتساب حیدر قریشی نے اپنی شریک حیات ''مبارکہ'' کے نام کیا ہے۔ انتساب یوں ہے۔

''مبارکہ کے نام

اشعار سے تو کجا سامنے اس کے حیدؔر

شاعری ایک طرف اپنی دھری رہتی ہے (۲)

''سلگتے خواب'' کا پیش لفظ ڈاکٹر وزیر آغا نے لکھا ہے۔ ڈاکٹر وزیر آغا مذکورہ پیش لفظ میں حیدر قریشی کی شاعری کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''حیدر قریشی میں فاضل قوت اتنی زیادہ ہے کہ اس نے ادب کے محیط کو عبور کر کے بعض دیگر شعبوں میں بھی اپنی ذہانت کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے۔ مجھے اس کے ہاں ایک انوکھا ''حصول آزادی کا رجحان'' نظر آتا ہے' وہ آزاد ہونا چاہتا ہے مگر تا حال اسے شاید خود بھی معلوم نہیں کہ وہ کس سے آزاد ہونے کا خواہاں ہے۔ کیا وہ معاشرے کی جکڑ بندیوں سے باہر آنے کا متمنی ہے یا کلیشوں کی گرفت اور عقائد کی سنہری زنجیروں سے' یا پھر خود اپنی ذات کے سلاسل سے؟ (۳)

''سلگتے خواب'' غزلوں پر مشتمل مجموعہ ہے۔ اس مجموعے میں ۷۸ غزلیات ہیں۔ اس مجموعہ کلام کی پہلی غزل کا مطلع درج ذیل ہے۔

؎ عجیب کرب و بلا کی ہے رات آنکھوں میں
سسکتی پیاس لبوں پر، فرات آنکھوں میں (۴)

مجموعہ کا عنوان حیدر قریشی کی غزل نمبر ۳۷ کے مقطع سے ماخوذ ہے۔

؎ بھر کے آنکھوں میں سلگتے خواب اس کی یاد کے
مجھ کو سوتے میں بھی حیدؔر جاگتا رکھا گیا (۵)

(ب) عمر گریزاں:

''عمر گریزاں'' حیدر قریشی کی دوسری شعری تصنیف ہے۔ یہ پہلی بار ۱۹۹۶ء میں منظر عام پر آئی۔ اس مجموعہ کی اشاعت ''تجدید اشاعت گھر' لاہور'' نے کی۔ یہ مجموعہ کلام ۱۳۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کی قیمت ۱۰۰ روپے ہے۔

''عمر گریزاں'' کے پہلے ایڈیشن میں عمدہ کاغذ کا استعمال کیا گیا مگر کتاب میں پروف ریڈنگ کی متعدد اغلاط تھیں۔ جبکہ مجموعہ ''غزلیں، نظمیں، ماہیے'' میں ''عمر گریزاں'' کے حصے میں ان اغلاط کی تصیح کر دی گئی ہے۔ حیدر قریشی اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

> ''عمر گریزاں'' کے پہلے ایڈیشن میں ناشر کے اخلاص کے باوجود نہ صرف کتابت کی متعدد اغلاط راہ پا گئی تھیں بلکہ کئی مقامات پر اس مجموعے کو میرے اس فائنل مسودہ سے بالکل مختلف کر دیا گیا تھا جو میں نے ناشر کو دیا تھا''۔ (۶)

''عمر گریزاں'' کا انتساب حیدر قریشی نے اپنے تینوں بیٹوں کے نام کیا ہے:

''شعیب، عثمان اور ٹیپو کے نام
دریا کی روانی ہے
اب میرے بیٹوں میں
مری گزری جوانی ہے'' (۷)

مجموعہ کلام ''عمر گریزاں'' میں ۲۵ غزلیں، ایک آزاد غزل کے بعد ۲۵ آزاد نظمیں شامل ہیں اور آخری حصہ ۴۲ ماہیوں پر مشتمل ہے۔

(ج) محبت کے پھول:

حیدر قریشی کی تیسری شعری تصنیف ''محبت کے پھول'' ۲۰۰ ماہیوں پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب ۱۹۹۶ء میں شائع ہوئی۔ اس مجموعہ کی

اشاعت سعید شباب نے ''نایاب پبلی کیشنز' رحیم یار خان'' کے ذریعے کرائی۔ یہ مجموعہ ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے۔اس میں سے ۴۲ ماہیے ''عمر گریزاں'' میں بھی چھپ چکے ہیں۔

ماہیوں کے اس مجموعے کا پیش لفظ حیدر قریشی نے خود تحریر کیا ہے۔اس مجموعے کا سرورق حیدر قریشی کی بیٹی ''درثمین'' نے اپنے ہاتھوں سے پھولوں کی صورت میں سجایا ہے۔

پنجابی ماہیے کے وزن پر لکھے گئے ان اُردو ماہیوں کے پہلے مجموعے ''محبت کے پھول'' کا انتساب حیدر قریشی نے اپنی والدہ ماجدہ کے نام کیا ہے۔انتساب یوں ہے۔

''امی جی کے نام

پھولوں کی ہے نرمی بھی

اس کی محبت میں

صحراؤں کی گرمی بھی'' (۸)

حیدر قریشی اپنی والدہ کے بارے میں انتساب کے علاوہ بھی ایک اور ماہیے میں لکھتے ہیں:

''لگتی تھی دعاماں کی

نیم شبی شبنم

اور چاندنی کی جھانکی'' (۹)

''محبت کے پھول'' کا پیش لفظ خود حیدر قریشی نے لکھا ہے۔حیدر قریشی پیش لفظ کے آغاز میں ماہیے کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ماہیا پنجابی زبان کا لوک گیت ہے۔شادی بیاہ اور خوشی کی تقریبات میں پنجاب کے دیہاتوں میں ماہیے بڑے شوق سے گائے جاتے ہیں۔ماہیے کا پہلا اور تیسرا مصرعہ ہم وزن ہوتا ہے جبکہ درمیانی مصرعہ اُس وزن سے ''ایک سبب'' یعنی دو حرف کم ہوتا ہے۔۔۔۔'' (۱۰)

مجموعہ ''محبت کے پھول'' کا پہلا ماہیا ''اپنے مولا کے حضور'' کے عنوان سے ہے۔یہ ماہیا بارہ ماہیوں کا مجموعہ ہے۔پہلا ماہیا درج ذیل ہے۔

''تو خود میں اکیلا ہے

تیرے دم سے مگر

سنسار کا میلہ ہے'' (۱۱)

جبکہ آخری ماہیا کچھ یوں ہے:

''دنیا پہ کرم کر دے

پیار کی سینوں میں

پھر روشنیاں بھر دے'' (۱۲)

''محبت کے پھول'' میں شامل ماہیوں کے مجموعے کے بارے میں حیدر قریشی پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

''یوں تو ہر ماہیا اپنی جگہ مکمل نظم ہوتا ہے تاہم میرے بعض ماہیے ایک ہی موضوع کے تحت ایک ہی لڑی میں ہوتے گئے۔ اپنے مولا کے حضور۔ سوہنی دھرتی۔ مکالمے کی صورت میں۔ ایک باغ میں ملنے والی ایک لڑکی۔ 5 جولائی 1979ء۔ شادی بیاہ۔ پھر وہی داستان اور اکتساب کے عنوان سے جو ماہیے اس کتاب میں شامل ہیں۔ سب اپنی اپنی موضوعاتی لڑی میں پروئے ہوئے ہیں۔ اور یہ ماہیے اسی تسلسل میں ہوئے تھے جبکہ باقی سارے ماہیے' لخت لخت ہوئے تھے۔۔۔'' (۱۳)

(د) دعائے دل:

حیدر قریشی کی چوتھی شعری تصنیف ''دعائے دل'' کے نام سے ۱۹۹۷ء میں شائع ہوئی۔ اس مجموعہ کلام کی اشاعت ''نصرت پبلی کیشنز' لاہور'' کے ذریعے کرائی گئی۔ یہ مجموعہ کلام ۸۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

''دعائے دل'' کے پہلے ایڈیشن میں عمدہ کاغذ کا استعمال کیا گیا لیکن کتاب میں کمپوزنگ کی متعدد غلطیاں موجود تھیں۔ اسی لیے مجموعے کے آخر میں اغلاط نامہ بھی شامل کیا گیا ہے۔

''دعائے دل'' کا سرورق حیدر قریشی کی بیٹی ''مانو'' نے بنایا ہے جس میں دل کے اندر ہاتھوں کو دعا مانگتے دکھایا گیا ہے۔ اس مجموعہ کلام ''دعائے دل'' میں ۳۷ غزلیں اور دو نظمیں ''نئی شالاط'' اور ''دعا'' کے نام سے شامل ہیں۔

''دعائے دل'' کا انتساب حیدر قریشی نے اپنے اباجی کے نام کیا ہے۔ انتساب یوں ہے:

''اباجی کے نام

یہ آنکھ کے آنسو ہیں کہ ساون کی جھڑی ہے

قابو میں نہیں دل کہ حضوری کی گھڑی ہے (۱۴)

''دعائے دل'' کی شاعری ۱۹۹۳ء کے وسط سے لے کر ۱۹۹۴ء تک کے عرصہ پر محیط ہے۔ یہ وہ دور ہے جب حیدر قریشی پاکستان کو چھوڑ کر جرمنی شفٹ ہو گئے تھے۔

دوسرا حصہ:

(۲) تخلیقی نثری کتب کا سرسری جائزہ:

تخلیقاتِ حیدر قریشی کا دوسرا حصہ اُن کی تخلیقی نثر پرمبنی ہے۔حیدر قریشی نے نثر میں مندرجہ ذیل مجموعوں کو تخلیق کیا۔

(۱) روشنی کی بشارت اور قصے کہانیاں (افسانوی مجموعہ)

(۲) میری محبتیں (خاکے)

(۳) فاصلے، قربتیں (انشائیے)

(۴) کھٹی میٹھی یادیں (یادنگاری)

(۵) سوئے حجاز (سفرنامہ)

(۱) ''روشنی کی بشارت اور قصے کہانیاں۔۔۔(افسانے)'' :

حیدر قریشی اُردو ادب میں شاعری کے علاوہ افسانہ نگاری میں بھی خاصی شہرت کے حامل ہیں۔انہوں نے صنف افسانہ میں ''روشنی کی بشارت'' سے شہرت کی وادی میں قدم رکھا۔پھراُن کا دوسرا مجموعہ ''قصے کہانیاں'' شائع ہوا جس میں حیدر قریشی ہمارے سامنے ایک قصہ گو کے طور پر آتے ہیں۔

حیدر قریشی نے اِن دونوں مجموعوں کو ایک کتاب میں یکجا کیا' جس کا نام ''افسانے۔۔۔روشنی کی بشارت اور قصے کہانیاں'' رکھا۔یہ مجموعہ ۱۹۹۹ء میں چھ سو کی تعداد میں ''معیار پبلی کیشنز' نئی دہلی'' کی جانب سے شائع ہوا اس کتاب کی قیمت ایک سو روپے ہے اور یہ ۱۵۶ صفحات پر مشتمل ہے۔اس کی کمپوزنگ اور ڈیزائننگ ''محمد عمر کیرانوی'' نے کی ہے۔کتاب کے لیے عمدہ کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔

کتاب کا سرورق خوب صورت ہے' پس ورق پر حیدر قریشی کی رنگین تصویر ہے اور نیچے ''ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی'' نے حیدر قریشی کی افسانہ نگاری پر اپنے تاثرات کا اظہار کیا ہے۔

اس کے علاوہ مجموعے کے آخر میں ڈاکٹر انور سدید' جوگندر پال' جیلانی کامران' دیویندر اسر' ڈاکٹر قمر رئیس' پروفیسر حمید سروردی' ڈاکٹر فہیم اعظمی اور ڈاکٹر ذکاءالدین شایان نے حیدر قریشی کی افسانہ نگاری پر اپنے تاثرات بیان کئے ہیں۔

حیدر قریشی نے اس افسانوی مجموعے کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔پہلے حصے میں اپنے پہلے افسانوی مجموعے ''روشنی کی بشارت'' کے افسانے رکھے ہیں جبکہ دوسرے حصے میں دوسرے افسانوی مجموعے ''قصے کہانیاں'' کے افسانے شامل ہیں۔

پہلا مجموعہ ''روشنی کی بشارت'' ۱۳ افسانوں پر مشتمل ہے۔ان افسانوں کے عنوانات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ میں انتظار کرتا ہوں

۲۔ گلاب شہزادے کی کہانی

۳۔ غریب بادشاہ

۴۔ دُھند کا سفر

۵۔ آپ بیتی

۶۔ ایک کافر کہانی

۷۔ روشنی کی بشارت

۸۔ مامتا

۹۔ اندھی روشنی

۱۰۔ حوا کی تلاش

۱۱۔ اپنی تجرید کے کشف کا عذاب

۱۲۔ بے ترتیب زندگی کے چند ادھورے صفحے

۱۳۔ پتھر ہوتے وجود کا دُکھ

مجموعہ ''افسانے'' کا دوسرا حصہ ''قصے کہانیاں'' میں شامل ۱۲ افسانوں پر مشتمل ہے۔ اُن افسانوں کے عنوانات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ کاکروچ

۲۔ روشن نقطہ

۳۔ دو کہانیوں کی ایک کہانی

۴۔ گھٹن کا احساس

۵۔ بھولے کی پریشانی

۶۔ شناخت

۷۔ انکل انیس

۸۔ ۲۷۵۰ سال بعد

۹۔ بھید

۱۰۔ اعتراف

۱۱۔ بابا جمالی شاہ کا جلال

۱۲۔ مسکراہٹ کا عکس

ایٹمی جنگ:

”روشنی کی بشارت“ اور ”قصے کہانیاں“ کے علاوہ حیدر قریشی کا ایک مختصر افسانوی مجموعہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ اس افسانوی مجموعے کا نام ”ایٹمی جنگ“ ہے۔ یہ مجموعہ ۱۹۹۹ء میں ”معیار پبلی کیشنز، نئی دہلی“ کی طرف سے شائع ہوا۔ اس کتاب کی قیمت ۴۰ روپے اور صفحات کی تعداد ۳۱ ہے۔ اس کی کمپوزنگ اور ڈیزائننگ ”محمد عمر کیرانوی“ نے کی ہے۔ کتاب کے سرورق پر ایٹمی جنگ کے اثرات کی بہت خوبصورتی سے مناظر کشی کی گئی ہے۔

حیدر قریشی کا یہ افسانوی مجموعہ صرف ۳ افسانوں پر مشتمل ہے۔ کتاب کی ترتیب کچھ یوں ہے:

۱۔ حوا کی تلاش

۲۔ گلاب شہزادے کی کہانی

۳۔ کاکروچ

اس مجموعے میں حیدر قریشی نے ایٹمی جنگ کے خطرات پر تبصرہ پیش کیا ہے۔ یہ تینوں افسانے پہلے دو مجموعوں میں بھی شائع ہو چکے ہیں۔ ”ایٹمی جنگ“ کی وجہ شہرت یہ بھی ہے کہ اس کو ہندی زبان میں بھی ترجمہ کیا گیا ہے۔ مجموعہ ”ایٹمی جنگ“ کے ایک طرف اُردو زبان میں افسانے درج ہیں جبکہ دوسری طرف ہندی زبان میں ان افسانوں کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ ہندی زبان پر مشتمل ان افسانوں کے صفحات کی تعداد بھی ۳۱ ہے۔

(۲) میری محبتیں:

”میری محبتیں“ حیدر قریشی کے خاکوں پر مبنی کتاب ہے۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۹۹۶ء میں سعید شہاب نے ”نایاب پبلی کیشنز، خان پور ضلع رحیم یار خان“ سے شائع کیا۔

”میری محبتیں“ کا دوسرا ایڈیشن ”معیار پبلی کیشنز، نئی دہلی“ سے ۱۹۹۷ء میں شائع ہوا۔ اس کتاب کی قیمت ایک سو روپے ہے اور یہ ۱۶۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

”میری محبتیں“ کا انتساب حیدر قریشی نے اپنی دونوں بیٹیوں رضوانہ وار درثمین کے نام کیا ہے۔ اُن کے لیے یہ ماہیا ہے۔

”مری چڑیوں کی جوڑی ہے
اک پہلوٹھی کی
اک پیٹ کھروڑی ہے“ (۱۵)

”میری محبتیں“ کے صفحہ ۴ پر حیدر قریشی نے دیویندر اسر کے مضمون ”آئیڈیالوجی اور ادب“ کا اقتباس دیا ہے۔ دیویندر اسر کا یہ مضمون ماہنامہ ’علامت‘ لاہور کے شمارہ دسمبر ۱۹۹۴ء میں شائع ہوا تھا۔ (۱۶)

یہ کتاب بیس خاکوں پر مشتمل ہے۔ اس کو بھی حیدر قریشی نے اپنے افسانوی مجموعے کی طرح دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصے کو

’’اول خویش‘‘ کا نام دیا ہے اور اس حصے میں دس خاکے شامل کئے ہیں۔ خاکوں کے پہلے حصے ’’اول خویش‘‘ کی ترتیب مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ برگد کا پیڑ (ابا جی)

۲۔ مائے نی میں کنوں آکھاں (امی جی)

۳۔ ڈاچی والیا موڑ مہار وے (دادا جی)

۴۔ مظلوم متشدد (نانا جی)

۵۔ مصری کی مٹھاس اور کالی مرچ کا ذائقہ (تایا جی)

۶۔ رانجھے کے ماموں (ماموں ناصر)

۷۔ محبت کی نمناک خوشبو (آپی)

۸۔ پسلی کی ٹیڑھ (مبارکہ)

۹۔ اُجلے دل والا (چھوٹا بھائی)

۱۰۔ زندگی کا تسلسل (پانچوں بچے)

’’میری محبتیں‘‘ کا دوسرا حصہ ’’بعد درویش‘‘ کے نام سے ہے۔ اور اس حصے میں دس خاکے شامل ہیں۔ یہ تمام خاکے اُن کی پسندیدہ شخصیات کے ہیں۔ ان خاکوں کی ترتیب مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ اُردو ادب کے نوبل پرائز (میرزا ادیب)

۲۔ ہم کہ ٹھہرے اجنبی (فیض احمد فیض)

۳۔ عہد ساز شخصیت (ڈاکٹر وزیر آغا)

۴۔ ایک اُدھورا خاکہ (غلام جیلانی اصغر)

۵۔ بلند قامت ادیب (اکبر حمیدی)

۶۔ صاف گو ادیبہ (عذرا اصغر)

۷۔ دوستی کا کمبل (سعید شباب)

۸۔ عاجزی کا اعجاز (محمد اعجاز اکبر)

۹۔ میرا فیثا غورث (طاہر احمد)

۱۰۔ پرانے ادبی دوست (خانپور کے احباب)

’’میری محبتیں‘‘ کے پس ورق پر حیدر قریشی کی رنگین تصویر ہے اور اس کے نیچے اشفاق احمد اور جوگندر پال نے حیدر قریشی کی خاکہ نگاری اور اُن کی کتاب ’’میری محبتیں‘‘ کی اُردو ادب میں انفرادیت کے بارے میں اپنے تاثرات بیان کیے ہیں۔

ڈاکٹر رضیہ حامد حیدر قریشی کی کتاب ''میری محبتیں'' کے بارے میں رائے دیتی ہیں:

''میری محبتیں'' کئی مرتبہ پڑھ چکی ہوں اور یہی حال رہا تو میں اس کی حافظ ضرور ہو جاؤں گی۔ آپ کی تحریر میں بلا کی سادگی اور قاری کو باندھ رکھنے کی طاقت ہے۔ درد کی پوشیدہ لہریں دل و دماغ میں اندر تک اتر جاتی ہیں اور قاری اپنے آپ کو قاری نہ سمجھ کر حیدر قریشی بن جاتا ہے۔ یہ آپ کی تحریر کا کمال ہے۔۔۔۔۔۔ (۱۷)

(۳) فاصلے، قربتیں:

''فاصلے، قربتیں'' حیدر قریشی کے انشائیوں پر مبنی مجموعہ ہے۔ حیدر قریشی نے اپنے اس مجموعے کا انتساب اپنے ''بابا جی'' کے نام کیا ہے۔ انتساب کچھ یوں ہے:

''ابا جی کے بڑے بھائی

اپنے بابا جی کے نام

جنہوں نے ایک انشائیہ نگار

جیسی زندگی بسر کی''

''فاصلے، قربتیں'' کے ہر انشائیے کے آغاز میں حیدر قریشی نے موضوع کی مطابقت سے اپنا ایک شعر درج کیا ہے جو حیدر قریشی کے منفرد اسلوب بیاں اور شاعرانہ اندازِ فکر کو پیش کرتا ہے۔ کتاب میں ترتیب کے مطابق مندرجہ ذیل انشائیے شامل ہیں۔

۱۔ خاموشی

۲۔ نقاب

۳۔ وگ

۴۔ فاصلے

۵۔ بڑھاپے کی حمایت میں

۶۔ اطاعت گزاری

۷۔ یہ خیر و شر کے سلسلے

۸۔ چشم تصور

۹۔ اپنا اپنا سچ

۱۰۔ تجربہ اور تجربہ کاری

''محمد وسیم انجم'' حیدر قریشی کی انشائیہ نگاری کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''حیدر قریشی اُردو ادب کا سرمایہ ہیں' جنہوں نے بیشتر اصناف میں اپنی قلمی برتری کا لوہا منوا لیا ہے۔ انہوں نے بحیثیت انشائیہ نگار ایسے انشائیے تخلیق کیے ہیں' جن میں اختصار' شگفتگی اسلوب اور انکشافِ ذات کے داخلی' خارجی اور ہیتی عوامل شامل ہیں''۔ (۱۸)

(٤) کٹھی میٹھی یادیں (یادنگاری):

''کٹھی میٹھی یادیں'' حیدر قریشی کی یادوں کا ایک سلسلہ ہے جس میں حیدر قریشی نے اپنی زندگی کے یادگار لمحات کو قلم بند کیا ہے۔

''کٹھی میٹھی یادیں'' کی ابھی تک دس قسطیں لکھی گئی ہیں جو کہ سب سے پہلے دوماہی ''گلبن'' احمد آباد میں شائع ہوئیں۔ اس کے علاوہ ''کٹھی میٹھی یادیں'' کی پہلی دو قسطیں حیدر قریشی نے اپنے مرتب کردہ رسالے ''جدید ادب'' جرمنی میں بھی شائع کیں۔ پھر رسالہ کی اشاعت عارضی طور پر بند ہونے کی وجہ سے باقی اقساط شائع نہ ہو سکیں۔ یہ یادیں کتابی صورت میں ابھی شائع نہیں ہوئیں۔

حیدر قریشی نے مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت یہ یادیں لکھیں۔

۱۔ بزمِ جاں

۲۔ دوھیال کے رشتے دار

۳۔ کزنسز

۴۔ پڑھنے سے پڑھانے تک

۵۔ گراموفون سے سی ڈی تک

۶۔ اخلاقی قدریں

۷۔ دعائیں اور قسمت

۸۔ شوخیاں' بچپنا

۹۔ علتیں' علالتیں

۱۰۔ اَن دیکھے' پرجانے دوست

(۵) سوئے حجاز (سفرنامہ):

حیدر قریشی کی کتاب ''سوئے حجاز'' اُردو ادب کی صنف سفرنامہ سے متعلق ہے۔ اِس سفرنامے میں حیدر قریشی نے اپنے پہلے عمرے سے ساتویں عمرے کی تمام تفصیل بیان کی ہے۔ اِس کے علاوہ مکہ مکرمہ میں آخری دن اور جرمنی واپسی کے واقعات بھی درج کیے

ہیں۔سفرنامہ کے آخر میں کعبہ شریف سے متعلق چند ماہیے بھی رکھے گئے ہیں اور ایک نعت شریف بھی شامل کی ہے۔

''سوئے حجاز'' سفرنامہ پہلی بار ۲۰۰۰ء میں منظر عام پر آیا۔اس کی اشاعت ''معیار پبلی کیشنز، نئی دہلی'' سے کرائی گئی ہے۔یہ سفرنامہ ۹۹ صفحات پر مشتمل ہے اور اِس کی قیمت ایک سو روپے ہے۔کتاب کے سرورق پر ''خانہ کعبہ'' کی خوبصورت اور پاکیزہ تصویر بنائی گئی ہے جبکہ پس ورق پر روضہ رسول کی تصویر ہے۔

''سوئے حجاز'' کا انتساب حیدر قریشی نے اِن بابرکت اور برگزیدہ ہستیوں کے نام کیا ہے:

''حضرت ابراہیم علیہ السلام

حضرت بی بی حاجرہ اور

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے نام'' (۱۹)

سفرنامہ ''سوئے حجاز'' کے صفحہ ۴ پر حیدر قریشی نے اپنا یہ ماہیا تحریر کیا ہے:

''یوں روشن جان ہوئی

دل میں کہیں جیسے

مغرب کی اذان ہوئی'' (۲۰)

اور صفحہ ۶ پر یہ شعر درج ہے۔

؎ یا آنکھوں میں خاک برستی تھی حیدرؔ

یا اب پیہم اشک دعا میں گرتے ہیں (۲۱)

سفرنامہ ''سوئے حجاز'' کا دیباچہ حیدر قریشی نے ''ابتدائیہ'' کے عنوان سے تحریر کیا ہے۔اس سفر کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار ان لفظوں میں کرتے ہیں:

''میرا یہ سفر ویسے تو جسمانی، فکری اور روحانی تینوں سطحوں پر ہوا تھا اور تینوں سطحوں پر اس کے اثرات مجھے آج بھی محسوس ہوتے ہیں لیکن اس سفر کے روحانی اثرات تو جیسے میری روح کی گہرائیوں تک رچے بسے ہوئے ہیں''۔

(۲۲)

تحقیقی و تنقیدی کتب کا سرسری جائزہ: (تیسرا حصہ)

حیدر قریشی کی تخلیقات کا تیسرا بڑا حصہ اُن کی تحقیقی و تنقیدی کتب پر مبنی ہے۔ان تنقیدی کتابوں کے نام یہ ہیں:

ا۔	ڈاکٹر وزیر آغا۔عہد ساز شخصیت	(مضامین کا مجموعہ)
۲۔	اُردو میں ماہیا نگاری	(یک موضوعاتی کتاب)
۳۔	اُردو ماہیے کی تحریک	(مضامین کا مجموعہ)
۴۔	اُردو ماہیے کے بانی۔ہمت رائے شرما	(مضامین)
۵۔	حاصل مطالعہ	(مضامین کا مجموعہ)

۱۔ ڈاکٹر وزیر آغا۔ عہد ساز شخصیت:

جیسا کہ کتاب کے نام سے ظاہر ہے کہ اس کتاب میں حیدر قریشی نے ڈاکٹر وزیر آغا کی شخصیت کے بارے میں اپنے تاثرات اور تجربات کو پیش کیا ہے۔اس کتاب کو ۱۹۹۵ء میں ۵۰۰ کی تعداد میں سعید شباب نے ''نایاب پبلی کیشنز خان پور'' سے شائع کیا۔اس کی قیمت ایک سو روپے اور صفحات کی تعداد ۱۸۳ ہے۔

حیدر قریشی کی اس کتاب کے صفحہ ۴ پر ''وزیر آغا اور میں'' کے عنوان سے ایک اقتباس درج ہے جو کہ اُن کے مضمون ''عہد ساز شخصیت'' سے ماخوذ ہے۔اس اقتباس میں حیدر قریشی ڈاکٹر وزیر آغا سے اپنے تعلق کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

> ''میں نے نجی گفتگو میں وزیر آغا سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ الہامی مسائل، روح کی حقیقت، انسان کی مخفی قوتیں، اور کائنات کی بے پناہ وسعتیں۔ان موضوعات پر ان سے کھل کر باتیں کی ہیں۔بعض ایسی باتیں جو اپنے آپ سے کرتے ہوئے بھی کبھی خوف محسوس ہوتا ہے، وزیر آغا سے بے خوف ہو کر کی ہیں اور ان کی گفتگو سے بہت کچھ حاصل کیا ہے''۔
>
> (۲۳)

کتاب کے صفحہ ۶ پر ایک شعر دیا گیا ہے:

ے ہوا کا رُخ ہے تمہاری طرف وگرنہ مجھے

اس کتاب کا دیباچہ حیدر قریشی نے ''ابتدائیہ'' کے عنوان سے خود تحریر کیا ہے۔ ''ڈاکٹر وزیر آغا۔عہد ساز شخصیت''۔ کتاب حیدر قریشی نے ڈاکٹر وزیر آغا سے اپنی عقیدت اور محبت کے اظہار کے طور پر تخلیق کی ہے اور ساتھ ہی ڈاکٹر وزیر آغا کے فکروفن پر اپنی ناقدانہ رائے بھی دی ہے۔ کتاب کے ''ابتدائیہ'' میں حیدر قریشی لکھتے ہیں:

> ''میری یہ کتاب ان مضامین کا مجموعہ ہے جو میں نے گزشتہ دس برس کے دوران ڈاکٹر وزیر آغا کے فن کی مختلف جہات پر وقتاً فوقتاً تحریر کیے ہیں۔ جب مجھے انہیں یکجا کرنے کا خیال آیا تب اندازہ ہوا کہ یہ بکھرے ہوئے مضامین الگ الگ ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے مربوط ہیں اور ان سے علم وفن کی کسی سطح کا سہی، ڈاکٹر وزیر آغا کے بارے میں ایک واضح تاثر سامنے آتا ہے''۔ (۲۵)

''ڈاکٹر وزیر آغا۔عہد ساز شخصیت'' کتاب میں ''ابتدائیہ'' کے علاوہ باقی مضامین کی فہرست یوں ترتیب دی گئی ہے:

۱۔ مختصر کوائف ڈاکٹر وزیر آغا
۲۔ عہد ساز شخصیت
۳۔ شام کی منڈیر سے
۴۔ دو نظموں کا مطالعہ
۵۔ چہک اُٹھی لفظوں کی چھاگل
۶۔ وزیر آغا کی غزلیں
۷۔ پہلا ورق
۸۔ اردو انشائیہ اور اس کے بانی کی انشائیہ نگاری
۹۔ ڈاکٹر وزیر آغا کی تنقید نگاری کا اجمالی جائزہ
۱۰۔ ڈاکٹر وزیر آغا۔ایک مطالعہ
۱۱۔ وزیر آغا سے کچھ باتیں

''ڈاکٹر وزیر آغا۔عہد ساز شخصیت'' کتاب کے آخر میں ڈاکٹر وزیر آغا کا انٹرویو۔ ''وزیر آغا سے کچھ باتیں'' کے عنوان سے شامل ہے۔ یہ انٹرویو نہ صرف ڈاکٹر وزیر آغا کی شخصیت بلکہ اُن کے فکروفن کے متعدد گوشوں کو بھی بے نقاب کرتا ہے۔ اس میں ڈاکٹر وزیر آغا نے تصوف، سائنس، انشائیہ نگاری، ماہیا نگاری اور اپنی تخلیقات کے بارے میں تاثرات وخیالات کا اظہار کیا ہے۔

(۲) اُردو ماھیے کی تحریک:

حیدر قریشی کی کتاب ''اُردو ماہیے کی تحریک'' تنقیدی مضامین اور خطوط پر مشتمل ہے۔اس کتاب کو۱۹۹۹ء میں ۵۰۰ کی تعداد میں ''فرہاد پبلی کیشنز، راول پنڈی'' نے شائع کیا۔اس کی قیمت ۱۲۰روپے اور صفحات کی تعداد ۱۵۷ ہے۔

حیدر قریشی نے اس کتاب کا انتساب ''ہمت رائے شرما جی'' کے نام کیا ہے۔صفحہ۳ پر انتساب کے نیچے ''ہمت رائے شرما جی'' کی تصویر موجود ہے اور ساتھ ہی یہ ماہیا درج ہے:

''سرمست فضائیں ہیں
پیتم پریم بھری
پھاگن کی ہوائیں ہیں''
(ہمت رائے شرما) (۲۶)

صفحہ۴ پر حیدر قریشی کا ماہیا درج ہے:

''اَن دیکھے جہانوں تک
دل نے پہنچنا تھا
چاہت کے خزانوں تک'' (۲۷)

کتاب کا سرورق بہت سادہ ہے جبکہ پس ورق پر حیدر قریشی کی رنگین تصویر موجود ہے اور نیچے ڈاکٹر وزیر آغا اور ڈاکٹر گیان چند جین کے خطوط بنام حیدر قریشی درج ہیں۔

ڈاکٹر گیان چند جین کتاب ''اُردو ماہیے کی تحریک'' کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ماہیا پر آپ کی کتاب تحقیقی و تنقیدی نیز فنی اعتبار سے جامع ہے۔ ماہیا کی تکنیک اور موضوع کے بارے میں آپ نے جو فیصلے کیے ہیں وہ درست ہیں''۔ (۲۸)

اس کتاب کا دیباچہ حیدر قریشی نے ''حرف اول'' کے نام سے خود لکھا ہے جبکہ باقی مضامین کی فہرست درج ذیل ہے۔

۱۔ ماہیا اور اس کا دوسرا مجموعہ
۲۔ ماہیے کے وزن کا مسئلہ
۳۔ ماہیے کے بارے میں چند باتیں
۴۔ اُردو میں ماہیا نگاری

۵۔ محبت کے پھول (پیش لفظ)

۶۔ خط بنام ایڈیٹر ''تجدیدِ نو'' لاہور

۷۔ اُردو ماہیا۔کل اور آج

۸۔ ماہیے کے حوالے سے چند معروضات

۹۔ خط بنام ایڈیٹر ماہنامہ ''صریر'' کراچی

۱۰۔ اُردو ماہیا ۱۹۹۶ء میں

۱۱۔ مدیرانِ ''بھنگڑا'' کے نام

۱۲۔ ماہیا اور چن ماہی

۱۳۔ ماہیے کی کہانی

۱۴۔ ماہیا پابندِ لے ہے

۱۵۔ اُردو ماہیا ۱۹۹۷ء میں

۱۶۔ حنایئے اور ماہیے

۱۷۔ خط بنام ایڈیٹر ''اوراق'' لاہور

۱۸۔ اُردو ماہیے کے بانی۔ہمت رائے شرما

۱۹۔ اُردو ماہیے کی تحریک

۲۰۔ ایڈیٹر ایوانِ اُردو کے نام

۲۱۔ اُردو ماہیا ۱۹۹۸ء میں

۲۲۔ پنجابی لوک گیت۔ماہیے کی تحریری ہیئت؟

(۳) اُردو میں ماہیا نگاری:

''اُردو میں ماہیا نگاری'' حیدر قریشی کی تحقیقی و تنقیدی مضامین پر مشتمل کتاب ہے جو ۱۹۹۷ء میں ''فرہاد پبلی کیشنز' اسلام آباد'' سے شائع ہوئی=

حیدر قریشی نے اس کتاب کا انتساب مندرجہ ذیل شخصیات کے نام کیا ہے:

''قمر جلال آبادی اور ساحر لدھیانوی کے نام

جنہوں نے اُردو میں درست ماہیا نگاری

کے مثالی نمونے عطا کیے۔

اور خوبصورت گلوکاروں

محمد رفیق، آشا بھونسلے

اور مسرت نذیر کے نام

جن کے گائے ہوئے ماہیے، ماہیا نگاری

کی بحث میں مستقل حوالہ بن گئے ہیں'' (۲۹)

کتاب کے سرورق پر حیدر قریشی نے منتخب ماہیا نگاروں کے ماہیے درج کروائے ہیں جبکہ پس ورق پر حیدر قریشی کی تصویر کے نیچے ڈاکٹر وزیر آغا، مظہر امام، ڈاکٹر انور سدید، عارف فرہاد، ناصر عباس نیر، امین خیال اور سعید شباب نے حیدر قریشی کی ماہیا نگاری پر اپنے تاثرات کا اظہار کیا ہے۔

کتاب کے صفحہ ۴ پر دو ماہیے درج ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

''جب ماہیے کی بات آئی

ساتھ ہی سکھیوں کے

پیتل کی پرات آئی'' (۳۰)

''جھجھری بھی بجاتے ہیں

تال پہ تالی کے

جب ماہیے گاتے ہیں'' (۳۱)

زیر بحث کتاب کی تفصیل میں ''ابتدائیہ، پنجابی لوک۔۔۔ ماہیا، ماہیے کے وزن کا مسئلہ، اُردو میں ماہیا نگاری کی ابتداء'' ''ماہیے کے وزن مزاج کی بحث'' پر مشتمل پہلے حصے کو ۱۹۹۳ء تا ۱۹۹۴ء جبکہ ''ماہیے کے وزن اور مزاج کی بحث'' کے دوسرے حصے کو ۱۹۹۴ء تا ۱۹۹۶ء میں منقسم کیا گیا ہے۔ اس کے بعد ''حاصل بحث، ہمارے ماہیا نگار اور اُردو ماہیے کے موضوعات'' پر مشتمل مضامین بیان کیے ہیں۔

خصوصی مطالعہ میں امین خیال، عارف فرہاد، ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، پروفیسر قمر ساحری، پروین کمار اشک، نذیر فتح پوری، یوسف اختر، انور مینائی اور سعید شباب کے ماہیوں کے تجزیئے کیے گئے ہیں۔ آخر میں صفحہ ۱۵۶ پر اختتامیہ اور فہرست کتب، رسائل اور اخبارات شامل ہیں۔

(۴) اُردو ماہیے کے بانی:

''اُردو ماہیے کے بانی۔۔۔ ہمت رائے شرما جی'' حیدر قریشی کی تحقیق وتنقید پر مبنی کتاب ہے جس میں حیدر قریشی نے دلائل کے

ساتھ ہمت رائے شرما جی کو اُردو ماہیے کا بانی قرار دیا ہے۔ یہ کتاب ۱۹۹۹ء میں ''معیار پبلی کیشنز، نئی دہلی'' کی جانب سے شائع ہوئی۔ اس کی کمپوزنگ ''محمد عمیر کیرانوی'' نے کی ہے۔

حیدر قریشی نے اس کتاب کا انتساب ''ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی'' کے نام کیا ہے جنھوں نے اُردو ماہیے کے بانی ہمت رائے شرما جی کو پہلی بار دریافت کیا۔

کتاب کے صفحہ ۵ پر ''ترنم ریاض'' کا یہ ماہیا درج ہے۔

''جیون ہے یہ دو دن کا
جس نے ملایا ہمیں
ہے شکر اُس محسن کا''۔ (۳۲)

کتاب کے سرورق پر ''ہمت رائے شرما'' کی تصویر بنائی گئی ہے جبکہ پس ورق پر ''حیدر قریشی'' کی تصویر کے ساتھ یہ ماہیا درج ہے۔

''اَن دیکھے جہانوں تک
دل نے پہنچنا تھا
چاہت کے خزانوں تک'' (۳۳)

اِس کتاب کا دیباچہ حیدر قریشی نے ''پیش لفظ'' کے نام سے تحریر کیا ہے۔ جبکہ باقی مضامین کی فہرست درج ذیل ہے۔

۱۔ اُردو ماہیے کے بانی۔ ہمت رائے شرما جی
۲۔ اُردو ماہیے کے بانی ہمت رائے شرما جی (فلم ''خاموشی'' کے گیت اور تحقیق مزید)
۳۔ میاں آزاد کا سفر نامہ
۴۔ ہمت رائے شرما جی کی شاعری۔ ایک تعارف
۵۔ ہمت رائے شرما کی دو کتابیں (ہندو مسلمان اور نکاتِ زباندانی)
۶۔ ہمت رائے شرما بنام حیدر قریشی
۷۔ ہمت رائے شرما کے ماہیے

کتاب ''اُردو ماہیے کے بانی۔ ہمت رائے شرما جی'' کل ۷۲ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کی طباعت و کتابت کے لیے عمدہ کاغذ کا اہتمام کیا گیا ہے۔

(۵) حاصل مطالعہ:

''حاصل مطالعہ'' کتاب میں بھی حیدر قریشی کی تحقیق وتنقید پر مشتمل مضامین ہیں۔ یہ مضامین مختلف رسائل اور اخبارات میں شائع ہو چکے ہیں۔ کتاب کا مواد مکمل ہونے کے بعد یہ ابھی زیر اشاعت ہے۔

چوتھا حصہ:

مرتب کردہ مطبوعہ کتب کا سرسری جائزہ:

حیدر قریشی کی مرتب کردہ کتب مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) شفق رنگ

(۲) کرنیں

(۳) سرائیکی غزل

(۴) ''جدید ادب'' کی ۹ سال تک ادارت

(۵) پہلا ورق

(۱) شفق رنگ:

مجموعہ ''شفق رنگ''، ضلع رحیم یار خان کے نمائندہ شعراء کے تعارف اور منتخب کلام پر مشتمل مجموعہ ہے۔ اس کو حیدر قریشی نے مرتب کیا۔ حیدر قریشی کا مرتب کردہ انتخاب ''شفق رنگ'' ۳۰ اپریل ۱۹۷۹ء کو خان پور سے پوری آب و تاب کے ساتھ شائع ہوا۔

اس کی اشاعت ''جدید ادب پبلی کیشنز، خان پور'' کے ذریعے کروائی گئی۔ اس کی کتابت ''عطا اللہ طارق دھریجہ'' نے کی۔

''شفق رنگ'' کا سرورق اسلم کمال نے تیار کیا ہے جبکہ پس ورق پر مرزا ادیب، انور سدید اور ذوالفقار احمد تابش نے اس مرتب کردہ مجموعے کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار کیا ہے۔

حیدر قریشی نے اس مجموعہ کا انتساب ''ڈاکٹر وزیر آغا'' کے نام کیا ہے اور نیچے یہ مصرع درج ہے:

؎ ''ہمالہ جہاں تھا وہیں پر کھڑا ہے'' (۳۴)

مجموعہ کے صفحہ ۷ پر یہ شعر درج ہے:

؎ '' میں منزلوں کی کھوج میں خود سے بچھڑ گیا
پھر عمر بھر تلاش ہی اپنی رہی مجھے (۳۵)

پس ورق پر ''میرزا ادیب'' حیدر قریشی کی ادبی کوششوں کو سراہتے ہوئے لکھتے ہیں:

''شفق رنگ ۔۔۔۔اُردو ادب کے اُفق کی وہ شفق ہے جو ہمیں احساس دلاتی ہے کہ آدمی باہمت اور بلند ہمت ہو تو ایک ویرانے مین بھی خوش منظر پھول مہک سکتے ہیں ۔''

(۳۶)

اس مجموعے میں شامل دس شعراء کی ترتیب کچھ یوں ہے:

۱۔ صفدر صدیق رضی

۲۔ میاں مقبول احمد

۳۔ سید نردوش ترابی

۴۔ آسی خانپوری

۵۔ کرم چوہدری

۶۔ حفیظ شاہد

۷۔ صدیق طاہر

۸۔ شیما سیال

۹۔ فرحت نواز

۱۰۔ حیدر قریشی

زیر بحث مجموعے کے اِن شعراء کا پہلے تعارف دیا گیا ہے اور ساتھ ہی اُن کی منتخب غزلوں کو پیش کیا گیا ہے۔ پس ورق پر ڈاکٹر انور سدید ''شفق رنگ'' کے ان دس شعراء کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اِس مجموعے کے دس شعراء۔۔۔۔ میں سے ہر ایک کا اسلوب غزل اپنی ایک الگ شخصیت اور انفرادی پہچان رکھتا ہے۔ تاہم ان میں ایک قدر مشترک بھی ہے اور وہ یہ کہ ان غزلوں کے شعراء کے باطن میں ان کی اپنی زمین کی بُو باس موجود ہے''۔

(۳۷)

(۲) کرنیں:

''کرنیں'' بہاولپور ڈویژن کے نئی نسل سے تعلق رکھنے والے اہم شعراء کے منتخب کلام پر مشتمل مجموعہ ہے۔ ''کرنیں'' حیدر قریشی اور اظہر ادیب کی مشترکہ مرتب شدہ تخلیق ہے۔ مجموعہ ''کرنیں'' اپریل ۱۹۸۰ء میں ۵۰۰ کی تعداد میں شائع ہوا۔ اس کی اشاعت ''جدید ادب پبلی کیشنز، خان پور'' سے کروائی گئی۔ مجموعے کا سرورق ''ذوالفقار احمد تابش'' نے تیار کیا۔

کتاب میں عمدہ کاغذ استعمال کرنے کیساتھ ساتھ اس کی جلد پر بھی مناسب توجہ دی گئی ہے۔ پس ورق پر مرزا ادیب' ڈاکٹر تبسم کاشمیری اور اظہر جاوید کی آراء درج ہیں۔ حیدر قریشی نے اس مجموعے کا انتساب ''ان دوستوں کے نام' کیا ہے جو دشمنی کا سلیقہ بھی نہیں جانتے'' جبکہ نیچے اظہر ادیب کا ایک شعر درج کیا ہے۔

سورج تھا بانٹتا تھا میں کرنیں نگر نگر
حصہ سبھی کا میری توانائیوں میں تھا (۳۸)

مجموعے میں شامل آٹھ شعراء ''نقوی احمد پوری' کرم چوہدری' مظہر مسعود' صفدر صدیق رضی' آسی خانپوری' خورشید ناظر' فرحت نواز اور اظہر ادیب'' کے شعری کلام کا انتخاب اظہر ادیب نے کیا جبکہ ''ممتاز حیدر ڈاہر' سید نردوش ترابی' ثمینہ راجہ اور حیدر قریشی'' کے شعری کلام کا انتخاب حیدر قریشی نے پیش کیا ہے۔

کتاب کے دیباچے میں حیدر قریشی لکھتے ہیں:۔

''یہ کتاب بہاول پور ڈویژن کی نئی نسل کے شاعروں کی ڈائریکٹری نہیں ہے۔ البتہ یہ اس ڈویژن میں موجود مختلف نئے اور صحت مند شعری رویوں کا بھر پور اظہار ہے''۔ (۳۹)

(۳) سرائیکی غزل:

مجموعہ ''سرائیکی غزل'' سرائیکی شاعری کا منتخب مجموعہ ہے جس میں چند اہم شاعروں کی سرائیکی غزلوں کا انتخاب پیش کیا گیا ہے۔ اس کتاب کو حیدر قریشی نے مرتب کیا ہے۔ کتاب ''سرائیکی غزل'' ستمبر ۱۹۸۰ء کو' جدید ادب' پبلی کیشنز خان پور'' سے ممتاز اکیڈمی بھٹہ واہن کے تعاون سے شائع کروائی گئی۔

اس مجموعہ کا سرورق ''شفیق فاروقی'' نے تیار کیا ہے جبکہ کتاب کی ذمہ داری ''عطا اللہ طارق دھریجہ'' نے سرانجام دی۔

حیدر قریشی نے اس مجموعے کا انتساب اپنے ''ابا جی دے ناں'' کیا ہے اور ساتھ ہی اُن کی تصویر بھی پرنٹ کی ہے۔

اس مجموعے کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے پہلے حصے میں سرائیکی غزل پر چند فکری اور تنقیدی مضامین لکھے گئے ہیں۔ جن میں پہلے تین مضمون ''گفتگو' غزل تے سرائیکی دا مزاج اور سرائیکی غزل'' مجموعے کے آغاز میں تحریر کیے گئے ہیں جبکہ چوتھا مضمون ''فن دا اظہار'' آخر میں لکھا گیا ہے۔

جبکہ دوسرے حصے میں ۳۸ شعراء کی منتخب سرائیکی غزلوں کو پیش کیا گیا ہے۔ ان شعراء میں اہم نام: محسن نقوی' نقوی احمد پوری' ریاض رحمانی' صدیق طاہر' ممتاز حیدر ڈاہر' فانی اللہ آبادی' محمد نواز انجم' فرحت نواز' طاہر تونسوی' پروین عزیز' جعفر بلوچ' شفیق صابر' عامر فہیم' سلیم احسن اور حیدر قریشی وغیرہ کے ہیں۔

(۴) ''جدید ادب'' کی ادارت:

رسالہ ''جدیدادب'' کا پہلا شمارہ ''اکتوبر۱۹۷۸ء میں خان پور سے شائع ہوا۔اس رسالے کے مرتبین ''حیدرقریشی' صفدرصدیق رضی اورفرحت نواز'' تھے۔رسالہ ''جدیدادب'' کی اشاعت ''جدیدادب' پبلی کیشنز خان پور'' سے کروائی جاتی تھی۔

''جدیدادب'' کومندرجہ ذیل چھ حصوں میں تقسیم کرکے پیش کیا جاتا تھا:

(۱) مضامین (۲) افسانے (۳) غزلیں

(۴)فن وشخصیت (۵) نظمیں (۶) تبصرے' تذکرے

''جدیدادب'' کی انفرادیت بیان کرتے ہوئے حیدرقریشی لکھتے ہیں:

> ''یہ پرچہ اسی صفحات سے لے کر۵۰۰صفحات تک گیا۔۱۶۰' ۲۶۰ اور۳۱۲صفحات پر مشتمل شمارے بھی شائع ہوئے۔تاہم اس پرچے نے بہت جلد اپنا تشخص قائم کرلیا تھا۔یہی وجہ ہے کہ اس کا ۸۰صفحات کا شمارہ بھی تحرک پیدا کرتا تھا۔کسی چھوٹے شہر سے ابھرنے والی غالباً یہ پہلی آواز تھی۔جس نے ادب کے بڑے مراکز کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ اچھا ادب تخلیق کرنے کے لیےاوراچھا ادبی کام کرنے کے لیے مرکزی نوعیت کے شہروں میں مقیم ہوناضروری نہیں''۔ (۴۰)

''جدید ادب'' نو سال تک جاری ہوتا رہا' پھر محدود وسائل اور مالی مشکلات کی بناء پر''جدیدادب'' کی اشاعت بند ہوگئی۔''جدیدادب'' کا آخری شمارہ۱۹۸۶ء میں شائع ہوا۔

پاکستان کے علاوہ حیدرقریشی نے جرمنی میں اپنے قیام کے دوران میں دوبارہ ''جدیدادب'' کی اشاعت کی کوششیں جاری رکھیں۔ان کوششوں کی بدولت ۱۹۹۹ء میں ''جدیدادب'' کا پہلا شمارہ شائع ہوالیکن جرمنی میں بھی چندوجوہ کی بناء پراس کی اشاعت معطل ہوگئی۔

(۵) پہلا ورق:

''پہلاورق'' ڈاکٹر وزیرآغا کے مجلّہ ''اوراق'' کے اداریوں پر مشتمل مرتب کردہ کتاب ہے۔''پہلا ورق'' کوحیدرقریشی اورراغب شکیب نے مرتب کیا ہے۔۱۴۴صفحات پر مشتمل اس کتاب کے ناشر راغب شکیب تھے اورانہوں نے اس کو اپنے ادارے، ''مکتبہ ہم زبان'' پوسٹ بکس نمبر۱۱۵۳۳۔کراچی۔۷۴۸۰۰ سے جنوری ۱۹۹۰ء میں شائع کیا۔

''پہلا ورق'' کے سب سے پہلے شمارہ کے اداریہ ''اوراق کی ادبی جہت'' ۱۹۶۶ء سے لے کر شمارہ جون جولائی ۱۹۸۹ء تک کے تمام ۴۹ اداریے شامل کیے گئے ہیں۔ حیدر قریشی اور راغب شکیب کی اِس کوشش کی تعریف کرتے ہوئے محمد وسیم انجم لکھتے ہیں:

''اب تک ادبی جرائد کی تاریخ میں انمٹ نقوش کے حامل اس مجلّہ کے اداریئے ''پہلا ورق'' کو مرتب کرنے کا اولین اعزاز حیدر قریشی اور راغب شکیب کو حاصل ہوا۔'' (۴۱)

''پہلا ورق'' میں تین ''پیش لفظ'' تحریر کیے گئے ہیں۔ پہلا پیش لفظ حیدر قریشی نے ''پہلا ورق'' کے عنوان سے لکھا ہے۔ کتاب کا دوسرا پیش لفظ راغب شکیب نے ''دوسرا ورق'' کے عنوان سے تحریر کیا ہے جبکہ تیسرے پیش لفظ میں ڈاکٹر انور سدید نے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔

حوالہ جات

(۱) محمد وسیم انجم ''حیدر قریشی۔ فکر و فن'' ص نمبر ۲۵ ۔ انجم پبلی کیشنز، راول پنڈی، ۱۹۹۹ء۔

(۲) حیدر قریشی ''غزلیں، نظمیں، ماہیے'' ص نمبر ۳۔ سرور ادبی اکادمی، جرمنی ۱۹۹۸ء۔

(۳) حیدر قریشی ''سلگتے خواب'' دیباچہ ''پیش لفظ'' از ڈاکٹر وزیر آغا، تجدید اشاعت گھر لاہور۔ ۱۹۹۹ء۔

(۴) حیدر قریشی ''غزلیں، نظمیں، ماہیے'' ص نمبر ۱۹

(۵) حیدر قریشی ''غزلیں، نظمیں، ماہیے'' ص نمبر ۸

(۶) حیدر قریشی ''غزلیں، نظمیں، ماہیے'' ص نمبر ۷: ''عرض حال''

(۷) حیدر قریشی ''غزلیں، نظمیں، ماہیے'' ص نمبر ۳

(۸) حیدر قریشی ''محبت کے پھول'' ص نمبر ۵: نایاب پبلی کیشنز، خان پور: ۱۹۹۶ء

(۹) حیدر قریشی ''محبت کے پھول'' ص نمبر ۶

(۱۰) حیدر قریشی ''محبت کے پھول'' ص نمبر ۹ : ''پیش لفظ''

(۱۱) حیدر قریشی ''محبت کے پھول'' ص نمبر ۱۳

(۱۲) حیدر قریشی ''محبت کے پھول'' ص نمبر ۱۶

(۱۳) حیدرقریشی ''محبت کے پھول'' ص نمبر۱۱: ''پیش لفظ''
(۱۴) حیدرقریشی ''غزلیں،نظمیں،ماہیے'' ص نمبر۵
(۱۵) حیدرقریشی''میری محبتیں'' ص نمبر۶: معیار پبلی کیشنز،نئی دہلی: ۱۹۹۸ء
(۱۶) حیدرقریشی ''میری محبتیں'' ص نمبر۳
(۱۷) مرتبین نذیر فتح پوری۔سنجے گوڑبولے ''حیدرقریشی فن اور شخصیت'' ص نمبر۱۱۶۔اسباق پبلی کیشنز،پونہ: ۲۰۰۲ء
(۱۸) محمد وسیم انجم ''حیدرقریشی۔فکروفن'' ص نمبر۸۶۔۸۷
(۱۹) حیدرقریشی ''سوئے حجاز'' ص نمبر۳: معیار پبلی کیشنز،نئی دہلی: ۲۰۰۰ء
(۲۰) حیدرقریشی''سوئے حجاز'' ص نمبر۴
(۲۱) حیدرقریشی ''سوئے حجاز'' ص نمبر۶
(۲۲) حیدرقریشی ''سوئے حجاز'' ص نمبر۱۰۔۱۱ ''ابتدائیہ''
(۲۳) حیدرقریشی''ڈاکٹر وزیر آغا۔عہد ساز شخصیت'' ص نمبر۴: نایاب پبلی کیشنز،خان پور: ۱۹۹۵ء
(۲۴) حیدرقریشی''ڈاکٹر وزیر آغا۔عہد ساز شخصیت'' ص نمبر۶
(۲۵) حیدرقریشی''ڈاکٹر وزیر آغا۔عہد ساز شخصیت'' ص نمبر۸ ''ابتدائیہ''
(۲۶) حیدرقریشی ''اُردو ماہیے کی تحریک'' ص نمبر۳: فرہاد پبلی کیشنز،راول پنڈی: ۱۹۹۹ء
(۲۷) حیدرقریشی ''اُردو ماہیے کی تحریک'' ص نمبر۴
(۲۸) حیدرقریشی ''اُردو ماہیے کی تحریک'' پس ورق از ڈاکٹر گیان چند جین
(۲۹) حیدرقریشی ''اُردو میں ماہیا نگاری'' ص نمبر۳: فرہاد پبلی کیشنز،اسلام آباد: ۱۹۹۷ء
(۳۰) حیدرقریشی ''اُردو میں ماہیا نگاری'' ص نمبر۴
(۳۱) حیدرقریشی ''اُردو میں ماہیا نگاری'' ص نمبر۳
(۳۲) حیدرقریشی ''اُردو ماہیے کے بانی۔ہمت رائے شرما'' ص نمبر۵: معیار پبلی کیشنز، نئی دہلی۱۹۹ء
(۳۳) حیدرقریشی''اُردو ماہیے کے بانی۔ہمت رائے شرما'' پس ورق از حیدرقریشی
(۳۴) مرتبہ حیدرقریشی ''شفق رنگ'' ص نمبر۵: جدید ادب پبلی کیشنز،خان پور: ۱۹۷۹ء
(۳۵) مرتبہ حیدرقریشی ''شفق رنگ'' ص نمبر۷
(۳۶) مرتبہ حیدرقریشی''شفق رنگ'' پس ورق از میرزا ادیب
(۳۷) مرتبہ حیدرقریشی''شفق رنگ'' پس ورق از انور سدید
(۳۸) مرتبین ''حیدرقریشی۔اظہر ادیب'' ''کرنیں'' ص نمبر۳: جدید ادب پبلی کیشنز،خان پور: ۱۹۸۰ء
(۳۹) مرتبین ''حیدرقریشی۔اظہر ادیب'' ''کرنیں'' ص نمبر۱۰۲
(۴۰) جدید ادب،جرمنی: ''اداریہ'' ص نمبر۹: سرور ادبی اکادمی،جرمنی: شمارہ نمبر۱ مئی۲۰۰۰ء
(۴۱) محمد وسیم انجم، ''حیدرقریشی۔فکروفن'' ص نمبر۵۲

باب سوم

حیدر قریشی بحیثیت شاعر

’’غزلیں ‘ نظمیں ‘ ماہیے ‘‘ کا تنقیدی جائزہ

حیدرقریشی کا مجموعہ کلام ’’غزلیں ،نظمیں ،ماہیے‘‘ ۱۹۹۸ء میں ’’سرورادبی اکادمی جرمنی‘‘ کی جانب سے شائع ہوا۔۵۰۰ کی تعداد میں چھپنے والے اس مجموعے کی قیمت ۴۰۰ روپے رکھی گئی۔

حیدرقریشی کی شاعری کے اب تک چار مجموعے آچکے ہیں۔پہلا ’’سلگتے خواب‘‘ دوسرا ’’عمر گریزاں‘‘ تیسرا ’’محبت کے پھول‘‘ اور چوتھا ’’دعائے دل‘‘ کے نام سے شائع ہوا۔ان چاروں مجموعوں پر مشتمل شاعری کو یکجا کر کے کلیات کی شکل دے دی گئی۔جس کا نام ’’غزلیں ،نظمیں ،ماہیے‘‘ رکھا گیا۔

’’غزلیں ،نظمیں ،ماہیے‘‘ ۳۸۴ صفحات پر مشتمل ہے۔یہ مجموعہ ءکلام تین شعری اصناف یعنی غزل ،نظم اور ماہیے پر مشتمل ہے۔اسی مناسبت سے اس کا نام ’’غزلیں ،نظمیں ،ماہیے‘‘ رکھا گیا اور نام کی ترتیب سے شعری اصناف کو اس میں یکجا کیا گیا ہے۔یعنی سب سے پہلے ۱۴۰ غزلیں ،پھر ۲۷ نظمیں اور آخر میں ۲۰۰ ماہیے۔

’’غزلیں ،نظمیں ،ماہیے‘‘ کی ابتداء میں حیدرقریشی نے اپنے چاروں شعری مجموعوں کے انتسابات درج کیے ہیں۔جبکہ حیدرقریشی نے اس مجموعہ ءکلام کا دیباچہ ’’عرض حال‘‘ کے نام سے تحریر کیا ہے۔حیدرقریشی نے اپنے چاروں شعری مجموعوں کو جس طرح اکٹھا کیا ہے۔اس سے ایک مشکل یہ پیدا ہوئی کہ ان غزلوں کے بارے میں کچھ اندازہ نہیں کیا جاسکتا کہ کون سی غزل کس مجموعے میں شامل تھی اور کون سی نئی ہے۔یہی کیفیت آزاد نظموں اور ماہیوں کی بھی ہے۔

حیدرقریشی اپنے دیباچے ’’عرض حال‘‘ میں غزلوں اور نظموں کی ترتیب کے بارے میں لکھتے ہیں۔

> ’’غزل نمبر ۱ تا ۸۷ وہی غزلیں ہیں جو ’’سلگتے خواب‘‘ میں شامل تھیں۔غزل نمبر ۷۹ تا ۱۰۳ وہ غزلیں ہیں جو ’’عمر گریزاں‘‘ میں شامل تھیں اور نمبر ۱۰۴ تا ۱۴۰ کی غزلیں ’’دعائے دل‘‘ والی ہیں۔نظموں کے حصے میں پہلی ۲۵ نظمیں ’’عمر گریزاں‘‘ سے اور باقی دو نظمیں ’’دعائے دل‘‘ والی ہیں۔‘‘ (۱)

لیکن حیدرقریشی کی اس وضاحت کے باوجود یہ نامکمل محسوس ہوتی ہے۔غالباً اسی لیے پروفیسر شفیق احمد اپنے غیر مطبوعہ مضمون ’

’حیدر قریشی کی شاعری‘‘میں لکھتے ہیں۔

’’غزلیں،نظمیں،ماہیے‘‘میں نہ تو کوئی ادوار بتائے گئے ہیں اور نہ ہی کوئی ایسا نشان دیا گیا ہے جس سے اندازہ ہو سکے کہ یہ غزل،نظم اور ماہیا کس دور اور کس مجموعے سے تعلق رکھتا ہے۔‘‘ (۲)

اس لحاظ سے حیدر قریشی کے مختصر دیباچہ بعنوان’’عرض حال‘‘ کی یہ تحریر مہمل اور بے معنی معلوم ہوتی ہے،جس میں حیدر قریشی نے اپنی شاعری کے ادوار کے بارے میں لکھا ہے۔

’’میری دانست میں میری غزل گوئی کے چار ادوار ہیں۔ابتدائی دور جب میں نے روایتی غزل کے انداز میں غزلیں کہیں۔۔۔۔۔دوسرا دور انتہا پسند جدیدیت کے زیر اثر تھا ۔۔۔۔۔تیسرا دور انتہا پسند جدیدیت کے اثر سے نکلنے کا دور تھا۔۔۔۔۔میری غزل گوئی کا چوتھا دور دراصل سابقہ تینوں ادوار کے مثبت اثرات سے مل کر بنا ہے۔‘‘ (۳)

’’غزلیں،نظمیں،ماہیے‘‘حیدر قریشی کی شعری زندگی یعنی ۱۹۷۱ء تا ۱۹۹۴ء تک مشتمل شعری مجموعہ ہے،جس میں انہوں نے اپنی پچیس سالہ شاعری کا انتخاب یکجا کیا ہے۔مجموعہ ءکلام’’غزلیں،نظمیں،ماہیے‘‘کو مجموعی طور پر تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے جیسا کہ مجموعہ ءکلام کے نام سے ظاہر ہوتا ہے۔

۱۔ حیدر قریشی کی غزلیں

۲۔ حیدر قریشی کی نظمیں

۳۔ حیدر قریشی کے ماہیے

۱۔ حیدر قریشی کی غزلیں (حصہ اول)

’’غزلیں،نظمیں،ماہیے‘‘میں موجود غزلوں کا حصہ ۲۵۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ان غزلوں کی ترتیب کے بارے میں حیدر قریشی اپنے دیباچے’’عرض حال‘‘میں لکھتے ہیں۔

’’غزل نمبر ۱ تا ۷۸ وہی غزلیں ہیں جو’’سلگتے خواب‘‘میں شامل تھیں۔غزل نمبر ۷۹ تا ۱۰۳ وہ غزلیں ہیں جو’’عمر گریزاں‘‘میں شامل تھیں اور نمبر ۱۰۴ تا ۱۴۰ کی غزلیں’’دعائے دل‘‘ سے ہیں۔‘‘(۴)

اس مجموعہ کلام کی پہلی غزل کا مطلع درج ذیل ہے۔

؎ عجیب کرب و بلا کی ہے رات آنکھوں میں
سسکتی پیاس لبوں پر فرات آنکھوں میں (۵)

مجموعہ کلام ''غزلیں، نظمیں، ماہیے'' میں غزلوں کی ترتیب میں حروف تہجی کی پابندی کو مدنظر نہیں رکھا گیا بلکہ ان کو مجموعوں کے مطابق تقسیم کیا گیا ہے۔

حیدر قریشی کے مجموعہ کلام ''غزلیں، نظمیں، ماہیے'' میں شامل غزلیات میں ان کی شاعری کی کئی جہتیں اپنی منفرد انفرادیت کی بناء پر جلوہ افروز ہیں۔ حیدر قریشی بنیادی طور پر غزل گو شعراء میں شمار کیے جاتے ہیں اور ان کی غزلوں میں مشرقیت سانس لیتی محسوس ہوتی ہے۔ حیدر قریشی رموزِ شاعری سے واقف ہیں۔ اس لیے انہوں نے جو کچھ کہا وہ ان کے ذوق اور سلیقے کی بہترین ترجمانی کرتا ہے۔ حیدر قریشی کی شاعری روایتی اور جدید دونوں موضوعات کا حسین امتزاج ہے۔ انہوں نے فرسودہ مضامین اور روایتی موضوعات کو اپنی شاعری میں بہت مہارت سے برتا ہے۔ روایتی موضوعات میں ''یاد'' ایسا موضوع ہے جو حیدر قریشی کے چاروں شعری مجموعوں میں موجود ہے۔ اس حوالے سے ان کے چند اشعار درج ذیل ہیں۔

؎ لفظ تیری یاد کے سب بے صدا کر آئے ہیں
سارے منظر آئینوں سے خود مٹا کر آئے ہیں (۶)

؎ مرجھا چکے ہیں پھول تیری یاد کے مگر
محسوس ہو رہی ہے عجب تازگی مجھے
(''غزلیں، نظمیں، ماہیے''، ص:۲۵)

؎ خود اپنے ہونٹوں پہ صدیوں کی پیاس رکھتا ہے
وہ ایک شخص جو مجھ کو اداس رکھتا ہے
(''غزلیں، نظمیں، ماہیے''، ص:۳۴)

؎ ایک ان دیکھے کی سوچوں میں گھرا رہتا ہوں میں
اس کی آنکھیں ' اس کا چہرہ سوچتا رہتا ہوں میں
(''غزلیں، نظمیں، ماہیے''، ص:۷۰)

ڈاکٹر صابر آفاقی حیدر قریشی کی شاعری پر رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''حیدر قریشی کی خوبصورت شاعری سہانے خوابوں' سنہرے آدرشوں اور لطیف و نفیس جذبوں کی پائیدار شبنم ہے جو آنکھوں کو ٹھنڈک عطا کرتی رہے گی۔'' (۷)

حیدر قریشی کی غزلوں کا ایک بڑا موضوع ''عشق و محبت'' ہے۔ وہ اپنی غزلوں میں اپنے جذبات و احساسات اور خیالات و افکار کو

اس قدر موثر انداز سے بیان کرتے ہیں جیسے ان کی شاعری کا مقصد اور نصب العین یہی ہے۔

ے یہ عشق و شق ' یہ ساری محبتیں حیدرؔ
مجھے تو سب ترے دل کا فتور لگتا ہے

(''غزلیں،نظمیں،ماہیے''ص:۴۸)

ے تمہارے عشق میں کس کس طرح خراب ہوئے
رہا نہ عالم ہجراں ' نہ وصل یاب ہوئے

(''غزلیں،نظمیں،ماہیے''ص:۵۷)

ے اک فرشتہ ہے عشق کا حیدرؔ
مجھ پہ جو شاعری اتارتا ہے

(''غزلیں،نظمیں،ماہیے''ص:۲۰۹)

ے یہ کاروبار محبت تو فائدہ دے گا
اسے رسد سے غرض اور مجھے طلب سے ہے

(''غزلیں،نظمیں،ماہیے''ص:۲۵۰)

حیدرقریشی کی شاعری میں عشق ومحبت کے محرکات کے بارے میں ڈاکٹر محبوب راہی اپنی رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''ان تمام محرکات وعوامل کی رگوں میں گرم حیات آفریں لہو بن کر جولافانی جذبہ رواں دواں ہے وہ جذبۂ عشق ہے جس پر نظام کائنات کی اساس ہے۔ عشق حیدرقریشی کی شاعری کی بنیادی شناخت ہے جو مختلف شکلوں میں ان کے غزلیہ اشعار میں جھلکتا ہے''۔

(۸)

حیدرقریشی نے اپنی شاعری میں عشق کو محض تذکرے کے طور پر نہیں اپنایا بلکہ انہوں نے عشق کو اس کی تمام تر حرارتوں اور جذباتی محرکات کے ساتھ پیش کیا ہے۔ان کا محبوب روایتی غزل کا خیالی ہیولہ نہیں بلکہ یہ ان کی دنیا کا باسی ہے جو ان کے اردگرد اپنی تمام تر حقیقتوں کے ساتھ موجود ہے۔

حیدرقریشی اپنی غزلوں میں حسن محبوب کا تذکرہ اس قدر خوبصورتی سے کرتے ہیں کہ قاری پر رعبِ حسن کے ساتھ ساتھ محبوب کے خدوخال اور نقوش کا احساس بھی اجاگر ہوتا چلا جاتا ہے۔

ے جب تلک دیکھوں اک گلاب ہے وہ
اور چھونے لگوں تو خوشبو ہے

(''غزلیں،نظمیں،ماہیے''ص:۳۱)

وہ چاند، وہ گلاب، وہ پتھر، وہ آگ ہے
جیسی مثال دیجئے، برق مثال ہے

(''غزلیں،نظمیں،ماہیے''ص:۴۶)

خود اپنے حسن کے نشے میں چور لگتا ہے
جو سر سے پاؤں تلک رنگ و نور لگتا ہے

(''غزلیں،نظمیں،ماہیے''ص:۴۸)

تمام روشنیاں، خوشبوئیں بجا حیدؔر
پر اس گلاب بدن سا کوئی ہوا بھی نہیں

(''غزلیں،نظمیں،ماہیے''ص:۱۳۱)

حیدرقریشی کے خوبصورت اوردلکش انداز کے بارے میں ڈاکٹر نجمہ رحمانی لکھتی ہیں۔

''حیدرقریشی کی غزلوں میں عاشقانہ روایت کی پاسداری بڑے سلیقے سے کی گئی ہے۔
رنگ، خوشبو، صبا، چاند، تارے، کرن، پھول، شبنم، آبِ جو، چاندنی، کونسی تشبیہ ہے جومحبوب کے
سراپے کیلئے استعمال نہ کی گئی ہو۔'' (۹)

حیدرقریسی کی بیشترغزلوں میں رنج والم، دردوغم اور بے بسی کے موضوعات نظرآتے ہیں۔ جوان کی زندگی کے تجربات کو بیان کرتے ہیں۔اس حوالے سے چنداشعاردرج ذیل ہیں۔

دکھوں کے داغوں کے کتنے چراغ روشن ہیں
میرے نصیب کی لیکن سیاہیاں نہ گئیں

(''غزلیں،نظمیں،ماہیے''ص:۲۸)

اپنے جلتے ہوئے خوابوں میں اتر کر حیدؔر
اپنے نا کردہ گناہوں کی سزا ہو جاؤ

(''غزلیں،نظمیں،ماہیے''ص:۱۱۸)

دکھوں کو جھیل جانا آ گیا ہے
ہمیں بھی مسکرانا آ گیا ہے

(''غزلیں، نظمیں، ماہیے''ص:۲۲۲)

دکھوں کو مسکراہٹوں کے ساتھ جھیلنے والے حیدر قریشی کے درد و غم کی ایک بڑی وجہ اس کی تنہائی ہے۔ یہ تنہائی اپنے وطن سے، اپنے لوگوں اور اپنے یادگار لمحوں سے دوری کی ہے جو اسے لمحہ لمحہ سلگا رہی ہے۔ حیدر قریشی اپنی غزلوں میں اس تنہائی کو یوں پیش کرتا ہے۔

؎ شبِ تنہائی میں اک شخص دل پر
اجالے کی طرح بکھرا ہوا تھا

(''غزلیں، نظمیں، ماہیے''ص:۷۴)

؎ خود اپنے آپ سے احوال کہہ کے روتے رہے
کہ شہر دل کو جلانا تھا اور بجھانا تھا

(''غزلیں، نظمیں، ماہیے''ص:۱۴۳)

؎ حیدر شبِ یلدا کی سیہ سرد فضا میں
یہ بجھتا، چمکتا ہوا جگنو ہے کہ تو ہے

(''غزلیں، نظمیں، ماہیے''ص:۲۴۷)

حیدر قریشی کی غزلوں میں دکھوں کے اس طاقت ور احساس کو محسوس کرتے ہوئے ڈاکٹر نجمہ رحمانی لکھتی ہیں۔

''ان کے کلام میں تازہ گلابوں کی مہک کے ساتھ ایک زرد اداسی کا احساس بھی ہے۔ ہجر کی دوپہر کی تپش، ایک بے نام سناٹا گونجتا ہوا محسوس ہوتا ہے اور سناٹوں کی صدائیں دل کی خالی دیواروں سے ٹکرا کر ایسا پر سرور درد پیدا کرتی ہیں جو ناقابل بیان ہے۔''(۱۰)

حیدر قریشی کے ہاں روایتی غزل کی طرح ایک موضوع محبوب کی سنگ دلی بھی ہے۔ وہ محبوب کی توجہ کے طالب اور محبوب کی نظر التفات کے منتظر نظر آتے ہیں۔

؎ وہ بے وفا کبھی اتنا بھی کب تھا بے گانہ
نہ بے رخی ، نہ کوئی التفات آنکھون میں

(''غزلیں، نظمیں، ماہیے''ص:۴۰)

؎ کسی بھی لفظ کا جادو اثر نہیں کرتا
وہ اپنے دل کی مجھے بھی خبر نہیں کرتا

(''غزلیں، نظمیں، ماہیے''ص۳۲)

؎ عجیب سزا ہے کہ میرے دعاؤں والے حروف
نہ مسترد ہوئے اب تک ، نہ مستجاب ہوئے

(''غزلیں،نظمیں،ماہیے''ص:۵۴)

ے وہ نفرتوں سے بھی دیکھے تو دل میں پیار اگے
ہر ایک دھوکے پہ دل میں اک اعتبار اگے

(''غزلیں،نظمیں،ماہیے''ص:۸۲)

حیدرقریسی کی شاعری میں محبوب کے وصل وہجر کا ایک دلفریب احساس ملتا ہے۔جوان کی حزن وملال کی کیفیت کو بیدار کرتا ہے۔ اس سلسلے میں میرزاادیب ''سلگتے خواب'' کے پس ورق میں لکھتے ہیں۔

''حیدرقریشی کی غزل ان کے تخلیقی جوہر کی خصوصی مظہر ہے۔ان کے بعض شعروں نے مجھے حزن وملال کی کیفیت سے بھی دوچار کیا ہے مگرایسی کیفیت کے اندر بھی اپنا ایک سرور ہوتا ہے۔یہ سرور درسرور قسم کی کیفیت سے عبارت ہے۔اس کی وضاحت نہیں ہوسکتی ہے'' (۱۱)

اس نا قابل بیان درد کا بیان حیدرقریشی کی غزلوں میں جابجا بکھرا نظر آتا ہے۔

ے بنا ہوا ہے بظاہر وہ بے تعلق بھی
جو مجھ کو سوچے بنا دن بسر نہیں کرتا

(''غزلیں،نظمیں،ماہیے''ص:۳۲)

ے اب کے جدائیوں میں بھی رنگِ وصال ہے
بے دم ہوں میں ادھر تو ادھر وہ نڈھال ہے

(''غزلیں،نظمیں،ماہیے''ص:۴۶)

ے تم نے کبھی زخموں کے نگینے نہیں دیکھے
عشاق کے دہکے ہوئے سینے نہیں دیکھے

(''غزلیں،نظمیں،ماہیے''ص:۲۰)

ے خوشی کے لمحے لکھو عمر اضطراب لکھو
نکالو وقت کبھی عشق کا حساب لکھو

(''غزلیں،نظمیں،ماہیے''ص:۱۰۴)

حیدرقریشی کی بیشتر شاعری میں وصل کی خواہش کا خیال بڑے منفرد اور پر اثر انداز میں ملتا ہے۔اگرچہ یہ موضوع روایتی ہے مگر حیدرقریشی کے ہاں یہ ایک جدت وندرت لیے ہوئے ان کے فطری جذبات کا عکاس معلوم ہوتا ہے۔

ے اس کو پانے کی تمنا پہ یقین کب ہے مگر

ہاتھ جب اٹھ ہی گئے ہیں تو دعا ہی مانگوں

(''غزلیں، نظمیں، ماہیے''، ص:۳۰)

پھر اس کے وصل میں کیا جانے کتنی لذت ہو
وہ جس کا ہجر بھی لطفِ وصال رکھتا ہے

(''غزلیں، نظمیں، ماہیے'' ص:۱۸۱)

حیدر قریشی کے ہاں ان کے خوابوں کا ذکر ملتا ہے۔ وہ اپنی شاعری میں اپنے خوابوں کی تعبیر و تشریح اور تشنگی کو پیش کرتے ہیں۔ ان کا یہ احساس ان کے پہلے شعری مجموعے'' سلگتے خواب''میں زیادہ شدت سے وارد ہوا ہے۔

؎ مرے بدن پہ ترے وصل کے گلاب لگے
یہ میری آنکھوں میں ' کس رت میں کیسے خواب لگے

(''غزلیں، نظمیں، ماہیے'' ص۲۴)

؎ جاگے ہیں میرے ذہن میں جب بھی ترے خیال
خوابوں کے شہر بنتے رہے ' ٹوٹتے رہے

(''غزلیں، نظمیں، ماہیے'' ص:۲۶)

؎ بھر کے آنکھوں میں سلگتے خواب اس کی یاد کے
مجھ کو سونے میں بھی حیدر جاگتا رکھا گیا

(''غزلیں، نظمیں، ماہیے'' ص:۸۷)

؎ آنکھ کس طرح کھلے میری کہ میں جانتا ہوں
آنکھ کھلتے ہی سبھی خواب اجڑ جاتے ہیں

(''غزلیں، نظمیں، ماہیے'' ص:۸۷)

؎ بے خواب راستوں میں کوئی پوچھتا پھرا
خوابوں کے شہر کے وہ مسافر کدھر گئے

(''غزلیں، نظمیں، ماہیے'' ص:۹۷)

حیدر قریشی کے ہاں شکست و ریخت کے ساتھ ساتھ زندگی کی بے ثباتی اور موت کا جان دار یقین ملتا ہے مگر حیدر قریشی موت پر زندگی کو ترجیح دیتے ہوئے اپنی شاعری میں موت کے خلاف جستجو کا احساس پیدا کرتے نظر آتے ہیں۔ اس حوالے سے چند اشعار درج ذیل

ہیں۔

؎ چلو پھر آنکھیں کرو چار موت سے حیدر
پھر آج موت کی آنکھوں میں زندگی بھر دو
(''غزلیں،نظمیں،ماہیے'' ص:۳۵)

؎ موت آئی ہوئی ہے مجھے لینے کے لیے اور
یہ زندگی پاس اپنے ہی رکھنے پہ اڑی ہے
(''غزلیں،نظمیں،ماہیے'' ص:۱۸۸)

؎ حکم رہائی اس کے لیے موت ہی نہ ہو
بہتر ہے پہلے پوچھ لو اپنے اسیر سے
(''غزلیں،نظمیں،ماہیے'' ص:۲۳۰)

حیدرقریشی کی شاعری میں فلسفیانہ اورفکرآ گیں موضوعات بھی ہیں جوان کی غزلوں میں بڑی معنی خیز وسعتیں اور گہرائیاں پیدا کرتے ہیں۔ڈاکٹرانورسدیدحیدرقریشی کی غزلوں کےاس فلسفیانہ رنگ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''حیدرقریشی کی پراعتمادآ واز قاری کا تعاقب کرتی ہےاوراسے دعوت دیتی ہے کہ وہ مڑکردیکھےاوراس آ واز پرلپک کرپتھرہوجائے۔'' (۱۲)

مثال کےطور پران کے یہ اشعار۔

؎ طلوع صبح سے پہلے شگاف نیل ہونا چاہے
یہ منظر سامنے کا جلد ہی تبدیل ہونا چاہے
(''غزلیں،نظمیں،ماہیے'' ص:۱۳۸)

؎ ہمارا خواب تو بے شک ادھورا رہ گیا
مگر تعبیر کی تو لازماً تکمیل ہونا ہے
(''غزلیں،نظمیں،ماہیے'' ص:۱۳۹)

آنکھ میں ، دل میں، لہومیں رقص فرمانے لگا
کس ادا کے ساتھ وہ مجھ سے جدا ہوتا گیا
(''غزلیں،نظمیں،ماہیے'' ص:۱۴۹)

حیدرقریشی کی شاعری سے ہمارے سامنے نہ صرف ان کی فکروفن کے ارتقاء کی تمام کہانی آ جاتی ہے بلکہ خود حیدرقریشی کی سوانح عمری ان کے اشعار میں پنہاں نظر آتی ہے۔حیدرقریشی کے اس منفرد اندازِ سخن کے بارے میں ڈاکٹر شفیق احمد لکھتے ہیں۔

''اردو شاعری کے بہت سے شعراء کے شعروں سے ان کی زندگی کے اہم واقعات کا سراغ مل سکتا ہے۔لیکن میری دانست میں حیدرقریشی اردو کے واحد شاعر ہیں جنہوں نے اپنے بارے میں اپنی شاعری ہی میں بہت کچھ بتادیا ہے۔اتنا کچھ کہ اگر کوشش کی جائے تو ان کی ایک مکمل سوانح عمری مرتب کی جاسکتی ہے۔'' (۱۳)

حیدرقریشی اپنی شاعری کے ذریعے اپنے خاندان اور حسب ونسب کے بارے میں کچھ یوں بیان کرتے ہیں۔

ہمارا سلسلہ بغداد سے ' عرب سے ہے
اور اس کا سلسلہ چنگیز کے نسب سے ہے

(''غزلیں،نظمیں،ماہیے'' ص:۲۵۰)

اس طرح حیدرقریشی اپنے عربی النسل ہونے اور قبیلہ قریش سے تعلق کو فخریہ انداز سے اپنی غزل میں بیان کرتے ہیں:

قریش مکہ میں ہو یا مدینہ والوں میں
فقیر نسبت ارض حجاز رکھتا ہے

(غزلیں،نظمیں،ماہیے: ص۱۷۶)

حیدرقریشی کی بیشتر شاعری ان کی زندگی کے حالات وواقعات کی مکمل ترجمانی کرتی ہے۔جیسا کہ حیدرقریشی کا گھر خان پور ضلع رحیم یار خان میں تھا۔خان پور سے لیاقت پور کی طرف جاتے ہوئے چند میل کے فاصلے پر ایک چھوٹا سا قصبہ جیٹھہ بھٹہ واقع ہے۔جہاں حی سنز والوں کی شوگر مل تھی۔حیدرقریشی اس کارخانے میں 19 سال تک ملازم رہے تھے۔اسی لیے حیدرقریشی کی شاعری میں کارخانے میں گزرے روز وشب کی بازگشت بآسانی سنائی دیتی ہے۔اس حوالے سے چند اشعار درج ذیل ہیں۔

عشق اور نوکری مل کے دونوں چوس گئے مجھ کو
تو تو بس اب ایسے ہے جیسے گنے کا بھوگ

(''غزلیں،نظمیں،ماہیے'' ص:۱۲۳)

جو میری روح میں بس زہر گھولتا ہی رہے
میرے نصیب میں چینی کا کارخانہ تھا

(''غزلیں،نظمیں،ماہیے''

حیدرقریشی کی شاعری سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ حیدرقریشی جو اپنے اندر ایک ادبی رجحان اور مزاج رکھتے تھے۔لہذا ان پر یہ غیر شاعرانہ اور سخت مزاج ملازمت گراں گزرتی تھی اور اس سے پیدا ہونے والی زہرناکی ان کے اشعار میں ملتی ہے۔

مشینوں کے اس عہد ناروا کا میں ہی یوسف ہوں
مجھے اس نوکری کی مشکل میں نیلام ہونا تھا

(''غزلیں،نظمیں،ماہیے'' ص:۵۲)

؎ رزق کی تنگی، عشق کا روگ اور لوگ منافق سارے
آؤ ایسے شہر سے حیدر شہر بدر ہو جائیں

(''غزلیں،نظمیں،ماہیے'' ص:۵۹)

اپنا نہیں تو بچوں کا احساس کرذرا
حیدؔر ادب کو چھوڑ کر فکر معاش کر

(''غزلیں،نظمیں،ماہیے'' ص:۵۹)

؎ یہ دل تو محبت ہی محبت تھا سدا سے
لہجے میں یہ تلخی میرے حالات سے آئی

(''غزلیں،نظمیں،ماہیے'' ص:۱۷۹)

حیدرقریشی نے اپنی شاعری میں اپنے حالات وواقعات کے ساتھ ساتھ ماں، باپ، بھائی، بہن اور دیگر عزیزوں کا ذکر بھی بہت خوبصورتی سے کیا ہے۔

؎ یہ ساری روشنی حیدؔر ہے ماں کے چہرے کی
کہاں ہے شمس و قمر میں جو نور خاک میں ہے

(''غزلیں،نظمیں،ماہیے'' ص:۱۳۴)

؎ ابھی تو قول اپنے باپ کا ہم نے نبھانا ہے
ابھی اپنے مقدر کا کڑا بن باس باقی ہے

(''غزلیں،نظمیں،ماہیے'' ص:۱۳۷)

؎ اتنی محبت ہے کہ گماں جیسی لگتی ہے
ماں جائی ہے لیکن ماں جیسی لگتی ہے

(''غزلیں،نظمیں،ماہیے'' ص:۱۷۱)

؎ حدیث درد کی پہلے کوئی کتاب لکھو
پھر اہل جور کے نام اس کا انتساب لکھو

(''غزلیں،نظمیں،ماہیے'' ص:۱۰۴)

اپنی ذات کے علاوہ حیدرقریشی اپنی زندگی کے واقعات کو بھی اپنی شاعری میں بیان کرتے ہیں۔مثلاً:۱۹۷۳ء کے شدید سیلاب

نے دوسرے شہروں کے ساتھ ساتھ حیدر قریشی کے شہر خان پور کو بھی بری طرح متاثر کیا۔ اس آفت ناگہانی کو حیدر قریشی اپنی ایک غزل میں بہت خوبصورتی سے بیان کرتے ہیں۔

ے دشتِ حیرت میں کھڑا ہوں ' چشم حیرت وا کیے
ہیں ابھی غائب ابھی موجود گھر کے راستے

(''غزلیں،نظمیں،ماہیے'' ص:۶۲)

ے ابر رحمت اب کے حیدر بن گیا جیسے عذاب
کر دیئے برسات نے مسدود گھر کے راستے

(''غزلیں،نظمیں،ماہیے'' ص:۶۳)

زندگی کے واقعات میں ایک اہم واقعہ حیدر قریشی کا چند ناخوش گوار وجوہ کی بناء پر وطن عزیز پاکستان کو چھوڑ کر جرمنی میں رہائش پذیر ہونا بھی ہے۔ اس واقعے کی نشاندہی بھی ان کی شاعری میں وطن سے دوری اور تڑپ کے احساس میں نظر آتی ہے۔

ے جرمن احسانات سبھی برحق حیدؔر
فیض مگر کچھ اور ہی دھرتی ماں کے تھے

(''غزلیں،نظمیں،ماہیے'' ص:۲۰۳)

حیدر قریشی کی شاعری کے ذریعے ان کی سیاسی وابستگیوں کا واضح اظہار ملتا ہے۔ وہ حقیقت نگاری کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے عہد کی ترجمانی کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنے دور کے سیاسی حالات و واقعات یعنی مارشل لا اور فوج کے خلاف اپنے جذبات کا واضح اظہار کیا ہے۔ اس سارے سیاسی عمل میں حیدر قریشی فوج کے خلاف اور اپنے دور کے نامور لیڈر ذوالفقار علی بھٹو کے حامی نظر آتے ہیں۔ اس سلسلے میں حیدر قریشی کے چند اشعار درج ذیل ہیں۔

ے شریک تھی یہ چمن کی ہوا بھی سازش میں
اسی لیے تو یہاں نفرتوں کے خار اگے

(''غزلیں،نظمیں،ماہیے'' ص:۸۲)

ے انمول رتن بننے سے بے مول ہی اچھے
سر جبر کی سرکار کے در پر نہیں رکھا

(''غزلیں،نظمیں،ماہیے'' ص:۲۵)

ابھی تو زور ہی ٹوٹا ہے جابروں کا ابھی
نظام جبر کا پورا زوال باقی ہے

(''غزلیں،نظمیں،ماہیے'' ص:۲۲۳)

اسی طرح حیدر قریشی اپنے عہد میں موجود منافقت اور ریاکاری کے عنصر کو کچھ یوں بیان کرتے ہیں۔

؎ کس کی سازش تھی کہ سائے رخ بدلنے لگ گئے
ہم جہاں بھی چند گھڑیاں رک کے ستانے لگے

(''غزلیں،نظمیں،ماہیے'' ص:۵۰)

؎ نہ جانے کون سازشوں کا ہم شکار ہوگئے
کہ جتنے صاف دل تھے اتنے داغ دار ہو گئے

(''غزلیں،نظمیں،ماہیے'' ص:۷۶)

حیدر قریشی کی شاعری میں عہد کے ان رجحانات کے بارے میں ڈاکٹر نجمہ رحمانی لکھتی ہیں۔

''حیدر قریشی کی دنیا صرف عشق ومحبت کے رنگین افسانوں سے مزین نہیں بلکہ ان کی شاعری میں عصر حاضر کا وہ کرب بھی شامل ہے جس سے اس عہد کا ہر ذی شعور اور حساس انسان دوچار ہے۔قصرِ سیاست کی عیاریوں کے ساتھ عام انسان کی بدلتی نفسیات،مادیت پرستی کے بڑھتے ہوئے رجحان پر ان کا قلم لکھتا ہے اور خوب لکھتا ہے''۔ (۱۴)

عصرِ حاضر کا انسان ایک عجیب کشمکش میں مبتلا ہے۔یہ کشمکش اور گھٹن اس کا مقدر ہے اور اس کے ساتھ زندگی بسر کرنا اس کی مجبوری لیکن حیدر قریشی اپنے اندر حصول آزادی کا رجحان رکھتے ہیں جو ان کو معاشرے کی روایات وعقائد کیخلاف آواز اٹھانے پر مجبور کرتے ہیں۔ ڈاکٹر وزیر آغا اس سلسلے میں اپنی رائے دیتے ہیں۔

''حیدر قریشی میں فاضل قوت اتنی زیادہ ہے کہ اس نے ادب کے محیط کو عبور کر کے بعض دیگر شعبوں میں بھی اپنی ذہانت کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے ۔ مجھے اس کے ہاں ایک انوکھا ''حصول آزادی کا رجحان'' نظر آتا ہے۔وہ آزاد ہونا چاہتا ہے مگر تا حال اسے شاید خود بھی معلوم نہیں کہ وہ کس سے آزاد ہونے کا خواہاں ہے۔کیا وہ معاشرے کی جکڑ بندیوں سے باہر آنے کا متمنی ہے یا کلیشوں کی گرفت اور عقائد کی سنہری زنجیروں سے یا پھر خود اپنی ذات کے سلاسل سے''۔ (۱۵)

اس حوالے سے حیدر قریشی کے چند اشعار درج ذیل ہیں۔

؎ میں منزلوں کی کھوج میں خود سے بچھڑ گیا

پھر عمر بھر تلاش ہی اپنی رہی مجھے
(''غزلیں،نظمیں،ماہیے''ص:۲۴)

؎ وسعت میں لامکان کی اب کھو چکا ہوں میں
کس نے فصیل وقت سے آواز دی مجھے
(''غزلیں،نظمیں،ماہیے''ص:۲۴)

؎ اپنے اندر اتر رہا ہوں میں
اپنی پہچان کر رہا ہوں میں
(''غزلیں،نظمیں،ماہیے''ص:۱۰۸)

؎ طلوع صبح سے پہلے شگاف نیل ہونا ہے
یہ منظر سامنے کا جلد ہی تبدیل ہونا ہے
(''غزلیں،نظمیں،ماہیے''ص:۱۳۸)

حیدرقریشی کےفن کا جائزہ لیا جائے توانہوں نے اپنے روایتی اور وضعدارانہ رویے کے مطابق شاعری کی ہے۔ان کی شاعری کے بارے میں ڈاکٹر اوسٹر ہیلڈ کی رائے درج ذیل ہے۔

''حیدرقریشی کی شاعری میں بے ساختہ پن اور روانی ہے۔ایک بار پڑھنا شروع کیا تو جی چاہا پڑھتی ہی رہوں۔روانی کے ساتھ دوسرا اہم وصف بے باکی اور وارفتگی کا ہے جو حیدر قریشی کی شاعری میں نمایاں ہے۔'' (۱۶)

اسی طرح پروفیسر اکبر حمیدی بھی حیدرقریشی کی دلکش شاعری کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''حیدرقریشی کی غزل میں اتنا رس ہے کہ بعض اوقات وہ ٹپکتا ہوا نہیں بلکہ ہمارے حواس پر برستا ہوا محسوس ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔۔حیدرقریشی کی غزل ایک صاحب حال شاعر کی غزل ہے۔اس کے پاس سچے تجربے ہیں، زندہ جذبے ہیں اور اپنی بات کہہ دینے کی ہمت ہے، بلکہ ان سب باتوں سے بڑھ کر یہ کہ اسے فن شعر پر گرفت حاصل ہے''۔ (۱۷)

حیدرقریشی کی غزل میں تغزل کا رنگ و آہنگ اپنے تمام تر لوازمات کیساتھ نظر آتا ہے جو کہ ان کی شاعری کا امتیازی وصف ہے۔
حیدرقریشی کی غزل میں تغزل کے اس بھرپور رچاؤ کی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

؎ نہ پورا سوچ سکوں، چھو سکوں، نہ پڑھ پاؤں
کبھی وہ چاند، کبھی گل، کبھی کتاب لگے

(''غزلیں، نظمیں، ماہیے''ص:۲۴)

؎ چند لمحے وہ ان سے ملاقات کے
میری سانسوں میں برسوں مہکتے رہے

(''غزلیں، نظمیں، ماہیے''ص:۱۶۰)

؎ پھر وقت کے برگد کے تلے گیان کی دھن میں
نکلا ہوا گھر سے کوئی سادھو ہے کہ تو ہے

حیدر قریشی نے اپنی شاعری میں مختلف بحروں کا اہتمام بھی بڑے سلیقے اور قرینے سے کیا ہے۔ان کے کلام میں طویل اور مختصر دونوں اقسام کی بحریں موجود ہیں۔مختصر بحر کے بارے میں ڈاکٹر شفیق احمد اپنی رائے دیتے ہیں۔

''اس مجموعے میں جہاں کہیں مختصر بحر کی غزلیں نظر آتی ہیں وہ سہل متمنع کے مرتبے پر فائز نظر آتی ہیں۔'' (۱۸)

چھوٹی بحر میں حیدر قریشی کی غزل کی چند مثالیں۔

؎ بیتی یادیں پرو رہا تھا وہ
لوگ کہتے ہیں رو رہا تھا وہ

(''غزلیں، نظمیں، ماہیے''ص:۶۴)

؎ نظروں سے گر گئے ہو
دل سے اٹھا رہا ہوں

(''غزلیں، نظمیں، ماہیے'' ص:۱۹۰)

؎ تریاق بن کے حیدر
نفرت کے زہر میں ہوں

(''غزلیں، نظمیں، ماہیے''ص:۲۴۶)

اسی طرح طویل بحروں کے حوالے سے چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

؎ جہاں بھر میں ہمارے عشق کی تشہیر ہو جائے
اسے کس نے کہا تھا دل پہ یوں تحریر ہو جائے

(''غزلیں،نظمیں،ماہیے''ص:۴۴)

؎ اس نے میرے لیے عمر بھر دشت تنہائی کا جو سفر لکھ دیا
سارے صحرا میں تب چلتے چلتے مرے ہر قدم نے شجر لکھ دیا

(''غزلیں،نظمیں،ماہیے''ص:۱۷۲)

ڈاکٹر شفیق احمد حیدر قریشی کی شاعری میں موجود طویل بحروں کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''طویل بحر میں کہی ہوئی غزلوں کو غالباً حیدر قریشی سنبھال نہیں پائے کہ بھرتی کے ساتھ الفاظ کی کثرت ان کی طویل بحر کی غزلوں اور اشعار کے حسن کو گہنا دیتی ہے''۔ (۱۹)

حیدر قریشی نے اپنی شاعری میں تلمیح کا استعمال بھی کیا ہے۔

؎ کوئی مسیح یقیناً پھر آ گیا حیدؔر
قدم قدم پہ جو پھر سے صلیب و دار اگے

(''غزلیں،نظمیں،ماہیے''ص:۸۲)

؎ ہماری ایڑیوں سے اب کوئی چشمہ نہ ابلے گا
نہ قسمت میں ہماری کوئی بیت اہل ہونا ہے

(''غزلیں،نظمیں،ماہیے''ص:۱۳۸)

پھر قصر زلیخا میں رسائی بھی ہو کیسے
کنعان تمنا میں کوئی چاہ نہیں ہے

(''غزلیں،نظمیں،ماہیے''ص:۱۴۰)

حیدر قریشی کی شاعری میں موجود تلمیحات کے بارے میں ڈاکٹر شفیق احمد اپنی رائے دیتے ہیں۔

''ویسے تو حیدر قریشی کی شاعری میں تقریباً تمام صنائع شعری ملتے ہیں لیکن تلمیحات کثرت سے ہیں کہ غالب کے ہاں تلمیحات زیادہ تر ایرانی ادبیات سے ماخوذ ہیں اور اقبال کی تلمیحات کا دائرہ اسلام اور اسلامی تاریخ پر محیط ہے لیکن حیدر قریشی ہندی تلمیحات کو بھی کام میں لاتے ہیں۔'' (۲۰)

ہندی تلمیحات کی مثالیں درج ذیل ہیں۔

؎ تمہارے نام کے ساتھ اپنے نام کا مطلب

جو ہوتا ہے رادھا سے شیام کا مطلب

(''غزلیں،نظمیں،ماہیے''ص:۲۱۰)

؎ ایک سوہنی کی پذیرائی کی خاطر حیدر

دل کے دریا میں کبھی کتنے بھنور آئے ہیں

(''غزلیں،نظمیں،ماہیے''ص:۱۵۵)

؎ پریوں کے جمگھٹے میں جو اندر بنا رہا

عمرِ عزیز ! وہ ترا حیدر کدھر گیا

(''غزلیں،نظمیں،ماہیے''ص:۲۲۱)

حیدر قریشی کی شاعری کی ایک بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ اپنے محبوب کیلئے صیغہ تانیث استعمال کرتے ہیں۔اس حوالے سے مثالیں درج ذیل ہیں۔

؎ وہ حیدر بہت بھولی بھالی سی ہے

اسے تھوڑی تھوڑی سیانی کرو

(''غزلیں،نظمیں،ماہیے''ص:۲۰۷)

؎ چاہے وہ بال بچوں والی ہے

دل کی منطق مگر نرالی ہے

(''غزلیں،نظمیں،ماہیے'' ص:۲۲۸)

؎ ہم بھی چالاک تھے اور تم بھی جہاں دیدہ تھیں

نیتیں دونوں کی کب دونوں سے پوشیدہ تھیں

(''غزلیں،نظمیں،ماہیے''ص:۲۴۸)

اسی طرح حیدر قریشی اپنی شاعری میں خود کو قلندر،فقیر جیسے ناموں سے پیش کرتے ہیں۔

؎ شہر غم کے امیر بھی ہم ہیں

اور تیرے فقیر بھی ہم ہیں

(''غزلیں،نظمیں،ماہیے''ص:۲۸)

؎ ذرا دل کے پتھر کو پانی کرو

فقیروں پہ بھی مہربانی کرو

(''غزلیں، نظمیں، ماہیے''ص:۲۰۶)

حیدر قریشی کے ہاں تشبیہ و استعارہ بھی موجود ہے۔ وہ اشعار میں ایسی تشبیہات لاتے ہیں جو ان کے اشعار میں ایک نئی خوبصورتی اور دلکشی پیدا کرتے ہیں۔

تمام روشنیاں ، خوشبوئیں بجا حیدؔر
پر اس گلاب بدن سا کوئی ہوا بھی نہیں

(''غزلیں، نظمیں، ماہیے''ص:۱۳۱)

یہ ساری روشنی حیدر ہے ماں کے چہرے کی
کہاں ہے شمس و قمر میں جو نور خاک میں ہے

(''غزلیں، نظمیں، ماہیے''ص:۱۳۵)

وہ لہجے کی تاثیر ، وہ آواز کا جادو
ہونٹوں کے دہکتے ہوئے وہ لعل کہاں ہیں

(''غزلیں، نظمیں، ماہیے''ص:۱۷۴)

حیدر قریشی کے لہجے کی تازگی اور بیان کی شگفتگی کو داد دیتے ہوئے ڈاکٹر فراز حامدی اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

''ان کی شاعری کی مدت کو کم و بیش بیس پچیس سال ہو گئے ہیں اور اب ان میں شعر کہنے کا نہ صرف سلیقہ آیا ہے بلکہ نئی پختگی، فکری سنجیدگی، مواد و ہیئت کی ہم آہنگی اور معنوی تہہ داری کی خصوصیات بھی ان کی غزلوں میں در آئی ہے۔ بعض اشعار میں حیدر قریشی ایسی دھیمی آگ بھر دیتے ہیں کہ دل کو پگھلا دیتی ہیں اور ذہن کو جھلسا دیتی ہیں۔'' (۲۱)

حیدر قریشی اپنے اندر اپنی حیثیت، مقام اور مرتبہ کا شعور رکھتے ہیں۔ اگرچہ آج کے دور میں شعراء کی بھیڑ میں اپنی شناخت قائم کرنا بہت مشکل ہے مگر حیدر قریشی نے اپنے لب و لہجہ اور فکری تازگی سے ہر سنجیدہ قاری کو متاثر کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے اشعار میں اپنی اہمیت جتاتے ہیں اور اپنی ذات کا روشن پہلو واضح کرتے ہیں۔ حیدر قریشی کے اکثر اشعار میں یہ انداز حسن تعلّی کو پیش کرتا نظر آتا ہے۔ مثلاً

یونہی تک بندی نہیں کی ہے غزل میں حیدؔر
بھیڑ سے اپنی الگ راہ نکالی ہم نے

(''غزلیں، نظمیں، ماہیے''ص:۱۶۵)

فرشتے کیسے کریں گے حساب پھر اس کا
ہر اک گناہ کا حیدؔر جواز رکھتا ہے

(''غزلیں، نظمیں، ماہیے''ص:۱۷۷)

اگرچہ حیدر قریشی نے اپنی غزل میں فنی پختگی کو مدنظر رکھا ہے لیکن کہیں کہیں ان کے اشعار فنِ شعر کے مروجہ اصولوں کے لحاظ سے جھول بھی رکھتے ہیں۔مگر اس کا جواز بھی حیدر قریشی اپنے کلام میں کھلے دل سے بیان کرتے ہیں۔

یہی تذبذب و تشکیک اب سند ٹھہرے
سند سمجھتے تھے جن کو وہ مستند نہ رہے

(''غزلیں، نظمیں، ماہیے''ص:۱۹۴)

اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ حیدر قریشی کی غزل قدامت کے ساتھ ساتھ جدیدیت کا رنگ بھی رکھتی ہے۔اس کی غزل میں علم بیان کے ساتھ ساتھ علم بدیع کی خوبصورتی بھی ہے نیز وہ غزل کہتے کہتے اپنے قبیلہء شاعری کے علاوہ اپنے علاقے کو بھی نہیں بھولتا۔

حیدر قریشی کی نظمیں (حصہ دوم)

حیدر قریشی کے مجموعہء کلام ''غزلیں، نظمیں، ماہیے'' میں نظموں کا حصہ صفحہ نمبر ۲۵۶ سے لیکر صفحہ نمبر ۳۱۸ تک مشتمل ہے۔حیدر قریشی کی یہ نظمیں ہیئت کے لحاظ سے آزاد نظمیں ہیں اور ان کی کل تعداد ۲۷ ہے۔ان نظموں کے بارے میں حیدر قریشی اپنے دیباچے ''عرض

حال‘‘میں لکھتے ہیں۔

> ’’نظموں کے حصہ میں ۲۵ نظمیں ’’عمرِ گریزاں‘ سے اور باقی دو نظمیں
> ’’دعائے دل‘‘ سے ہیں۔‘‘ (۲۲)

آزاد نظم میں اگرچہ قافیے اور ردیف کی پابندی نہیں ہوتی لیکن بحر اور وزن کا اہتمام ضرور کیا جاتا ہے۔البتہ مصرعے کی لمبائی اپنی ضرورت کے مطابق چھوٹی بڑی کر لی جاتی ہے۔اردو میں صنف نظم براہ راست انگریزی شعروادب سے آئی ہے۔آزاد نظم کا آغاز سب سے پہلے فرانس میں انیسویں صدی کے اواخر میں ہوا۔اردو ادب میں اس صنف کو متعارف کروانے میں کئی شعراء کے نام لیے جاتے ہیں۔ جن میں تصدق حسین خالد‘میرا جی‘ن۔م۔راشد اور مجید امجد کے نام سرفہرست ہیں۔

حیدر قریشی بنیادی طور پر غزل گو شاعر ہیں لیکن انہوں نے نظم اور ماہیے میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔غزلوں اور ماہیوں کی نسبت حیدر قریشی نے نظم نگاری بہت کم ہے۔ڈاکٹر جمیلہ عرشی حیدر قریشی کی شاعری کے بارے میں رائے دیتے ہوئے کہتی ہیں۔

> ’’شاعری میں حیدر قریشی کی شخصیت مثلث کی حیثیت رکھتی ہے اور غزل‘ ماہیا‘ نظم کے زاویوں میں جلوہ گر ہوتی ہے۔یہ مثلث ایسا ہے کہ جو نہ صرف ان کی شاعرانہ قدرتِ کلام کو ظاہر کرتا ہے بلکہ متنوع شخصیت کے پہلو بھی اجاگر کرتا ہے۔ان کی غزلیں پڑھ کر بے ساختہ داد دینی پڑتی ہے۔ماہیا نگاری میں وہ ید طولیٰ رکھتے ہیں اور نظم گوئی میں بھی وہ بہرصورت کامیاب ہیں۔‘‘ (۲۳)

حیدر قریشی نے ماہیوں اور غزلوں کے مقابلے میں کم نظمیں لکھی ہیں‘ جو ان کے مجموعہء کلام ’’عمر گریزاں‘‘ اور ’’دعائے دل‘‘ میں شامل ہیں۔’’عمر گریزاں‘‘ میں نظموں کی تعداد ۲۵ اور ’’دعائے دل‘‘ میں ۲ ہے۔گویا مجموعہء کلام ’’غزلیں‘نظمیں‘ماہیے‘‘ میں نظموں کی کل تعداد ۲۷ ہے۔یہ تمام نظمیں آزاد نظموں کے زمرے میں آتی ہیں۔کیونکہ یہ ردیف‘ قافیے سے عاری ہیں۔

حیدر قریشی کی یہ نظمیں ان کی غزل ہی کا پرتو ہیں۔غزل گو شاعر ہونے کی وجہ سے ان کی نظمیں بھی جذبات واحساسات اور زندگی کے تجربات سے لبریز ہیں۔انہوں نے اپنی نظموں کے لیے جن موضوعات کا انتخاب کیا ہے۔ان میں سے بعض نہایت دلچسپ اور پُراثر ہیں۔الفاظ کی نشست و برخاست سے لگتا ہے کہ ان کے ہاں لفظوں کو برتنے کا سلیقہ موجود ہے۔جس سے نظموں کی روانی‘ بے ساختگی اور معنویت نے انہیں زندگی کے قریب کر دیا ہے۔

دیکھا جائے تو حیدر قریشی کی ہر نظم ان کے تجرباتِ زندگی کی آئینہ دار ہے۔اسی لیے ان کی نظم کو داستانِ حیات کہا جا سکتا ہے۔ان نظموں کے مطالعے سے قاری اسیر حلقہء دام خیال ہو جاتا ہے کیونکہ زندگی اور شاعری کی بہت سی خوبیاں اس پر منکشف ہوتی اور اپنی طرف متوجہ کرتی نظر آتی ہیں۔

نظم ’’درد‘‘ میں حیدر قریشی اپنے تخیلاتی اور شاعرانہ بے ساختہ لب و لہجے میں زندگی کے تجربوں کی سسکتی روح کی صداؤں کو اپنی نظم

کے مصرعوں میں قید کرتے چلے جاتے ہیں۔کالے انجن کی سیٹی کی آواز' کسی تانگے کے گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز' ٹوٹتی چوڑیوں کی چھنک' بانسری کی دکھی اور سریلی صدا کی لفظی منظر کشی کرتے ہوئے آخری بند ایک بھرپور تاثر کی لے پر ختم کرتے ہیں۔

یہ ساری صدائیں مری آشنا ہیں

مجھے جانتی ہیں

میں ان سب کو پہچانتا ہوں

متاعِ فقیراں۔۔۔۔

یہ سب میرے دردوں کی آواز ہیں

درد

جو میرے مونس ہیں

ماں جائے ہیں! (۲۴)

نظم ''درد'' کی ان سطروں میں درد کی تاثیر کے بارے میں ہارون الرشید لکھتے ہیں۔

''ان چند لائنوں کے اندر دیکھا جائے تو ان میں ایک انسان کی پوری زندگی کا عکس ملتا ہے۔درد جیسے بھی ہوں درد ہی ہوتے ہیں اور شاید ان سے انسان کا تعلق اتنا مضبوط اور پائیدار ہوتا ہے کہ وہ ماں جائے بن جاتے ہیں۔''

(۲۵)

نظم ''پھاگن کی سفاک ہوا'' میں حیدر قریشی کے شائستہ اور مہذب لب ولہجہ میں ایک نرم ولطیف محبت کا احساس ملتا ہے۔اس نظم میں شاعر کی شریک حیات بھی متحرک نظر آتی ہے اور اس کے بچے بھی۔اس کی امیدیں بھی ہیں اور آنے والے سہانے دنوں کا تصور بھی۔ اس کی نظم میں ماضی بھی ہے' حال بھی اور مستقبل بھی۔

اگر اس وقت پھاگن کی ہوا سفاک نہ ہوتی

تو میں اس بند کمرے میں

حسین بچپن کے ایسے جگمگاتے اور سہانے دن کہاں پاتا

جہاں گردی کے چکر میں

یہ پھاگن کی ہوا سفاک بھی ہے مہربان بھی ہے! (۲۶)

حیدر قریشی کی خوب صورت' سادہ اور ابہام سے مبرا شاعری کے بارے میں ڈاکٹر جمیلہ عرشی لکھتی ہیں۔

''عام طور پر نظم نگار شعراء کا لب ولہجہ کھردرا ہوتا ہے اور ان کی نظموں میں ثقیل ونامانوس

الفاظ کی بھر مار ہوتی ہے۔ جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے زیر اثر لکھی گئی نظمیں تو ابہام و علائم کا گورکھ دھندا ہو کر رہ گئی ہیں۔ مگر حیدر قریشی نے اپنی نظم کو شائستہ' متوازن اور مہذب آواز سے آراستہ کیا ہے اور ان کا شعری لہجہ بہت دھیما اور موثر ہے۔'' (۲۷)

عشق و محبت کے مضامین میں تصورِ محبوب میں گم رہنا' اس کے وصل کی چاہ کرنا' رات بھر سپنوں میں دیدارِ محبوب سے لطف اندوز ہونا' تو وہ عام خیالات ہیں جن کا ذکر ہر شاعر کے ہاں ملتا ہے لیکن حیدر قریشی محبوب کے عشق و محبت کے ان تلازمات کیساتھ ساتھ محبوب کو پانے کی خواہش کو اپنی تکمیل قرار دیتے ہیں۔ حیدر قریشی کی نظم ''تمہارے لیے ایک نظم' ایسی ہی خواہش کی ترجمانی کرتی ہے۔

تمہیں پانے کی خواہش صرف خواہش ہی نہیں جاناں
تمہارے ان لب و رخسار کی سرخی پہ
میری شاعری کے سب دمکتے رنگ بکھرے ہیں
طلسم حرف کے جو اسم بھی ہیں
سب تمہاری آنکھ کے جادو میں بستے ہیں
مرے مفہوم اور معنی تمہاری روح میں پنہاں
تمہیں پانے کی خواہش صرف خواہش ہی نہیں جاناں!
مجھے اپنے ادھورے پن کی بھی تکمیل کرنی ہے (۲۸)

پھر نظم کے آخر میں اپنی خواہش کا اظہار کیساتھ ساتھ اپنے محبوب کو قریب آنے کی دعوت دیتے ہوئے التجائیہ انداز میں خطاب کرتے ہیں۔

سنو جاناں!
اب اپنے حسن کے رنگوں سے میری شاعری بھر دو
اب اپنی آنکھ کے جادو کے سارے اسم مجھ پر کھول کر
مجھ کو طلسم حرف کے اسرار سکھلاؤ
مرے معنی' مرے مفہوم بھی مجھ کو عطا کر دو
مرے ہاتھوں میں اپنا ہاتھ دو۔۔۔۔۔ نزدیک آ جاؤ (۲۹)

حیدر قریشی کی نظموں کا جائزہ لیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ ان کے ہاں عشق کا بھرپور اظہار ملتا ہے اور وہ اس عشق کو صیغہ راز نہیں رکھتے بلکہ محبوب کے لیے صیغہ ثانیت استعمال کرتے ہوئے اپنے جذبے کی نوعیت کو واضح کرتے ہیں۔ نظم ''محبت کا خدا'' میں اپنے منفرد لب ولہجہ سے اظہار محبت کا یہ انداز قابل توجہ ہے۔

تمہارے واسطے دنیا میں اک میری محبت ہی

حقیقی روشنی ہے

اور باقی جھوٹ

جھوٹی منزلیں اور تیرگی کے شہر میں

تب آزما کر دیکھ بھی لینا

خلوص دل سے جب مجھ کو

بلانے کا ارادہ ہی کروگی

اپنی شہ رگ سے بھی تم نزدیک پاؤ گی مجھے (۳۰)

عشقیہ شاعری ہمیشہ محبوب کے ظلم و جور کی مثال ہوتی ہے اور محبوب کے متعلق ہمیشہ شکایت رہی ہے کہ وہ جفا پیشہ ہے' انا پرست اور سنگ دل و خود غرض ہے۔ حیدر قریشی بھی اپنی نظموں میں محبوب کی سخت دلی' دوری اور اندھے کرب کی شکایت کرتے ہیں۔ نظم ''تمہارے لیے ایک نظم'' میں حیدر قریشی محبوب کے ظلم و ستم کی داستان سناتے ہوئے ملاپ کے دنوں کی امید کرتے ہیں۔

تمہارے بارے میں ہر سوچ پر میں نے

دعاؤں کے نجانے کتنے اندھے کرب جھیلے ہیں

بس اس امید پر

یہ کرب اک دن روشنی بھی لے کے آئیں گے

تمہیں لیکن کوئی احساس تک بھی نہیں شاید!

چلو آؤ۔۔۔۔۔مری آنکھوں میں تھوڑا جھانک کر دیکھ

کہ آنکھیں سچ ہی کہتی ہیں

تمہیں یہ خود بتائیں گی کہ میں نے تم کو پانے کی

دعائیں مانگنے کے جتنے اندھے کرب جھیلے ہیں

تمہاری ہی عطائیں ہیں (۳۱)

اسی طرح حیدر قریشی کی نظم ''بے فیض موسم کا دُکھ'' میں محبوب کی انا پرستی اور بے پروائی اور بے زاری کو کچھ یوں موضوع بنایا گیا ہے۔

اسیر انا ہے کوئی بھی

توقع عبث ہے

وہ صرف اپنی جھوٹی انا'
خود پسندی کا قائل
مگر میں کہ اپنی انا کا بھی منکر
مرے عشق میں جسم سے روح تک
جذب ہو کر
فنا میں بقا کی حقیقت کے مفہوم و معنی نہاں (۳۲)

حیدر قریشی کی نظموں کے داخلی تجربات اور طول کلامی سے احتراز کو ان کے اسلوبِ سخن کا ایک بڑا وصف قرار دیتے ہوئے مظہر امام رقم طراز ہیں:

''عموماً ان کی نظموں میں ایک خاص نوع کا ارتکاز ملتا ہے۔ ان میں تجربہ و احساس ہی نہیں' مشاہدے کی کارفرمائی بھی قابل لحاظ ہے اور ان کی نظموں کو لطافت اور اثر انگیزی عطا کرتی ہے۔ ان کی نظمیں ماورائی' مابعد الطبیعاتی اور تجریدی فضاؤں میں پرواز نہیں کرتیں۔ ان کے یہاں ارضی رجحان غالب ہے اور حیات و کائنات کی ٹھوس چیزوں سے ان کا رشتہ گہرا ہے'' (۳۳)

حیدر قریشی کے کلام سے ایک نرم دل' جذباتی اور محبت سے بھرپور شخصیت اُبھرتی ہے جو اپنا سب کچھ محبت میں لٹانے اور بہت کچھ پانے کا جذبہ رکھتی ہو۔ حیدر قریشی کی شخصیت محبت کے اس جذبے کو کسی ایک فرد تک محدود نہیں رکھتی خواہ وہ محبوبہ ہی کیوں نہ ہو! وہ محبت کی ہمہ گیری کے قابل ہیں۔ جو ماں' بیوی' بہن' بھائی بلکہ ساری انسانیت کو اپنے دامن میں سمیٹ لینا چاہتی ہے۔ محبت کی یہی وسعت اُن کی شخصیت اور شاعری کو توانائی عطا کرتی ہے۔

اپنی چھوٹی بہن زبیدہ کی رخصتی پر ان کے دل گداختہ سے براہ راست نکلی ہوئی نظم ''میں پھر آنسوؤں کا گلا گھونٹ دوں گا'' ان کی بہنوں سے محبت کی بہترین مثال پیش کرتی ہے۔ نظم کی یہ آخری سطریں خاص طور پر بہن بھائی کے لازوال رشتے کی مثال ہیں۔

مری چاروں سمت اپنی بہنوں کی چاہت
کے پھولوں کی خوشبو بسی ہے
میں اب آنسوؤں کا گلا گھونٹنا بھی نہیں چاہتا
کیونکہ یادوں کی سرسبز وادی میں
بارش کا دلکش نظارہ بھی تو دیکھنا چاہتا ہوں
مگر اب بھی پھر اس گھڑی

جب مری دوسری بہنیں بچھڑیں گی مجھ سے

میں پھر آنسوؤں کا گلا گھونٹ دوں گا! (۳۴)

ہماری شاعری میں عموماً بیوی کا ذکر کم ملتا ہے لیکن حیدر قریشی نے اپنی ازدواجی زندگی کے ساڑھے بارہ سال مکمل ہونے پر ''نصف سلور جوبلی'' کے نام سے جو نظم کہی ہے وہ اُن کے جذبات کی شگفتگی اور محبت کی انتہا کی آئینہ دار ہے۔ انہوں نے اپنی اس نظم میں اپنے بچوں کو بھی جزوِ حیات بنالیا ہے۔

سرشاریاں

شاداب اور سیراب جسم وجاں سے چھلکیں

تو آنگن میں بہاریں اور چہکاریں

دمک اُٹھیں

ستارے، پھول، کلیاں

خوشبوئیں اور روشنی ۔۔۔۔۔۔ روشن

شرارت، کھیل، جھگڑا اور

صلح و آشتی، پھر آشتی کے ساتھ ہی جھگڑا

کتابیں، کاپیاں، پنسل، قلم اور ہوم ورک

اتنے شرارت سے بھرے چہروں پہ ایسا نور

یہ معصومیت، پاکیزگی

گنگناتے، کھنکھناتے، جگمگاتے قہقہے

زندگی ہی زندگی (۳۵)

اس نظم کی مسرتوں اور اطمینان سے بھرپور سطریں دل میں ایک عجیب خوش گوار احساس پیدا کرتی ہیں۔ ان نظموں میں حیدر قریشی محبت کے رشتوں کو حقیقت کی آنکھ سے دیکھتا نظر آتا ہے۔

حیدر قریشی کی شخصیت اور اُس کی محبت بھری شاعری کے بارے میں مظہر امام لکھتے ہیں:

''حیدر قریشی کے کلام میں ایک نرم دل جذباتی شخصیت اُبھرتی ہے جس کے اندر محبت میں سب کچھ لٹانے اور بہت کچھ پانے کا جذبہ موجزن ہے۔ ان کے پہلے مجموعہ ''سلگتے خواب'' میں ایک عجیب وغریب شعر ملتا ہے۔

؎ اس کو پانے کی تمنا یہ یقین کب ہے مگر

ہاتھ جب اُٹھ ہی گئے ہیں تو دعا ہی مانگو

شاید یہی وہ کیفیت ہے جسے وزیر آغا نے ''غم میں بھیگی ہوئی مسکراہٹ'' کا نام دیا ہے۔'' (۳۶)

حیدر قریشی صرف انسانوں سے ہی نہیں بلکہ فطرت سے بھی محبت کرتے ہیں۔ان کی نظم ''سرسوں کا کھیت'' مناظرِ فطرت کی دلکش و دلفریب تصویر کشی کی مظہر ہے۔اس نظم میں حیدر قریشی اپنے وطن کے ذرے ذرے کو خوبصورت لبادے میں لپٹا دیکھتے ہیں۔سرسوں سے بھرے لہلہاتے کھیتوں پر نظر ڈالتے ہیں وطن سے محبت کا بے پایاں اور بے اختیار جذبہ شگفتہ اور رنگین لہجے میں کچھ یوں ڈھل جاتا ہے۔

یہ بے انت میدان

میدان میں کیاریاں

ہر کیاری میں ہریالیوں کی قطاریں

یہ پودوں کی ہریالیاں اپنی ساری نمو

پیلے پھولوں کو دے کر

انہیں اپنے سر پر سجائے ہوئے جھومتی ہیں

یہ ہریالیاں، یہ خوشی اور مسرت کے پیکر (۳۷)

اس طرح حیدر قریشی نے اپنی شاعری میں فطرت نگاری کے روپ میں اپنے ماضی کے حسین دنوں کو مجسم کرنے کی ایک کوشش بھی کی ہے۔اس کی ایک خوبصورت مثال ان کی نظم ''ایبٹ آباد'' ہے۔جہاں ایک کالج میں حیدر قریشی نے شعبہ اردو کے معلم کی حیثیت سے دو سال گزارے۔نظم میں حیدر قریشی نے ایبٹ آباد کے شب و روز کی جو منظر کشی کی ہے وہ نہ صرف ایک اچھی نظم کی صورت میں متشکل ہوئی بلکہ اس میں ایک جیتے جاگتے انسان کی کئی خواہشوں اور کیفیتوں کی ترجمانی بھی نظر آتی ہے۔

پہاڑوں کے دامن سے

لپٹی ہوئی

یہ حسین اور سرسبز وادی کہ جیسے

کوئی خوبصورت سی ننھی سی بچی

محبت کا اظہار کرتے ہوئے

ماں کے سینے سے چمٹی ہوئی

جس کے چہرے کے نقش اور شادابیاں

آنے والی جوانی کی،

بے مثل حسنِ مجسم کی

جھلکی دکھائیں (۳۸)

رات کے وقت کی منظر کشی بھی اس نظم میں اپنی تمام تر خوبصورتی سے اجاگر ہوتی ہے۔

یہ شہر نگاراں ہے یا کوئی

دوشیزہ سلمہ ستارے کے جوڑے میں

ملبوس شرمیلے پن سے کھڑی ہے (۳۹)

نظم کے آخر میں دن اور رات کے مناظر کو بیان کرتے کرتے حیدر قریشی خود کو بھی اس منظر کا حصہ تصور کرنے لگتے ہیں۔

ایسا لگتا ہے جیسے

فلک کے ستارے ہی یہ

جگمگاتا ہوا آسماں لے کر

اس وادیء دل نشیں میں

اتر آتے ہیں

یا میں خود آسماں پر

کروڑوں ستاروں کے جھرمٹ میں

چلتا ہوا جا رہا ہوں (۴۰)

حیدر قریشی کی نظموں کا فنی و فکری تجزیہ کرتے ہوئے جمیلہ عرشی اپنی رائے کا اظہار کرتی ہیں۔

''غزل کی منتشر خیالی مشہور ہے لیکن نظم ایک مرکزی خیال لے کر آگے بڑھتی ہے۔ اپنی ہیئت، اپنے پیکر، اپنے موضوع، اپنے مفہوم کے لحاظ سے نظم میں تسلسل ہوتا ہے جو بالآخر کر اپنی منزل مقصود تک پہنچتی ہے۔ حیدر قریشی کی سبھی نظمیں ایک طرح سے تھیم بیسڈ نظمیں ہیں جو بہت آسانی سے اپنے فوکل پوائنٹ تک پہنچ جاتی ہیں۔ کہیں بھی غلط ترسیل کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔'' (۴۱)

اگر حیدر قریشی کی نظموں کو ڈاکٹر جمیلہ عرشی کی رائے کی روشنی میں جانچا جائے تو ان کی نظمیں فکر و فن کے معیار کو کسی حد تک پورا کرتی نظر آتی ہیں۔ حیدر قریشی کی ایک مختصر نظم ''منی پلانٹ'' اپنے اسلوب، لفظی و صوتی آہنگ اور فارم کے لحاظ سے ایک عمدہ اور معیاری نظم کہلا سکتی ہے۔ نظم میں موجود خود کلامی کی کیفیت اسے ایک حسین اور منفرد انداز عطا کرتی ہے۔

زمین سے جڑا رہوں

تو تب بھی لہلہاؤں میں

زمیں سے کاٹ کر مجھے

بوتلوں میں بھر کے ڈال دو

تب بھی میں ہرا ہوں

پیڑ ہی جمانے کی مجھے کہیں جگہ ملے

میں جہاں بھی جا بسوں

وہیں ہرا بھرا رہوں

بلکہ میں جہاں رہوں

نصیب اس کے جاگ اٹھیں

میں کوئی خشک شاخ تو نہیں

کسی درخت کی! (۴۲)

نظم ''تخلیق در تخلیق'' بھی اسلوب اور معنویت کے اعتبار سے حیدر قریشی کی نہایت اہم اور فکر انگیز تخلیق کہی جا سکتی ہے۔ نظم میں حیدر قریشی خالق اور بندے کے ازلی رشتے کو مختلف دھاگوں سے یکجا کرتے نظر آتے ہیں۔ نظم میں حسرت بھی ہے اور امید بھی، قدرت کی ان گنت صنائیوں کا اعتراف بھی ہے اور امکان و یقین کی لگن بھی، تڑپ اور شعور بھی۔

خدا خلاق ہے انسان کی تخلیق کرتا ہے

یہی انسان پھر اپنی جستجو میں خود نئی تخلیق کرتا ہے

یہ انسان لفظوں سے، سروں سے اور رنگوں سے

کہیں نظموں، گیت، تصویریں کہ تخلیقات ہیں اس کی

مگر اس کی طرح یہ سب بھی اپنے اپنے جسموں کے گھروں میں

سانس لیتی ہیں، معانی کے کئی پرتوں کی صورت میں خود نئی تخلیق

کرتی ہیں، نئی تخلیق میں پھر اپنی ہی تقسیم کرتی ہیں

یہ ہر خلاق کا، تخلیق کا، جیسے

خود اپنی کھوج، اپنی جستجو، تفہیم کا

تخلیق در تخلیق کا کوئی انوکھا سلسلہ سا ہے (۴۳)

نظم ''چاند کی تسخیر کے بعد'' بھی اپنے منفرد اسلوب، جدید معنویت اور سائنسی شعور کے اعتبار سے خاص اہمیت کی حامل ہے۔ نظم میں حیدر قریشی وقت کے ساتھ ساتھ محبت کے رویوں میں آنے والی تکلیف دہ تبدیلی کو موضوع سخن بناتے ہیں۔ پھر یہ نظم اپنے اندر بے پناہ رومان کی رو لیے ہوئے تلخ حقیقتوں کی داستان بھی بیان کرتی ہے۔

لفظوں کو جستجو ہوئی اپنے وجود کی

مفہوم اپنے رشتے نئے ڈھونڈ نے لگے

معنوں کی اک بساط بھی بچھنے لگی نئی

محبوب کے حوالے سے تقسیم چاند کی

اب صرف ایک قصہء پارینہ بن گئی

حسِ لطیف مٹ گئی، انسان بٹ گئے (۴۴)

حیدر قریشی اپنی نظموں میں متنوع موضوعات کو لاتے ہوئے کبھی ماضی کی یادوں میں کھو جاتے ہیں تو کبھی اپنی زندگی کی داستان کو ہنر مندی سے بیان کرتے ہیں اور کہیں ماضی کے اساطیری کردار کو موضوعِ سخن بنا کر محفل سجاتے ہیں۔ اس کی بہترین مثال ان کی نظم ''قیامت'' ہے جو قدیم عراق میں سمیری دیو مالا کے مطابق ایک سمندری بلا تھی اور اپنی ہلاکت خیزی اور تباہ کاری و بربادی میں قیامت سے کم نہ تھی۔ حیدر قریشی اس قیامت کو یوں پیش کرتے ہیں۔

یہ سنتے تھے

سمندر سے نکل کر

وہ کبھی اوپر چلی آتی ہے

تو خشکی کے مکینوں کے لیے

ویرانیاں، بربادیاں لاتی

وہ مظہر تھی، ہلاکت اور تباہی کا

سبھی مجبور لوگوں پر ستم ڈھاتی

سبھی مقہور لوگوں سے کراتی

احترام اپنا، وہ جابر

قوت و طاقت پر نازاں

نشہء تقدیس میں

ڈوبی ہوئی جب

جھومتی ہوئی

ہلاکت اور بربادی کے منظر پھیلتے جاتے

یہ سنتے تھے، مگر اب دیکھتے بھی ہیں

کئی صدیوں تلک سوئی ہوئی، کھوئی ہوئی

جابر قیامت جاگ اٹھی ہے (۴۵)

حیدر قریشی کی نظموں کا ایک اہم وصف یہ بھی ہے کہ وہ قدیم اور جدید کے عوامل کو یکجا کرتے ہوئے اپنی نظموں کی زینت بناتے ہیں۔ جہاں کہیں جرمن اور جرمنی کا ذکر آتا ہے تو ساتھ ہی لوگوں کی توجہ ہٹلر اور جنگ عظیم اول و دوم کی طرف بھی مبذول ہو جاتی ہے لیکن اردو ادب سے دلچسپی رکھنے والوں کے ذہن میں اردو کے عظیم شاعر مجید امجد اور ان کی شاعری میں آنے والی ایک جرمن نژاد سیاح لڑکی ''شالاط'' کی تصویر بھی گھومنے لگتی ہے۔ جس کی وجہ سے مجید امجد نے ساہیوال سے کوئٹہ کا سفر اختیار کیا تھا۔ حیدر قریشی نے بھی ایک نظم ''نئی شالاط'' تخلیق کی جو اپنے منفرد انداز و بیان اور موضوع کی بناء پر خاص اہمیت کی حامل محسوس ہوتی ہے۔

وہ شہد اور زہر میں گوندھے ہوئے

سوئے ہوئے سارے زمانے جاگ اٹھے ہیں

ہماری داستاں تو داستاں در داستاں کا سلسلہ سا ہے

مگر اس بار لگتا ہے کہانی ہی نرالی ہے

نہ اب وہ آریاؤں کے ہلاکت خیز حملے ہیں

نہ دشت قیس ہے، نے خسرو پرویز کے حیلے

نہ اب تھل کا سفر در پیش، نے تخت ہزارہ ہے

فقط میں ہوں!

فقط میں ہوں اکیلا، تنہا اپنے آپ سے بچھڑا ہوا

پھر بھی تمہاری سادگی کے حسن میں یکجا ہوئے جاتے ہیں

لیلیٰ، شیریں، سسی، ہیر اور سوہنی کے سب جلوے

تمہاری آریائی روح جس سر زمیں دل پہ پیہم حملہ آور ہے

مگر یہ کیسے حملے ہیں

مسیحائی کی بھی تاثیر رکھتے ہیں

یہیں تک ہوتا گر قصہ تو پھر بھی دل کے بچنے کی کوئی تدبیر ممکن تھی

مگر اب کے ستم یہ ہے

کہ میں اردو کا ایک ٹوٹا ہوا شاعر بھی ہوں جاناں!

جو المانی زمیں تک جانے کیسے آن پہنچا ہوں

جو تم تک آن پہنچا ہوں!　　　(۴۶)

حیدر قریشی کی نظموں کے رنگا رنگ موضوعات اپنی مکمل قوت اور توانائی کیساتھ تہذیبوں کے اتار چڑھاؤ اور کائنات کی تخلیق کے روپ سروپ لیے قاری کے حواس پر اثر انداز ہوتے محسوس ہوتے ہیں۔ جو اپنے دور کے لوگوں کو محبت و امن کی نوید اور پرانی رنجشوں کو بھلا دینے کا درس دیتے ہیں۔ ان کی نظموں میں لفظوں کی پیچ در پیچ زنجیروں میں زندگی سانس لیتی محسوس ہوتی ہے۔ شاید ڈاکٹر نجمہ رحمانی ایسے ہی موضوعات والی نظموں کو سیاسی کہتی ہیں۔ خاص طور پر ''عجیب دشمن'' ایک دراوڑ کا پیغام آریاؤں کے نام اور قیامت'' اپنے سیاسی لب و لہجے کی بدولت سیاسی قرار دی جاسکتی ہیں۔

نظم ''ایک دراوڑ کا پیغام آریاؤں کے نام'' میں حیدر قریشی کا انداز بہت سے تلخ رازوں کو چھپائے نظر آتا ہے۔

بس تاراج کرتے تھے

جو ہم پر راج کرتے تھے

تمہارے رقص جشنِ فتح میں

صدیوں تلک اڑتے رہے تھے

اصل باشندوں کی آزادی کے'

ان کی عزت و ناموس کے ٹکڑے

ہمیں محکوم کر کے تم رہے صدیوں تلک نازاں　　　(۴۷)

نظم ''ایک دراوڑ کا پیغام آریاؤں کے نام'' کی یہ عجیب کشمکش عہدِ حاضر کے ہر انسان میں رقصاں ہے۔ وہ ماضی کی ان تلخ اور گھٹن سے بھرپور فضا سے رہائی چاہتا ہے۔ اسی طرح ہر فن کار جو مجبوریوں کے اس جال سے فرار حاصل کرنے کے لیے حتی المقدور کوشش بھی کرتا ہے لیکن جب اس کی کوششیں اور دعائیں بار آور نہیں ہوتیں تو وہ حقیقت کا دامن چھوڑ کر خوش فہمیوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ حیدر قریشی بھی شاید انہیں خوش فہمیوں کے نشانات کا اظہار کرتے ہیں۔

اب میں دراوڑ

خود تمہاری سرزمیں پر

آنے کو تیار بیٹھا ہوں

مگر اندھے بگولے کی طرح ہرگز نہیں

میں تو فقط بادِ صبا کے نرم جھونکے

کی طرح دھیرے سے آؤں گا

تمہارے گلشنوں کو تاخت و تاراج

کرنے کو نہیں، میں۔۔۔۔۔ بلکہ ان کی

خوشبوؤں کو اپنے من میں

جذب کرنے کے لیے آؤں گا اور

اپنی محبت کے وسیلے سے مجھے

اب آریاؤں کے دلوں پر راج کرنا ہے

سنو! اے آریاؤ!

میں تمہارے پاس آنے کے لیے

تیار بیٹھا ہوں! (۴۸)

حیدر قریشی کی نظمیں اصل میں ان کے اندر کی صدائیں ہیں جو اپنے درد کا اظہار کرتی ہیں تو لفظوں کا روپ دھار کر کاغذ کی زینت بن جاتی ہیں۔ نظم ''دعا گزیدہ'' اپنے لفظوں میں حیدر قریشی کے ان خدشوں کا اعلان کرتی ہے جو اپنوں کے بچھڑنے اور اس دنیا کی بے ثباتی کا احساس ہے۔ موت کے خوف کا دبا دبا سا اظہار ہے۔ جو انسان پر ہمہ وقت طاری رہتا ہے۔ نظم ''دعا گزیدہ'' بھی ماں باپ کی مفارقت کے دکھ اور موت کے انجانے خوف کی ترجمانی کرتی ہے۔

کھلی آنکھیں تو میں دشت جدائی میں

سلگتی ریت پر تھا پا برہنہ سا

پھر امی جی کی لمبی عمر کی میں نے

دعائیں کیں

اک آندھی سی چلی اندھی جدائی کی

تو ماں بھی چھن گئی مجھ سے (۴۹)

اتنی بے رحم مایوسیوں میں بھی حیدر قریشی یقین کا دامن نہیں چھوڑتا بلکہ اپنی دعاؤں میں اپنے لیے اور اپنے لوگوں کے لیے معجزے کی تمنا کرتا ہے۔ نظم ''دعا'' جس میں امیدوں اور تمناؤں کا وسیع جہان آباد ہے جو اپنے اندر تفاخر اور بے بسی کا دکھ لیے محسوس ہوتی ہے۔ نظم ''دعا'' میں حیدر قریشی یوں دعا گو ہوئے ہیں۔

میرے مولا

تجھے معلوم ہے یہ کعبہ دل تو تیرا گھر ہے

سو اپنے گھر کے مالک اپنے گھر کی خود حفاظت کر

اس اندھے ظلم کی عفریت کو

اور جبر کی اس ریت کو پامال کر ایسے

کہ دنیا پھر ابابیلوں کے ہاتھوں

ہاتھی والوں کی ہلاکت کا نظارہ دیکھ لے مالک (۵۰)

حیدر قریشی کے اسی منفرد اسلوب اور فکری عناصر سے بھرپور شاعری کے بارے میں ڈاکٹر جمیلہ ہاشمی اپنی رائے دیتی ہیں۔

''بلاشبہ حیدر قریشی ہماری موجودہ نسل کے نمائندہ شاعر ہیں۔ غزل میں ان کی فکر اگر عروج پر ہے تو نظم میں بھی فکری بلندیاں نمایاں ہیں۔ مجموعی طور پر ان کے کلام میں زندگی کی رمق دمق اور تاب و توانائی ہے اور انہوں نے اپنے تجربات و مشاہدات کو پروقار لہجے میں پیش کیا ہے۔'' (۵۱)

گویا ہم کہہ سکتے ہیں کہ حیدر قریشی غزل کے ساتھ ساتھ نظم کے بھی کامیاب شاعر ہیں۔

حیدر قریشی کے ماھیے (حصہ سوم)

ادب میں نئے تجربات اس کی بقاء اور ارتقا میں ہمیشہ اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ بے جان اور پھیکے تجربات چند دنوں کے شور شرابے کے بعد اپنی موت آپ مرجاتے ہیں۔ جبکہ صحت مند اور زبان و ادب سے موافقت رکھنے والے تجربات نئے ادب کی بنیاد بن جاتے ہیں۔ جیسے ہائیکو جو جاپان کے فکری پس منظر سے مرتب کی گئی صنف ہے۔ اسے ہمارے چند شعراء نے اردو میں استعمال کرنا چاہا لیکن نامکمل معلومات اور ہائیکو کے متعلق ناکافی تجربات کے باعث یہ صنف اردو ادب میں نہ اپنی پہچان کرا سکی اور نہ اپنے وجود کو منوانے میں کامیاب ہو سکی۔ اس کا سب سے بڑا سبب اس صنف کا ہماری دھرتی اور روایات سے اجنبیت قرار دیا جا سکتا ہے۔

اس کے برعکس ماہیا نگاری نے اردو ادب میں بہت جلد اپنا مقام پیدا کر لیا کیونکہ ماہیے اپنے اندر پنجاب کا مزاج اور تہذیبی رچاؤ

لیے ہوئے ہیں۔اسی لیے اردو ادب نے اس صنف کو بڑی آسانی اور سہولت سے قبول کر لیا اور رفتہ رفتہ یہ ماہیے اردو شاعری میں قبولیت کا درجہ حاصل کرتے جا رہے ہیں۔

ماہیا بنیادی طور پر پنجاب کا عوامی گیت اور لوک شاعری ہے۔ ماہیا کا لفظ ماہی سے ماخوذ ہے جس کے لغوی معنی محبوب کے ہیں اور محبوب یعنی ماہی جدائی کی تڑپ میں رنج و ملال کی کیفیت سے دوچار ہوتا ہے تو اس کے جذبات واحساسات سے بھرپور کوک ماہیا کی صورت اختیار کر جاتی ہے۔ماہیے کے بارے میں حیدر قریشی لکھتے ہیں:

> ''پنجابی میں بھینس کو مئیں کہتے ہیں۔بھینس چرانے والوں کو اسی نسبت سے ماہی کہا جاتا تھا۔ان چرواہوں کو بھینسوں پر نظر رکھنے کے سوا کوئی کام نہیں ہوتا تھا۔اس لیے دیہاتی ماحول کے مطابق انہوں نے کسی مشغلے کے ذریعے وقت گزاری کا راستہ نکالا۔بانسری بجانے اور گیت گانے کا مشغلہ ایسا تھا کہ بیک وقت چرواہے کا فرض بھی ادا کیا جا سکتا تھا اور اپنے دل کو بھی بہلایا جا سکتا تھا۔۔۔۔۔۔
>
> ۔۔۔۔۔لیکن جب محبت کے قصوں میں رانجھے اور مہنیوال کو اپنے اپنے محبوب تک رسائی حاصل کرنے کیلئے چرواہا بننا پڑا تو پھر ان کرداروں کی رومانوی کشش نے لفظ ماہی کو چرواہے کی سطح سے اٹھا کر نہ صرف ہیر اور سوہنی کا محبوب بنا دیا بلکہ ہر محبت کرنے والی مٹیار کا محبوب ماہی قرار پایا۔اسی ماہی کے ساتھ اظہار کے لیے ماہیا عوامی گیت بن کر سامنے آیا۔'' (۵۲)

ماہیا بنیادی طور پر ایک چھوٹی سی نظم ہے لیکن اس میں تین مصرعوں کے باوجود پہلے اور آخری مصرعے میں قافیہ اور ردیف کا التزام اسے غزل کے شعر کے قریب کر دیتا ہے۔مزاجاً ماہیا پنجابی زبان کا لوک گیت ہے جس کی ایک مخصوص دھن ہے۔اردو ماہیے وہی درست ہیں جو پنجابی ماہیے کی مخصوص دھن پر آسانی سے گنگنائے جا سکتے ہوں۔اس مخصوص دھن کے مطابق ماہیے کے پہلے اور تیسرے مصرعے کا وزن برابر ہوتا ہے لیکن دوسرے مصرعے کا وزن اس کے دو حرف یعنی ''ایک سبب'' کم ہوتا ہے۔

اردو میں ماہیا نگاری اپنے اس درست وزن کے ساتھ باقاعدہ طور پر ۱۹۹۰ء میں شروع ہوئی۔حیدر قریشی اس کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کچھ یوں کرتے ہیں۔

> ''جب اردو دنیا کو بتایا گیا کہ ماہیے کا دوسرا مصرعہ اس کے پہلے اور تیسرے مصرعہ سے ''ایک سبب'' کم ہوتا ہے۔تب ماہیے کی بحث کھل کر ہونے لگی۔'' (۵۳)

ممتاز عارف نے مجلّہ ''اوراق'' کے شمارہ اگست ۱۹۹۰ء میں سب سے پہلے اردو ماہیے کے درست وزن کی طرف توجہ دلائی تب اردو ماہیے کی باقاعدہ تحریک کا آغاز ہوا۔حیدر قریشی نے ممتاز عارف کی نہ صرف تائید کی بلکہ مختلف ادبی پرچوں اور موقر ادبی جرائد کے ذریعے ماہیے کے اصل اوزان کی نشاندہی کرتے ہوئے اردو ماہیے کی ترقی وترویج کیلئے کوششیں بھی شروع کیں۔

اردو ماہیا کی اس تحریک سے ثلاثی نگاروں نے حیدر قریشی کو تنقید کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔لیکن حیدر قریشی نے ماہیے کے بارے میں تحقیقی وتنقیدی کام کو جاری رکھا بلکہ معترضین کی بے جا تنقید کا بھی موثر جواب دیا۔اس سلسلے میں سعید شباب لکھتے ہیں۔

''حیدر قریشی نے ماہیے کے اصل وزن کے مسئلے پر تنقیدی اور تخلیقی دونوں سطح پر سب سے زیادہ کام کیا اور سب سے زیادہ پتھر بھی کھائے ہیں۔'' (۵۴)

حیدر قریشی نے ماہیا نگاری کے فروغ کیلئے اپنی جدوجہد کو جاری رکھا اور اس جدوجہد کا نتیجہ ان کا اردو ماہیوں پر مشتمل مجموعہء کلام ''محبت کے پھول'' سب سے پہلے ۱۹۹۶ء میں منظر عام پر آیا۔اس مجموعے میں موجود ماہیوں کی کل تعداد ۲۰۰ ہے۔جن میں ۴۴ ماہیے ان کے مجموعہء کلام ''عمر گریزاں'' میں بھی چھپ چکے تھے۔مجموعہء کلام ''غزلیں'نظمیں'ماہیے'' کا آخری حصہ ان ۲۰۰ ماہیوں پر مشتمل ہے۔حیدر قریشی کے ماہیوں والا حصہ ان کے مجموعہء کلام ''غزلیں'نظمیں'ماہیے'' میں صفحہ ۳۲۳ سے لیکر صفحہ ۳۷۵ تک مشتمل ہے۔

حیدر قریشی نے اپنے ماہیوں میں روایتی رنگ ڈھنگ کے ساتھ ساتھ نئے اور مختلف موضوعات کو استعمال کرتے ہوئے ماہیے کے دامن میں وسعت پیدا کی ہے۔پنجابی ماہیوں میں محبوب کے ہجر و وصال اور محبوب کے حسن کی باتیں کی جاتی ہیں۔حیدر قریشی اردو ماہیا کے پیش رو ہیں اور وہ پنجابی ماہیوں کے موضوعات کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''پنجابی ماہیے کا پہلا موضوع تو اپنے ماہی سے باتیں کرنا اور اپنے ماہی کی باتیں کرنا ہی ہے۔ان میں محبوب کے حسن و جمال کی باتیں' پیار کے اقرار اور پیار کی تکرار کی باتیں' عہد و پیمان' ہجر و وصال' گلے شکوے اور معاملہ بندی کی حد تک پہنچی ہوئی ء چھیڑ چھاڑ کی باتیں شامل ہیں۔شادی بیاہ کے موقع پر مختلف انسانی جذبات کا اظہار بھی ماہیوں میں ہوتا ہے''۔

(۵۵)

پھر جب یہ صنفِ سخن پنجابی سے اردو زبان میں آئی تو اس کے مزاج میں اور زیادہ رنگینی پیدا ہوئی اور اس کے موضوعات میں بھی اضافہ ہوا۔حیدر قریشی نے اپنے ماہیوں میں محبوب کی جدائی کے دکھ اور حسن کے مضامین کے علاوہ حمد'نعت' شادی بیاہ کے مواقع' زندگی کے مسائل' دکھ سکھ' غم اور خوشی' وطن کی محبت اور دیگر کئی فکری مضامین کے ساتھ ساتھ پہلی بار رشتہ داریوں کا تذکرہ بھی بڑی عمدگی سے کیا ہے۔

حیدر قریشی کے ماہیوں میں متنوع موضوعات کی رنگا رنگی اپنے عروج پر نظر آتی ہے۔انہوں نے حمدیہ ماہیوں کو بڑے احترام اور سلیقے سے پیش کیا ہے۔

''تو خود میں اکیلا ہے
تیرے دم سے مگر
سنسار کا میلہ ہے'' (۵۶)

''تو خالق اعلیٰ ہے

جو ہر نام سے اور

ہر روپ سے بالا ہے''   (''غزلیں، نظمیں، ماہیے''۔ص:۳۲۳)

حمدیہ ماہیوں کے ساتھ حیدر قریشی کی شاعری میں نعتیہ ماہیے بھی شامل ہیں۔ان میں حیدر قریشی حضور پاکؐ سے محبت و عقیدت کا اظہار اور ان کی زندگی کے گوشوں کے ساتھ ساتھ ان کی غلامی اختیار کرنے کا واضح اعلان کرتے نظر آتے ہیں۔

سب صبحوں کا تاج ہوئی

رحمت عالمؐ کو

جس شب معراج ہوئی (''غزلیں، نظمیں، ماہیے''۔ص:۳۲۴)

''پھیلے تھے اجالے سے

کملی والےؐ کے

پُرنور حوالے سے''   (''غزلیں، نظمیں، ماہیے''۔ص:۳۲۴)

حمدیہ اور نعتیہ ماہیوں کے علاوہ حیدر قریشی نے دعائیہ انداز و بیان کو بھی اپنے ماہیوں میں اپنایا ہے۔حیدر قریشی کا حساس دل معاشرے میں بڑھتی ہوئی بے حسی اور ظلم کو ختم کرنے اور اپنے لوگوں میں باہم محبت کی دعا کرتا محسوس ہوتا ہے۔

''ہمت اور طاقت دے

عہد یزیدی میں

شبیری شجاعت دے'' (''غزلیں، نظمیں، ماہیے''۔ص:۳۲۶)

''نفرت کے اندھیروں کو

توڑ مرے مالک

ظلمات کے گھیروں کو'' (''غزلیں، نظمیں، ماہیے''۔ص:۳۲۶)

''دنیا پہ کرم کر دے

پیار کی سینوں میں

پھر روشنیاں بھر دے'' (''غزلیں،نظمیں،ماہیے''۔ص:۳۲۶)

حیدر قریشی کے ماہیوں کا ایک اہم موضوع اپنی دھرتی سے محبت' اپنے شہروں اور دیہاتوں کے حسن کی تعریف کرنا بھی ہے۔حیدر قریشی دھرتی کے حوالے سے موجود اپنے ماہیوں کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''پہلا حوالہ دھرتی سے براہ راست تعلق اور وابستگی کو ظاہر کرتا ہے۔جبکہ دھرتی کا دوسرا حوالہ اس کے ثقافتی مظاہر سے منسلک ہو کر سامنے آتا ہے۔''

(۵۷)

دھرتی سے براہ راست تعلق ارضِ وطن سے محبت کا اظہار ہوتا ہے۔حیدر قریشی کی شاعری میں ایسے جان دار ماہیے موجود ہیں۔جو اپنی دھرتی کی محبت میں تخلیق کیے گئے ہیں۔

چاند اور ستارے ہیں
ہم سب اس دھرتی
کے راج دلارے ہیں (''غزلیں،نظمیں،ماہیے''۔ص:۳۳۰)

مکھ دھرتی کا نورانی
جھومر پیڑ اس کے
کھیت اس کی ہیں پیشانی (''غزلیں،نظمیں،ماہیے''۔ص:۳۲۷)

حیدر قریشی کے ماہیوں میں دھرتی کے ثقافتی مظاہر بھی اپنی پوری آن بان کیساتھ جلوہ افروز ہیں۔ان ماہیوں میں ہماری تہذیب و ثقافت کی مکمل نشاندہی نظر آتی ہے۔

جھنکار بلونے کی
مظہر گاؤں میں
ہر صبح کے ہونے کی (''غزلیں،نظمیں،ماہیے''۔ص:۳۴۷)

چلتے رہیں ہل بیلیئے
محنت والوں کو
ملتے رہیں پھل بیلیئے (''غزلیں،نظمیں،ماہیے''۔ص:۳۴۸)

جب ماہیے کی بات آئی
ساتھ ہی سکھیوں کے
پیتل کی پرات آئی (''غزلیں، نظمیں، ماہیے''۔ص:۳۸۲)

ان ماہیوں میں ''بلونے کی جھنکار، ہل کا چلنا، پیتل کی پرات، ہماری دھرتی کے ثقافتی مظاہر کے اظہار کے طور پر استعمال کیے گئے ہیں
۔

حیدر قریشی کے ماہیے اپنے اندر دھرتی کے تمام رنگ و روپ سموئے دیہات کے خالص ماحول کی تصویر کشی کرتے ہیں۔ دھرتی کی منظر کشی بیان کرتے ہوئے حیدر قریشی نے بہترین ماہیوں کو تخلیق کیا ہے۔ جو کہ اپنے اندر دیہاتی ماحول، کھیت کھلیان، گلزار و مرغزار، دریا، جھیلیں، غرض دھرتی کے ہر ہر منظر کو پیش کرتے ہیں۔

ہریالیاں گندم کی
پہنی ہیں دھرتی
نے بالیاں گندم کی (''غزلیں، نظمیں، ماہیے''۔ص:۳۲۷)

کھیتوں کے کنارے میں
دور تلک پھیلے
فصلوں کے نظارے میں (''غزلیں، نظمیں، ماہیے''۔ص:۳۴۷)

بور آ گیا آموں میں
رونقیں جاگ اٹھیں
دیہات کی شاموں میں (''غزلیں، نظمیں، ماہیے''۔ص:۳۴۹)

ماہیا بنیادی طور پر لوک شاعری ہے۔ پنجاب کے دیہاتوں میں شادی بیاہ کے موقعوں پر آج بھی ماہیے بڑے شوق سے گائے جاتے ہیں۔ شادی بیاہ پر پنجابی ماہیوں کی نسبت اُردو ماہیوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے۔ لیکن حیدر قریشی کے ہاں ''شادی بیاہ'' کے نام سے بھی کچھ ماہیے موجود ہیں جو کہ شادی بیاہ کی تمام تقریبات کی رونق اور خوب صورتی کے عکاس ہیں۔ شادی بیاہ پر مہندی کی رسم بہت اہم قرار دی جاتی ہے۔ حیدر قریشی مہندی کی رسم پر ماہیا لکھتے ہیں:

مہندی جب لال ہوئی

شرم سے بنو بھی

تب لال گلال ہوئی (''غزلیں،نظمیں،ماہیے''۔ص:۳۴۰)

رخصتی کی رسم پر لکھتے ہیں:

یہی رسم زمانہ ہے

بابل کے گھر کو

اب چھوڑ کے جانا ہے

(''غزلیں،نظمیں،ماہیے''۔ص:۳۴۱)

پھر آخری میں شادی بیاہ کے موقع پر کہے جانے والے دعائیہ کلمات کو یوں لکھتے ہیں۔

ابریشمی خوابوں سے

سیج سدا مہکے

چاہت کے گلابوں سے (''غزلیں،نظمیں،ماہیے''۔ص:۳۴۲)

محبت کا موضوع ماہیے کا محبوب ترین موضوع ہے۔محبوب کے حسن و جمال کی تعریف اوراس سے والہانہ محبت کا اظہار ماہیے کا طرۂ امتیاز ہے۔اردو میں ماہیوں میں بھی بہت سے ماہیے عشق ومحبت کے اسرار ورموز پر لکھے گئے ہیں۔حیدر قریشی کے ماہیوں میں بھی محبت کا لطیف اورلافانی جذبہ اپنے عروج پرنظر آتا ہے۔

ملنا ہوتو ملتے ہیں

پھول محبت کے

پت جھڑ میں بھی کھلتے ہیں (''غزلیں،نظمیں،ماہیے''۔ص:۳۴۴)

اظہار ضروری ہے

پیار اگر ہوتو

اقرار ضرری ہے (''غزلیں،نظمیں،ماہیے''۔ص:۳۶۸)

کلیاں سی چٹک جائیں

پھول محبت کے

ہر دل میں مہک جائیں (''غزلیں،نظمیں،ماہیے''۔ص:۳۸۳)

حیدر قریشی کے ماہیوں میں محبوب کے حسن کا تذکرہ محبوب کے حسن ووقار،خدوخال،جسمانی اعضاء اور چال چلن کے بیان میں

پوشیدہ نظر آتا ہے۔محبوب کے حسن پر مبنی حیدر قریشی کے ماہیوں کے بارے میں عارف فرہاد اپنے مضمون ''حیدر قریشی کی ماہیا نگاری'' میں لکھتے ہیں۔

''ان ماہیوں کو میں نے مزید دو حصوں میں تقسیم کیا ہے کچھ وہ جن میں محبوب کی براہ راست تعریف کی گئی ہے اور کچھ وہ جن میں محبوب کے خوبصورت جسمانی اعضاء لباس اور چال چلن کی تعریف شامل ہے۔'' (۵۸)

عارف فرہاد کی اس تقسیم کے مطابق حیدر قریشی کے ماہیوں میں ایسے بہت سے ماہیے ملتے ہیں جو کہ محبوب کی براہ راست تعریف کیلئے کہے گئے ہیں۔

رنگت مرے خوابوں کی
اس کے بدن میں ہے
خوشبو سے گلابوں کی (''غزلیں،نظمیں،ماہیے''۔ص:۳۳۵)

مستی ہے ہواؤں میں
رات کی رانی کی
خوشبو ہے فضاؤں میں (''غزلیں،نظمیں،ماہیے''۔ص:۳۳۶)

پھولوں سے بھرا آنگن
جیسے کسی الٹر
دوشیزہ کا ہو جوبن (''غزلیں،نظمیں،ماہیے''۔ص:۳۳۶)

حیدر قریشی محبوب کی تعریف کرتے ہوئے اس کے خوبصورت اور دلکش جسمانی اعضاء کو بھی لفظوں میں بیان کرتے ہیں جس سے ان کے ماہیوں میں ایک انوکھی دلکشی نظر آتی ہے۔

وہ نین غزالی تھے
فیصلہ کیا ہوتا
سب ان کے سوالی تھے
(''غزلیں،نظمیں،ماہیے''۔ص:۳۵۸)

وہ ہاتھ دعا والے

جسم عطا والا

اور ہونٹ شفا والے   (''غزلیں،نظمیں،ماہیے''۔ص:۳۶۱)

کچھ من کی خرابی تھی

کچھ اس چہرے کی

رنگت بھی گلابی تھی   (''غزلیں،نظمیں،ماہیے''۔ص:۳۶۲)

محبت کی چاشنی سے بھرپور ان ماہیوں میں محبوب کے حسن وتوصیف کے ساتھ محبت سے متعلق تمام عناصر ملتے ہیں مثلاً جدائی، وصل، انتظار محبت کے دکھ سکھ اور محبت سے دوبارہ ملنے کی امید جیسے احساسات اپنی پوری طاقت اور جذباتی صداقت کے ساتھ جلوہ گر نظر آتے ہیں ۔مثال کے طور پر یہ ماہیے پیش کئے جا سکتے ہیں۔

روٹھے کو منانا ہے

وقت جو بیت گیا

پھر واپس لانا ہے   (''غزلیں،نظمیں،ماہیے''۔ص:۳۵۶)

ماضی کی دشاؤں سے

کون بلاتا ہے

یادوں کی گپھاؤں سے   (''غزلیں،نظمیں،ماہیے''۔ص:۳۵۷)

پھرتے ہیں اکیلے میں

ساتھ نہیں کوئی

صدمات کے میلے میں

(''غزلیں،نظمیں،ماہیے''۔ص:۳۷۶)

ہر خواہش جل گئی ہے

اب کیوں آئے ہو

جب عمر ہی ڈھل گئی ہے   (''غزلیں،نظمیں،ماہیے''۔ص:۳۷۶)

پنجابی ماہیوں میں محبوب سے چھیڑ چھاڑ کے ایسے مضامین عام ملتے ہیں جن میں جنسی خواہش اور تجربے کا اظہار ہوتا ہے۔اردو ماہیا

نگاری میں حیدر قریشی نے اس روایت کو متعارف کروایا۔ اگرچہ ان ماہیوں کی تعداد کم ہے مگر یہ ایک نئی جہت کی طرف ایک قدم ہے۔

ہونٹ اس کے اناری ہیں
گال ہیں اس کے یا
دو سیب قندھاری ہیں (''غزلیں، نظمیں، ماہیے''۔ص:۳۴۵)

نیت تھی مری کھوٹی
تم بھی تھے آمادہ
اور کھلتی گئی چوٹی (''غزلیں، نظمیں، ماہیے''۔ص:۳۶)

کوئی عجب سی بھول ہوئی
پیار کے سودے میں
قیمت بھی وصول ہوئی (''غزلیں، نظمیں، ماہیے''۔ص:۳۶۲)

مونجی کی چھڑائی تھی
پہلے پہل بلیئے
جب آنکھ لڑائی تھی
(''غزلیں، نظمیں، ماہیے''۔ص:۳۶۷)

حیدر قریشی کے چھیڑ چھاڑ کے انداز پر مبنی ان ماہیوں کے بارے میں عارف فرہاد لکھتے ہیں۔

''پنجابی ماہیوں میں محبوب سے چھیڑ چھاڑ کے مضامین تو شروع سے ہی باندھے گئے ہیں مگر اردو ماہیا نگاری میں چھیڑ چھاڑ کے مضامین حیدر قریشی کے علاوہ کسی نے نہیں باندھے۔ میں سمجھتا ہوں، اس لحاظ سے انہیں یہ انفرادیت حاصل ہے کہ اردو میں ماہیوں میں چھیڑ چھاڑ کے مضامین لکھتے وقت انہوں نے ہی حاصل کی ہے''۔ (۵۹)

اردو ماہیوں میں دکھ درد کے موضوعات پر بہت سے ماہیے بیان کئے گئے ہیں۔ ایسے ماہیے اپنے اندر احساس زیاں کے شعوری جذبات کی عکاسی کرتے ہیں۔ حیدر قریشی کے ماہیوں میں بھی جدائی کا دکھ اور خواہش کے پورا نہ ہونے کا درد اپنی بھرپور توانائی کے ساتھ نظر آتا ہے۔

ہر بات انجانی ہے
پر یہ تمہارا دکھ
میری ہی کہانی ہے (''غزلیں،نظمیں،ماہیے''۔ص:۳۵۵)

دکھ حق تھا غریبوں کا
تم سے گلہ کوئی
نہ ہی شکوہ نصیبوں کا (''غزلیں،نظمیں،ماہیے''۔ص:۳۶۳)

مسجد ہے نہ مندر ہے
دل یہ ہمارا تو
اِک دکھ کا سمندر ہے
(''غزلیں،نظمیں،ماہیے''۔ص:۳۶۴)

اردو ماہیوں میں ''یاد'' کا عنصر ایک خاص اہمیت کا حامل سمجھا جاتا ہے۔ حیدر قریشی کے ہاں یہ عنصر اپنے اندر ماضی کے محبوب' محبوب کی محبت اور گزرے ہوئے زمانے کی یادوں کو لئے نظر آتا ہے۔ حیدر قریشی اپنی یادوں سے بھرپور اِن ماہیوں میں جہاں اپنے ماضی کے حسین و دلفریب لمحات کو بیان کرتے ہیں' وہیں اپنے درد و غم کے احساسات کو بھی بڑی خوب صورتی اور مہارت سے پیش کرتے ہیں۔

خوشیوں کی گھڑی آئی
آنکھ کے صحرا میں
یادوں کی جھڑی آئی (''غزلیں،نظمیں،ماہیے''۔ص:۳۵۷)

چمبیلی کی کلیاں تھیں
اپنی جوانی تھی
اور شہر کی گلیاں تھیں (''غزلیں،نظمیں،ماہیے''۔ص:۳۳۵)

آنکھوں میں ستارے ہیں
ہجر کی شب میں بھی
وہ پاس ہمارے ہیں (''غزلیں،نظمیں،ماہیے''۔ص:۳۶۴)

بادل ہیں گھنیرے سے
چہرہ کوئی ابھرا
یادوں کے بنیرے سے (''غزلیں،نظمیں،ماہیے''۔ص:۳۷۷)

اس حقیقت نگاری اور سچے کھرے جذبوں کی ماہیوں میں بھرپور عکاسی دیکھ کر فرحت نسیم ہاشمی حیدر قریشی کی ماہیا نگاری کے بارے میں لکھتی ہیں۔

''حیدر قریشی کے ماہیے اردو ادب میں پنجابی ۔۔۔۔کا ایک منفرد اور انوکھا اضافہ ہیں جو دلوں کی مٹی کی خوشبو کے احساس و رنگ کے ساتھ ہی نہیں لے جاتے بلکہ لمحہ بہ لمحہ دل کو کیفیتوں کے اچھوتے احساسات عطا کرتے ہیں۔''(۶۰)

حیدر قریشی نے دیگر اہم موضوعات کے ساتھ ساتھ اپنے ماہیوں میں رشتے ناتوں کا ذکر بھی بخوبی کیا ہے۔حیدر قریشی نے یہ ماہیے ''چند رشتے'' کے عنوان کے تحت ترتیب دیئے ہیں۔ان ماہیوں سے ان کے سچے جذبوں کی سچی عکاسی ہوتی ہے جو انہوں نے اپنے ماں باپ،بہن بھائیوں،بیوی بچوں اور دوسرے قریبی رشتے داروں کے بارے میں لکھے ہیں۔اپنے والدین کے حوالے سے تخلیق کردہ ماہیے مندرجہ ذیل ہیں۔

پھولوں کی ہے نرمی بھی
اس کی محبت میں
صحراؤں کی گرمی بھی (''غزلیں،نظمیں،ماہیے''۔ص:۳۲۹)

برگد کی جٹائیں ہیں
ساتھ مرے اب بھی
ابو کی دعائیں ہیں (''غزلیں،نظمیں،ماہیے''۔ص:۳۳۰)

لگتی تھی دعاماں کی
نیم شبی شبنم
اور چاندنی کی جھانکی (''غزلیں،نظمیں،ماہیے''۔ص: ۳۳۱)

اپنی شریک حیات سے محبت کا اظہار ان لفظوں میں کرتے ہیں۔

اک روح کا قصہ ہے
میرے بدن ہی کا
جوگم شدہ حصہ ہے
(''غزلیں،نظمیں،ماہیے''۔ص:۳۳۳)

اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کے بارے میں یوں لکھتے ہیں۔
دریا کی روانی ہے
اب مرے بیٹوں میں
مری گزری جوانی ہے (''غزلیں،نظمیں،ماہیے''۔ص:۳۳۲)

مری چڑیوں کی جوڑی ہے
اک پہلوٹھی کی
اک پیٹ کھروڑی ہے (''غزلیں،نظمیں،ماہیے''۔ص:۳۳۳)
اور اپنے بھائی بہنوں کے بارے میں لکھتے ہیں۔
ماضی کے حسیں سائے
چار مری بہنیں
اور چار ہیں ماں جائے (''غزلیں،نظمیں،ماہیے''۔ص:۳۳۱)
حیدرقریشی کی شاعری کے بارے میں مظہرامام اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔
''حیدرقریشی کے کلام سے ایک نرم دل، جذباتی شخصیت ابھرتی ہے جس کے اندر محبت میں سب کچھ لٹانے اور بہت کچھ پانے کا جذبہ موجزن ہے۔۔۔۔۔وہ محبت کی ہمہ گیری کے قائل ہیں جو ماں، بیوی، بہن، بھائی بلکہ ساری انسانیت کو اپنے دامن میں سمیٹ لیتی ہیں''
(۶۱)

چونکہ ماہیے اپنے اندر سادگی سموئے دل میں اتر جانے کا بھید رکھتے ہیں۔اس لئے ماہیے فلسفیانہ انداز کی بجائے روایتی انداز و بیان کے قریب ہیں۔حیدرقریشی بھی اس روایت سے منسلک رہ کر اردو میں ماہیے کہنے پر ہمیشہ آسودگی کا احساس پاتے ہیں۔حیدرقریشی اس بارے میں لکھتے ہیں۔
''میرے اردو ماہیے پنجابی ماہیے کی اس روایت سے جڑے ہوئے ہیں۔سرائیکی النسل

ہونے کے باوجود میری مادری زبان پنجابی ہے۔اس لئے پنجابی ماہیے کی روایت میرے
اندر رچی بسی ہوئی ہے"۔ (۶۲)

حیدر قریشی کی شاعری میں اس روایت سے بھرپور ماہیوں کی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

پوچھے کوئی بگلوں سے
سرخ ہوئے دریا
جب عشق کے پگلوں سے ("غزلیں،نظمیں،ماہیے"۔ص: ۳۵۶)

خوشیوں کی گھڑی آئی
آنکھ کے صحرا میں
یادوں کی جھڑی آئی ("غزلیں،نظمیں،ماہیے"۔ص:۳۵۶)

یہ روایت چونکہ دھرتی سے پھوٹتے پھولوں کی خوشبو اور رشتوں ناتوں کے خلوص کی باس سمیٹے ہوئے ہے،اسی لئے"ہیرانندسوز" حیدر قریشی کی اس روایت پسندی کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

"آپ کے ماہیے روایت اور رنگ جدید کا خوبصورت امتزاج ہیں۔آپ کے فکری رویوں نے اس صنف سخن میں خیال آرائی اور مضمون آفرینی کے نئے در بھی وا کیے ہیں" (۶۳)

حیدر قریشی نے اپنے ماہیوں میں عورت کو اس کی ہر حیثیت میں بلند مقام عطا کیا ہے۔حیدر قریشی بیٹی کو رحمت،بیوی کو محبت،بہن کو شفقت،ماں کو عزت وفضیلت اور کسی بھی غیر عورت کو واجب الاحترام جانتے ہوئے اپنے ماہیوں میں مثالی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔ اس حوالے سے ان کے یہ ماہیے توجہ طلب ہیں۔

تب آنکھ برستی ہے
دل میں کہیں چھپ کر
ماں جب مری ہنستی ہے ("غزلیں،نظمیں،ماہیے"۔ص:۳۳۰)

پھولوں سے بھرا آنگن
جیسے کسی الہڑ
دوشیزہ کا ہو جوبن ("غزلیں،نظمیں،ماہیے"۔ص:۳۳۶)

حیدر قریشی کے ماہیوں میں صنفِ نازک سے متعلق عشقیہ داستانوں کے حوالے بھی بڑے سلیقے سے ملتے ہیں۔

پنوں تھا کہ بادل تھا
آنکھ میں سسّی کی
صحرا کوئی جل تھل تھا (''غزلیں،نظمیں،ماہیے''۔ص:۳۴۷)

اک بنسی نشانی تھی
کرشن کنہیا اور
رادھا کی کہانی تھی (''غزلیں،نظمیں،ماہیے''۔ص:۳۴۸)

سوہنی ہے نہ ہیر ہے وہ
اس کی مثال کہاں
آپ اپنی نظیر ہے وہ (''غزلیں،نظمیں،ماہیے''۔ص:۳۶۶)

حیدر قریشی کے ماہیوں میں ان کے سلگتے خوابوں، بکھری خواہشوں اور نازک امنگوں کا احساس ملتا ہے۔ان ماہیوں میں حیدر قریشی اپنے دکھوں کو سنبھالے اپنے پیاروں کیلیئے دعا گو بھی نظر آتے ہیں۔

بے شک ہیں جدا مولا
میرے پیاروں کو
خوش رکھنا سدا مولا
(''غزلیں،نظمیں،ماہیے''۔ص: ۳۵۴)

کچھ رشتے ٹوٹ گئے
برتن مٹی کے
ہاتھوں سے چھوٹ گئے (''غزلیں،نظمیں،ماہیے''۔ص:۳۵۴)

روٹھے کو منانا ہے
وقت جو بیت گیا
پھر واپس لانا ہے (''غزلیں،نظمیں،ماہیے''۔ص:۳۵۶)

حیدر قریشی کے اِن ماہیوں میں دُکھ کا احساس آنسوؤں، تنہائیوں، غموں اور محرومیوں کا لبادہ اوڑھ کر ہر روپ میں جلوہ افروز دکھائی

دیتا ہے۔اُردو شاعری میں خیال کی گہرائی' نکتہ آفرینی اور فلسفیانہ انداز لئے ہوئے ماہیے موجود ہیں۔لیکن ان سب میں حیدر قریشی اپنے منفرد انداز کی وجہ سے جدا لگتے ہیں۔

چلنے کو ترستے ہیں
منزل گم ہے کہیں
بکھرے ہوئے رستے ہیں ("غزلیں'نظمیں'ماہیے"۔ص:۳۸۶)

آنکھوں سے گماں تک کا
اپنا سفر سارا
تھا جسم سے جاں تک کا ("غزلیں'نظمیں'ماہیے"۔ص:۳۷۶)

ہر خواہش جل گئی ہے
اب کیوں آئے ہو
جب عمر ہی ڈھل گئی ہے
("غزلیں'نظمیں'ماہیے"۔ص:۳۷۶)

حیدر قریشی کے اس لطیف اور منفرد انداز بیان پر ڈاکٹر صابر آفاقی اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"حیدر قریشی کی خوبصورت شاعری سہانے خوابوں' سنہرے آدرشوں اور لطیف و نفیس جذبوں کی پائیدار شبنم ہے جو آنکھوں کو ٹھنڈک عطا کرتی رہے گی۔" (۶۴)

حیدر قریشی کے ماہیوں کا ایک انداز مکالماتی ماہیوں کی صورت میں بھی ہے۔پہلے پہل لوک' ماہیے زیادہ تر مکالموں کے انداز میں کہے جاتے تھے۔پنجابی اور اردو کے شعراء نے بھی مکالماتی ماہیے لکھے جو اپنے وقت میں مشہور بھی ہوئے لیکن ان شعراء میں زیادہ شہرت ساحر لدھیانوی کے ماہیوں کو حاصل ہوئی۔حیدر قریشی نے بھی چند مکالماتی ماہیے کہے جو اپنے اندر ساحر لدھیانوی جیسا انداز اور تڑپ لئے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔

مرد: کتنے بدنام ہوئے
پیار میں تیرے ہم
پھر بھی ناکام ہوئے

عورت: ناکامی سے ڈرتے ہو
عشق بھی کرتے ہو
بدنامی سے ڈرتے ہو

مرد: اس حال فقیری میں	عورت: زلفوں سے رہا ہو جا
عمریں بیت گئیں	رب تیری خیر کرے
زلفوں کی اسیری میں	جا ہم سے جدا ہو جا
	(''غزلیں،نظمیں،ماہیے''۔ص:۳۴۴)

حیدر قریشی کی شاعری کے ذریعے ان کی سیاسی وابستگیوں کا واضح اظہار ملتا ہے۔ وہ حقیقت نگاری کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے عہد، حاکم وقت اور سماج میں بکھرے سماجی رویوں اور برائیوں کو اپنی شاعری میں بیان کرتے ہیں۔ حیدر قریشی اپنے وقت میں فوج کے خلاف اور بھٹو کے حامی نظر آتے ہیں۔ بھٹو کے حوالے سے غزل کے شعروں پر تو رمز و ایما کے پردے پڑے محسوس ہوتے ہیں جبکہ ''۵ جولائی ۱۹۷۷'' کے عنوان سے لکھے گئے ماہیوں میں حیدر قریشی بھٹو اور فوج کے بارے میں اپنے تاثرات کا واضح اظہار کرتے ہیں۔

تھوڑی سی پرانی ہے

انسان کی طوطا

چشمی کی کہانی ہے (''غزلیں،نظمیں،ماہیے''۔ص:۳۵۱)

گلشن پہ عذاب ہوا

توپ کی طاقت سے

اک گدھ سرخاب ہوا (''غزلیں،نظمیں،ماہیے''۔ص:۳۵)

اک باز کو قید کیا

اور پھر قید میں ہی

اس باز کو صید کیا (''غزلیں،نظمیں،ماہیے''۔ص:۳۵۲)

پھر جب ۱۷ اگست ۱۹۸۸ء کو جنرل ضیا الحق ایک ہوائی حادثے میں جان بحق ہو گئے تو حیدر قریشی اپنی شدید نفرت کا اظہار اس ماہیے کے ذریعے کرتے ہیں۔

پھر قصہ ہی پاک ہوا

ایک اڑان میں جب

وہ گدھ بھی ہلاک ہوا (''غزلیں،نظمیں،ماہیے''۔ص:۳۵۳)

حیدرقریشی کے ماہیوں کے ان متنوع موضوعات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہارون الرشید اپنے مضمون ''غزلیں، نظمیں، ماہیے ایک مطالعہ'' میں حیدرقریشی کی ماہیا نگاری کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار ان لفظوں میں کرتے ہیں:

> ''حیدرقریشی کے ماہیوں میں موضوعات کی کوئی کمی نہیں ہے اس سے لگتا ہے کہ وہ غزل اور نظم کے ساتھ ماہیے کو بھی نہایت سنجیدگی سے لیتے ہیں۔ اس کے اندر انہوں نے اپنے جو تجربات منتقل کئے ہیں، وہ ان کی ماہیے سے گہری وابستگی کے مظہر ہیں اور یہ امر نہایت خوش آئند ہے کہ ماہیے کا مستقبل نہایت تابناک ہے اور اس میں حیدرقریشی کے ماہیے اور ان کا اس کے فروغ کے ضمن میں کردار یقیناً ہمیشہ باقی رہے گا۔'' (۶۵)

گویا ہم کہہ سکتے ہیں کہ حیدرقریشی اردو ادب کی دوسری اصناف شاعری کے ساتھ ساتھ ماہیے کی صنف کو بھی آگے بڑھانے، ترقی دینے اور دیگر اصناف شاعری سے بہت اونچا اٹھانے اور تیز رفتاری کے ساتھ آگے لے جانے کے خواہاں ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ حیدرقریشی ''غزلیں،نظمیں،ماہیے'' عرض حال۔ص:۷۔سرور اکادمی جرمنی۔۱۹۹۸ء۔
۲۔ پروفیسرڈکٹرشفیق احمد''حیدرقریشی کی شاعری'،غیرمطبوعہ مضمون۔ص:۱۔
۳۔ حیدرقریشی ''غزلیں،نظمیں،ماہیے'' ۔عرض حال۔ص:۷۔۸۔
۴۔ حیدرقریشی ''غزلیں،نظمیں،ماہیے'' ۔عرض حال۔ص:۷۔
۵۔ حیدرقریشی ''غزلیں،نظمیں،ماہیے'' ۔ص:۱۹۔
۶۔ حیدرقریشی ''غزلیں،نظمیں،ماہیے'' ۔ص:۲۱۔
۷۔ محمدوسیم انجم''حیدرقریشی۔فکروفن''ص:۳۳۔انجم پبلی کیشنز۔راولپنڈی۱۹۹۹ء۔
۸۔ مرتبین نذیرفتح پوری۔سنجے گوڑبولے۔''حیدرقریشی،فن اورشخصیت''ص:۶۱۔''اسباق'' پبلی کیشنز،پونہ۲۰۰۲ء۔
۹۔ مرتبین نذیرفتح پوری،سنجے گوڑبولے''حیدرقریشی،فن اورشخصیت''۔ص:۷۷۔
۱۰۔ مرتبین نذیرفتح پوری،سنجے گوڑبولے''حیدرقریشی فن اورشخصیت''ص:۷۸۔
۱۱۔ حیدرقریشی''سلگتے خواب''پس ورق ازمیرزاادیب،تحدیداشاعت گھرلاہور۔۱۹۹۱ء۔
۱۲۔ محمدوسیم انجم''حیدرقریشی۔فکروفن''۔ص:۲۹۔
۱۳۔ پروفیسرڈاکٹرشفیق احمد''حیدرقریشی کی شاعری''،غیرمطبوعہ مضمون۔ص:۱۔
۱۴۔ مرتبین نذیرفتح پوری،سنجے گوڑبولے''حیدرقریشی،فن اورشخصیت''۔ص:۸۰۔
۱۵۔ محمدوسیم انجم''حیدرقریشی۔فکروفن''۔ص:۱۲۹۔
۱۶۔ محمدوسیم انجم''حیدرقریشی۔فکروفن''۔ص:۳۶۔
۱۷۔ محمدوسیم انجم''حیدرقریشی۔فکروفن''۔ص:۲۷۔
۱۸۔ پروفیسرڈاکٹرشفیق احمد''حیدرقریشی کی شاعری''،غیرمطبوعہ مضمون۔ص:۷۔
۱۹۔ پروفیسرڈاکٹرشفیق احمد''حیدرقریشی کی شاعری''،غیرمطبوعہ مضمون۔ص:۷۔
۲۰۔ پروفیسرڈاکٹرشفیق احمد''حیدرقریشی کی شاعری''،غیرمطبوعہ مضمون۔ص:۷۔
۲۱۔ مرتبین نذیرفتح پوری،سنجے گوڑبولے''حیدرقریشی،فن اورشخصیت''۔ص:۷۴۔
۲۲۔ حیدرقریشی''غزلیں،نظمیں،ماہیے'' ۔عرض حال۔ص:۸۔
۲۳۔ سہ ماہی ادب عالیہ انٹرنیشنل،وہاڑی۔ص:۸۰۔جمیل احمد ہائی نس پبلی کیشنز،وہاڑی،شمارہ نمبر۱۔اپریل،مئی،جون۲۰۰۲ء۔
۲۴۔ حیدرقریشی''غزلیں،نظمیں،ماہیے'' ۔عرض حال۔ص:۲۶۔
۲۵۔ سہ ماہی ادب عالیہ انٹرنیشنل،وہاڑی۔ص:۸۸۔
۲۶۔ حیدرقریشی''غزلیں،نظمیں،ماہیے'' ۔عرض حال۔ص:۲۶۶۔
۲۷۔ سہ ماہی ادب عالیہ انٹرنیشنل،وہاڑی۔ص:۸۰۔
۲۸۔ حیدرقریشی''غزلیں،نظمیں،ماہیے'' ۔عرض حال۔ص:۲۶۸۔
۲۹۔ حیدرقریشی''غزلیں،نظمیں،ماہیے'' ۔عرض حال۔ص:۲۶۸۔
۳۰۔ حیدرقریشی''غزلیں،نظمیں،ماہیے'' ۔عرض حال۔ص:۲۸۶۔
۳۱۔ حیدرقریشی''غزلیں،نظمیں،ماہیے'' ۔عرض حال۔ص:۲۶۸۔
۳۲۔ حیدرقریشی''غزلیں،نظمیں،ماہیے'' ۔عرض حال۔ص:۱۹۸۔
۳۳۔ سہ ماہی ادب عالیہ انٹرنیشنل،وہاڑی۔ص:۷۸۔
۳۴۔ حیدرقریشی''غزلیں،نظمیں،ماہیے'' ۔عرض حال۔ص:۲۷۴۔
۳۵۔ حیدرقریشی''غزلیں،نظمیں،ماہیے'' ۔عرض حال۔ص:۲۷۹۔
۳۶۔ سہ ماہی ادب عالیہ انٹرنیشنل،وہاڑی۔ص:۳۱۴۔

۳۷۔ حیدرقریشی’’غزلیں،نظمیں،ماہیے‘‘۔عرض حال۔ص:۳۱۲۔

۳۸۔ حیدرقریشی’’غزلیں،نظمیں،ماہیے‘‘۔عرض حال۔ص:۲۷۵۔

۳۹۔ حیدرقریشی’’غزلیں،نظمیں،ماہیے‘‘۔عرض حال۔ص:۲۷۶۔

۴۰۔ حیدرقریشی’’غزلیں،نظمیں،ماہیے‘‘۔عرض حال۔ص:۲۷۶۔

۴۱۔ سہ ماہی ادب عالیہ انٹرنیشنل،وہاڑی۔ص:۸۰۔

۴۲۔ حیدرقریشی’’غزلیں،نظمیں،ماہیے‘‘۔عرض حال۔ص:۲۸۲۔

۴۳۔ حیدرقریشی’’غزلیں،نظمیں،ماہیے‘‘۔عرض حال۔ص:۳۱۴۔

۴۴۔ حیدرقریشی’’غزلیں،نظمیں،ماہیے‘‘۔عرض حال۔ص:۲۷۰۔

۴۵۔ حیدرقریشی’’غزلیں،نظمیں،ماہیے‘‘۔عرض حال۔ص:۳۰۹۔

۴۶۔ حیدرقریشی’’غزلیں،نظمیں،ماہیے‘‘۔عرض حال۔ص:۳۱۷۔

۴۷۔ حیدرقریشی’’غزلیں،نظمیں،ماہیے‘‘۔عرض حال۔ص:۳۰۰۔

۴۸۔ حیدرقریشی’’غزلیں،نظمیں،ماہیے‘‘۔عرض حال۔ص:۳۰۱۔

۴۹۔ حیدرقریشی’’غزلیں،نظمیں،ماہیے‘‘۔عرض حال۔ص:۳۰۶۔

۵۰۔ حیدرقریشی’’غزلیں،نظمیں،ماہیے‘‘۔عرض حال۔ص:۳۱۹۔

۵۱۔ سہ ماہی ادب عالیہ انٹرنیشنل،وہاڑی۔ص:۸۴۔

۵۲۔ حیدرقریشی’’اردو میں ماہیا نگاری‘‘ص:۹۔فرہاد پبلی کیشنز۔اسلام آباد۱۹۹۷ء۔

۵۳۔ حیدرقریشی’’اردو ماہیے کی تحریک‘‘ص:۴۱۔فرہاد پبلی کیشنز،راولپنڈی۱۹۹۹ء۔

۵۴۔ حیدرقریشی’’اردو میں ماہیا نگاری‘‘۔پس ورق از سعید شباب۔

۵۵۔ حیدرقریشی’’محبت کے پھول‘‘پیش لفظ۔ص:۱۰۔نایاب پبلی کیشنز۔رحیم یار خان۔۱۹۹۶ء۔

۵۶۔ حیدرقریشی’’غزلیں،نظمیں،ماہیے‘‘۔عرض حال۔ص:۳۳۲۔

۵۷۔ حیدرقریشی’’اردو میں ماہیا نگاری‘‘۔ص:۸۲۔

۵۸۔ سہ ماہی ادب عالیہ انٹرنیشنل،وہاڑی۔ص:۹۲۔

۵۹۔ سہ ماہی ادب عالیہ انٹرنیشنل،وہاڑی۔ص:۹۳۔

۶۰۔ محمد وسیم انجم’’حیدرقریشی۔فکروفن‘‘ص:۳۴۔انجم پبلی کیشنز۔راولپنڈی۔۱۹۹۹ء۔

۶۱۔ محمد وسیم انجم’’حیدرقریشی۔فکروفن‘‘ص:۱۲۶۔

۶۲۔ حیدرقریشی’’محبت کے پھول‘‘پیش لفظ۔ص:۱۱۔نایاب پبلی کیشنز،رحیم یار خان۔۱۹۹۹ء۔

۶۳۔ محمد وسیم انجم’’حیدرقریشی۔فکروفن‘‘ص:۴۰۔

۶۴۔ محمد وسیم انجم’’حیدرقریشی۔فکروفن‘‘ص:۳۳۔

۶۵۔ سہ ماہی ادب عالیہ انٹرنیشنل وہاڑی۔ص:۹۰۔

چہارم

حیدر قریشی
بحیثیت نثر نگار

حیدر قریشی کے افسانے:

افسانہ انگریزی لفظ SHORT STORY کا مترادف ہے جس کے لغوی معنی مختصر کہانی کے ہیں۔ اُردو ادب میں افسانہ ایک

خاص پس منظر میں کسی خاص یا عام واقعات یا تصور زندگی کے کسی ایک پہلو کو فنکارانہ انداز میں مختصراً بیان کرنے کا نام ہے۔ بقول خاطر غزنوی:

> ''مختصر افسانے کا اپنا ایک فن ہے جس کی تشریحات مختلف نقادوں اور افسانہ نگاروں نے اپنے اپنے الفاظ میں کیں۔ ان کا لب لباب یہ ہے کہ افسانہ کسی واقعے، مقام، خطے، موسم، وقت، فرد، یا فرد کی ذہنی کیفیت کا مختصر نثری جائزہ ہوتا ہے، جس میں کم سے کم الفاظ کے ساتھ زیادہ سے زیادہ موثر انداز میں ایک خاص تاثر پیدا کیا جاتا ہے۔ اس کو وحدتِ تاثر کا نام دیا گیا ہے اور یہ افسانے کے فن کی ایک امتیازی خصوصیت ہے''۔ (۱)

ایک افسانے میں عام طور پر چند باتوں کا خیال رکھا جاتا ہے۔ اول افسانے کا موضوع زندگی اور اُس کے متعلقات سے لیا جائے۔ اس طرح انسان کی زندگی کے سیاسی، سماجی، رومانی، قومی، مذہبی اور دوسرے پہلو افسانے کے موضوعات میں سما سکتے ہیں۔ افسانے میں ناول کی طرح کرداروں کی بھرمار نہیں ہونی چاہیے۔ صرف افسانے کے موضوع سے متعلق کردار اور اُن کا تحرک ہی قابلِ توجہ ہوتا ہے۔ پھر اِن گنے چنے کرداروں میں ارتقائی تشکیل کا عمل بھی ضروری ہوتا ہے تاکہ افسانے میں وحدت تاثر کی صورت پیدا ہو سکے۔ ناول میں زندگی کی مکمل عکاسی ہوتی ہے لیکن افسانے میں زندگی کی صرف ایک جھلک دکھائی دیتی ہے۔ افسانہ زندگی کے کسی ایک رُخ، کسی ایک واقعے، تجربے یا خیال کو پیش کرتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ پڑھنے والے کے ذہن پر شروع سے آخر تک ایک ہی تاثر قائم رہے۔

قیام پاکستان کے بعد جن افسانہ نگاروں نے اس صنف کو آگے بڑھایا اُن میں قرۃ العین حیدر، احمد عباس، کرشن چندر، سعادت حسن منٹو، عصمت چغتائی، احمد ندیم قاسمی، ممتاز مفتی، اشفاق احمد، بانو قدسیہ، جمیلہ ہاشمی، ہاجرہ مسرور، قدرت اللہ شہاب، جیلانی بانو اور محمد منشایاد کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

حیدر قریشی نے عصر حاضر کے تمام تقاضوں کو اپناتے ہوئے افسانہ نگاری کا آغاز کیا۔ حیدر قریشی بنیادی طور پر شاعر ہیں اور انہوں نے شاعری میں غزل، نظم اور ماہیے میں طبع آزمائی کی۔ اور صنف افسانہ میں اپنے مجموعے ''روشنی کی بشارت'' سے ابتداء کی۔ اُن کا دوسرا افسانی مجموعہ ''قصے کہانیاں'' بھی اپنے منفرد انداز و بیان اور موضوعات کے لحاظ سے خاص اہمیت کا حامل ہے۔ حیدر قریشی نے ان دونوں مجموعوں کو ایک ''افسانے'' کے نام سے یکجا کر دیا۔

یہ مجموعہ ''افسانے'' ۱۹۹۹ء میں ۶۰۰ کی تعداد میں ''معیار پبلی کیشنز، نئی دہلی'' کے ذریعے شائع ہوا۔ حیدر قریشی نے اپنے اس مجموعہ کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصے میں اُن کے پہلے افسانوی مجموعہ ''روشنی کی بشارت'' میں شامل ۱۳ افسانے رکھے گئے ہیں اور دوسرے حصے میں دوسرے افسانوی مجموعہ ''قصے کہانیاں'' کے ۱۲ افسانے شامل ہیں۔

حیدر قریشی نے افسانہ نگاری کا آغاز ترقی پسند تحریک کے زیر اثر کیا۔ انہوں نے اپنے افسانوں میں عصر حاضر کے حالات

وواقعات اور نشیب و فراز کی گرفت میں قید انسان کی زندگی کو موضوع بنایا۔ ترقی پسند تحریک نے اُردو افسانے کو نہ صرف سماجی حقیقت پسندی کی طرف مائل کیا بلکہ بڑی چابکدستی سے اس صنف اظہار کو مقصدیت کا آلہء کار بنانے کی سعی بھی کی۔ چنانچہ نئے افسانہ نگاروں کی طرح حیدر قریشی نے اپنے عہد کے دکھ، پریشانیاں، نارسائیاں اور طبقاتی تضاد کو اپنی انفرادی کیفیت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی لکھتے ہیں:

> ''حیدر قریشی کے افسانے میں تجربے کا نقش ہے، مشاہدے کی باریکی ہے، زندگی کے فلسفے کی جھلک ہے اور اشارات و کنایات ہیں، ساتھ ہی تفہیم کی فکر نمایاں ہے'' (۲)

ترقی پسند تحریک نے بنیادی طور پر نثر میں افسانہ اور تنقید کی اصناف کو فروغ دینے میں اپنا بھرپور کردار ادا کیا لیکن جدید دور میں فنکار نے اپنے لیے ایک نئی راہ دریافت کرتے ہوئے نثر میں شعری عناصر کو بھی بیان کرنا شروع کر دیا۔ صنف انشائیہ اور افسانے پر ان شعری اثرات کو واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ ایسی صورت میں افسانے پر یہ اعتراض کیا جانے لگا کہ اس میں خارجی حقائق ہیں نہ ماحول اور زندگی کے اثرات، بلکہ یہ افسانہ نگاری محض ہذیان گوئی ہے جو شاعری سے بھرپور بے ربط احساسات کا اظہار اور ابہام و اوہام کا شکار ہے مگر تضادات سے معمور اسی ماحول میں حیدر قریشی اپنے افسانوں میں اعتدال پسندی کا ثبوت دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے افسانے موضوع، اسلوب، ٹیکنیک، زبان اور مواد کے لحاظ سے اپنے اندر زندگی کی نئی حرارت اور نیا پن لیے محسوس ہوتے ہیں۔ اسی اعتدال پسندی کے بارے میں ڈاکٹر ذکاء الدین شایان لکھتے ہیں:

> ''ہمارے نئے افسانہ نگاروں نے ترقی پسندی کی ضد میں افسانے کا کچھ ایسا طریقہ کار بھی اختیار کیا کہ اس صنف کی اپنی زمین متزلزل ہوگئی۔ اِس افراتفری کے عالم میں حیدر قریشی کے افسانوں کا مجموعہ ''روشنی کی بشارت'' بہت متوازن اور منفرد معلوم ہوتا ہے جس میں بھرپور علامتی، تمثیلی اور اشاراتی زاویوں سے کام لیتے ہوئے مصنف نے اپنے زمانے کے جدید مسائل اور سماجی، مذہبی، صحافتی اور شخصی احساسات کو آج کے نئے انسان کی مرکزیت اور اکائی میں پیش کرنے کی کوششیں کی ہے''۔ (۳)

حیدر قریشی کے افسانوں میں سب سے پہلی بات جو قاری کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے وہ حیدر قریشی کا واحد متکلم کا استعمال ہے یعنی وہ اپنے افسانوں میں اپنی ''میں'' کو شامل کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔ حیدر قریشی اپنی اِس ''میں'' کے ذریعے اپنے ماضی، حال اور مستقبل پر مشتمل صدیوں کے حالات و واقعات، خیالات و نظریات اور رسوم و اعتقادات کو قاری کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ یہ بیان اتنا بامعنی ہوتا ہے کہ اس کی تہوں میں سینکڑوں دنیائیں سمٹی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ حیدر قریشی اپنے اکثر افسانوں میں اپنی ''میں'' کا استعمال کرتے ہیں مثلاً اپنے ایک افسانے ''میں انتظار کرتا ہوں'' میں یہ انداز اپنے اندر صدیوں کی وسعتوں کو سموئے ہمارے ذہنوں پر اثر انداز ہوتا محسوس ہوتا ہے:

''میں سوتیلے جذبوں کے عذابوں سے گزرتا ہوں کہ مجھے اپنا سفر مکمل کرنا ہے۔ میں کسی صحرا میں پیاس کی شدت سے ایڑیاں رگڑ رہا ہوں۔ اور مامتا کی ماری میری ماں پانی کی تلاش میں ہلکان ہوتی ہے میں کسی اندھے کنوئیں میں گرا پڑا ہوں۔
میں کسی جنگل میں بن باس کے دن گزار رہا ہوں''۔ (۴)

افسانہ ''ایک کافر کہانی'' میں بھی حیدر قریشی اپنی ''میں'' کو بیان کرتے ہوئے اپنی تلاش میں گم دکھائی دیتے ہیں:

''میں فرطِ عقیدت سے انہیں لپٹ جاتا ہوں اور اپنی شفاعت کے لیے ان کی منت کرتا ہوں لیکن تب ہی یکا یک وہ غائب ہو گئے اور میں بھی غائب ہو گیا۔ اب پتہ نہیں میری جگہ کون ہے کیوں کہ یہ بہر حال میں نہیں ہوں۔ اب میں جو بھی ہوں ابھی تک یہی جاننے کی کوشش کر رہا ہوں کہ میں کون ہوں'' (۵)

حیدر قریشی کے افسانوں میں یہ متحرک ''میں'' اصل میں آج کے تنہا انسان کی نمائندگی کرتی ہے جو اپنے گرد موجود وسیع و عریض اور بیکراں کائنات کے مظاہر میں گم محض تماشائی کی حیثیت رکھتا ہے۔ حیدر قریشی اپنے تخلیقی اندازِ بیاں سے اس تنہا انسان اور اُس کی زندگی کے حالات و واقعات کو اپنے افسانوں میں اُجاگر کرتے ہیں۔ پھر حیدر قریشی اپنے بیشتر افسانوں میں روشنی کا استعارہ استعمال کرتے ہیں۔ بقول ڈاکٹر ذکاء الدین شایان:

''تنہا، بے یار و مددگار اپنے تمام جماعتی نظام، اجتماعی شعور، جمہوی ازدہام اور عوامی گروہ بندی سے الگ تھلگ، قطعی دل برداشتہ۔۔۔۔ لیکن اِس تنہا ''فرد'' کے ساتھ ایک ''روشنی بھی ہے جو اس کے چاروں طرف ہالہ کیے ہوئے ہے اور راہ دکھاتی جاتی ہے''۔ (۶)

حیدر قریشی اپنے اکثر افسانوں میں اس پیغمبرانہ روشنی یعنی راہنمائی کی تفسیر پیش کرتے ہیں۔ اپنے دور کے تنہا افراد کو آنے والے دنوں میں امید و بیم کی بشارت دیتے ہیں۔ روشنی کی یہ علامت حیدر قریشی کے افسانوں میں استعاراتی اور تلمیحی زاویوں کے ساتھ چھائی محسوس ہوتی ہے۔ حیدر قریشی اِس ''روشنی'' کے بارے میں کھل کر وضاحت نہیں کرتے کہ اصل میں یہ روشنی کیا ہے۔ اس کا مرکز کیا ہے یا اس کی ضرورت کیوں ہے؟ روشنی کے اس استعارے کے بارے میں ڈاکٹر ذکاء الدین شایان بڑی گہری بات کرتے ہیں:

''اُس (حیدر قریشی) کے سامنے آسمانی صحائف کی جگمگاتی تحریریں بھی ہیں، مفکروں اور پیغمبروں کی ہدایات و اقوال بھی اور خود اپنے ضمیر اور اپنی ذات کی پیدا کردہ برقی رو اور اس کا منور ہالہ بھی۔۔۔۔ یہ فیصلہ خود قاری کو کرنا ہے کہ اس روشنی کا اصل منبع کہاں ہے؟''۔
(۷)

حیدر قریشی اپنے افسانوں میں اس روشنی کو بہت عقیدت و احترام سے بیان کرتے ہیں۔ اُن کے تمام افسانوں میں یہ روشنی کی

علامت تمام استعاراتی اور تلمیحی انداز میں پوری طرح حاوی نظر آتی ہے۔حیدر قریشی کے افسانوں میں اِس ’’روشنی‘‘ کا ایک انداز کچھ یوں ہے:

’’روشنی کی ایک لکیر میرے اندر سے پھوٹی اور مجھ پر منکشف ہوا کہ میں ہی پنوں تھا۔ جو تمہیں تلاش کرتے ہوئے اس کھنڈر تک پہنچ گیا ہوں لیکن روشنی کی لکیر جو میرے اندر سے پھوٹی تھی، وہ ایک دائرہ بن کر مجھے منور کرنے لگی تو مجھے محسوس ہوا کہ میں ہی پنوں تھا اور میں ہی مجنوں تھا، میں ہی فرہاد تھا اور میں ہی رانجھا تھا۔ میں ہی کرشن تھا اور میں ہی مہندرا تھا۔۔۔۔‘‘ (۸)

روشنی کے استعارے کو حیدر قریشی اپنے ایک اور افسانے، ’’آپ بیتی‘‘ میں بھی استعمال کرتے ہیں۔ یہاں یہ روشنی اُن کے ضمیر سے پھوٹتی اپنے اطراف کو روشن کرتی محسوس ہوتی ہے:

’’عشق کے روایتی قصوں میں ایسے واقعات ضرور ملتے ہیں مگر رات کو کسی سے چوری چھپے ملنے جانا میری زندگی کا پہلا تجربہ ہے۔ گہری سیاہ رات میں پکڑے جانے کا کوئی خوف نہیں تھا لیکن جب میں اس کے دروازے پر ہلکی سی دستک دینے لگتا ہوں تو اچانک روشنی میں نہا جاتا ہوں۔ مجھے لگتا ہے سارا شہر میرے تعاقب میں نکل آیا ہے اور میں رنگے ہاتھوں پکڑ لیا گیا ہوں۔ میں گھبرا کر چاروں طرف دیکھتا ہوں۔ میرے چاروں طرف گھور اندھیرا ہے، پھر میں کس روشنی میں نہا گیا ہوں؟ کہیں یہ میرے اندر کی روشنی تو نہیں؟۔۔۔۔۔میرے شجرے کی روشنی؟۔‘‘ (۹)

حیدر قریشی نے اپنے افسانوں میں صرف روشنی کے استعارے کو ہی استعمال نہیں کیا بلکہ اُن کے کچھ افسانوں کے عنوانات میں بھی روشنی کا لفظ موجود ہے جو کہ اپنے اندر روشنیوں کے کئی انداز لئے ہوئے ہیں۔ مجموعہ ’’افسانے‘‘ میں ’’روشنی کی بشارت، اندھی روشنی اور روشن نقطہ‘‘ اس کی بہترین مثالیں ہیں۔ ’’روشنی کی بشارت‘‘ افسانے میں حیدر قریشی دنیا کے ہر لحہ بدلتی ہوئی اور بدترین حالت کے المیے کو بیان کرتے ہیں کہ وید، انجیل اور قرآن کی تعلیمات کے باوجود انسان اِس کائنات میں ابھی تک اپنی وحشی جبلتوں سے دست بردار نہ ہوسکا۔ ایسے میں افسانہ نگار زمانے کی تلخ اور گھٹن سے بھرپور فضا سے رہائی چاہتا ہے۔ وہ اپنی مجبوریوں کے جال سے فرار حاصل کرنے کے لیے حتی المقدور کوشش کرتا ہے لیکن جب اُس کی کوشش اور دعائیں بارآور نہیں ہوتیں تو وہ حقیقت کا دامن چھوڑ کر اپنی تخیلاتی دنیا میں رہنا پسند کرتا ہے۔ حیدر قریشی اپنے افسانوں میں اِس دکھ کو بیان کرتے ہیں۔ افسانہ ’’روشنی کی بشارت‘‘ میں وہ خود کو اِس دنیا کا باسی نہیں سمجھتے بلکہ برملا اظہار کرتے ہیں کہ میں تو مستقبل میں آنے والا تھا مگر بہت پہلے آ گیا ہوں۔ اِس بات کو وہ اِن لفظوں میں پیش کرتے ہیں:

’’میری آنکھوں میں طلوع ہوتے سورجوں کا گواہ مٹی کا چراغ میرے ہاتھوں میں ہے

لیکن کوئی بھی میری بشارت پر ایمان نہیں لا رہا۔ مجھے شک گزرتا ہے۔ میں اپنے وقت سے
سولہ سو برس پہلے آ گیا ہوں۔ یہ لوگ مجھ سے سولہ سو برس پیچھے ہیں۔ یہ میری بات نہیں سمجھ
پائیں گے۔۔۔'' (۱۰)

حیدر قریشی کے نزدیک زمانے کی بڑھتی ہوئی بے راہ روی کے سامنے تمام مذہبی صحیفوں کی مقدس روشنیاں اور ان کے اقوال اپنی تمام تر رہبری کے ساتھ ناکام معلوم ہوتے ہیں۔ گمراہ انسانوں کے وسیع انبوہ کو لمحہ لمحہ سماوی آفات سے ڈرایا گیا لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ آج کے زمانے کے نئے انسان نے ان حقیقی تصورات کو ہمیشہ جھٹلایا ہے۔ اسی لیے ڈاکٹر ذکاء الدین شایان اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حیدر قریشی کے افسانے انہی کیفیات کا اظہار ہیں اور اس انسان کی تصویر کشی کرتے ہیں جو
اپنے منفرد شعور کی وجہ سے اپنے عہد سے بالکل جدا ہے جو یا تو صدیوں آگے ہے یا صدیوں
پیچھے ہے''۔ (۱۱)

حیدر قریشی کے افسانوں کی ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ انہوں نے موجودہ مشینی دور کی مادیت اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے نئے مسائل کی زندہ تصویروں کو متوازی شعور کے ذریعے انسانی تاریخ کی گم شدہ کڑیوں میں لپیٹ کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ حیدر قریشی کی تحریروں میں چھپا یہ تاریخی رنگ اُن کے ذہنی اور فکری رجحانات کی نمائندگی کرتا ہے۔

''میں پھر سوچنے لگتا ہوں
میں جو صحرا میں پیاس کی شدت سے ایڑیاں رگڑ رہا ہوں۔
ابراہیم کا بیٹا ہوں اور میں جو جرم بے گناہی میں قید بھگت
رہا ہوں، ابراہیم کا پوتا ہوں۔
اور میں جو جنگل میں بن باس کے دن کاٹ رہا ہوں۔
میں بھی ابراہیم کی آل سے ہوں کہ سچ کی راہ پر چلنے والے
اور ظلم کو صبر کے ساتھ برداشت کرنے والے ابراہیم کی آل میں
شمار ہوتے ہیں'' (۱۲)

حیدر قریشی کے افسانوں میں موجود ان علامتی کہانیوں کے تاریخی رنگ کے بارے میں ڈاکٹر قمر رئیس رائے دیتے ہوئے کہتے ہیں:

''کہانیاں علامتی ہیں لیکن معاصر کہانیوں سے الگ اور انوکھی۔ یہاں تاریخ گنگناتی
ہے۔ انسانی تہذیب سرگوشیاں کرتی ہے اور ان کی کوکھ سے آج کے جلتے ہوئے مسائل
پھنکارتے ہوئے نکلتے ہیں۔۔۔۔۔ پر کشش کہانیاں جو سوچنے پر اکساتی ہیں۔

حیدرقریشی تجرید کو رنگین بنانے کا ہنر جانتے ہیں''۔ (۱۳)

حیدرقریشی اپنے افسانوں میں کہانی کے کینوس کو وسیع کرتے ہوئے نت نئے امکانات کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور اس کی سچائی کو نمایاں کرنے کے لیے یوں مذہبی نکتے اٹھاتے ہیں کہ تحریر میں اُن کی خود ساختہ کیفیت کا انداز اُبھرنے لگتا ہے۔ افسانہ ''میں انتظار کرتا ہوں'' میں حیدرقریشی تاریخی سچائیوں کو آج کی مشکلوں کے آئینے میں ایسے پیش کرتے ہیں کہ اُن کی تحریر میں تاریخ گفتگو کرتی اور زندگی سانچے میں ڈھلتی محسوس ہوتی ہے:

> ''اور میں دیکھتا ہوں کہ:
>
> تپتے ہوئے صحرا میں میرے ایڑیاں رگڑنے سے ایک چشمہ بہا ہے، میری ماں کے چہرے پر خوشیوں اور مسرتوں کا نور پھیلا ہوا ہے۔ وہ جو کسی قافلے کی امداد کی منتظر تھی۔ اب ہزاروں قافلے اس کی مدد کے محتاج ہیں۔ اور اس بادشاہ زادی کو ایک نئی بادشاہت مل گئی ہے اور ہزاروں برس سے میرا انتظار کرنے والی کنواریاں میرے گلے میں ڈالنے کے لیے اپنے ہاتھوں میں پھولوں کے ہار سجائے میری آمد کے گیت گا رہی ہیں۔'' (۱۴)

حیدرقریشی کے افسانوں کے اس تاریخی عنصر کے بارے میں ''دیویندر اِسر'' لکھتے ہیں:

> ''حیدرقریشی تاریخ کے جھروکے میں جھانکتے ہیں، تہذیبوں کی سرحدوں کو عبور کرتے ہیں، مذہبی صحیفوں کی نظریاتی اور روحانی گتھیاں سلجھاتے ہیں۔ انسان کی روح میں اترتے ہیں، اس کے دل کو بلوتے ہیں، اس کے تصور کے ساتھ اُڑان بھرتے ہیں اور جسم کی لذت سے بھی آشنا ہوتے ہیں اور یوں کہانیاں روپ بدل بدل کر شیشہ گھر میں اُترتی چلی جاتی ہیں''۔ (۱۵)

اس کے علاوہ جیلانی کامران حیدرقریشی کے افسانوں میں موجود تاریخی مکالماتی اندازِ بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''ہمارا افسانہ تاریخ کے اس مکالمے سے شاید اب تک غافل تھا۔ حیدرقریشی نے اپنے افسانوں کی راہ سے تاریخ کے اس مکالمے کو سننے کی سعی کی ہے۔۔۔۔ حیدرقریشی کے افسانے ایک نئے طریقے سے قاری تک پہنچتے ہیں اور ان کی گفتگو کا لہجہ بھی مختلف ہے۔ اس اعتبار سے ان افسانوں میں ایک ایسا رویہ بھی شامل ہے جو کہانی سنتے ہوئے سوچنے پر مجبور کرتا ہے''۔ (۱۶)

حیدرقریشی اپنے افسانوں میں مذہب کی اساطیری اور داستانی فضا کا احاطہ کرتے ہوئے مرد وزن کے ازلی رشتے کی نوعیت بھی بیان کرتے ہیں کہ مرد وزن کے بدنی رشتے جو اندرون میں جنس سے مرغوب ہیں، وہ اصل میں کیا رنگ لیے ہوئے ہیں؟ حیدرقریشی اپنی

تحریروں میں اُس کشمکش کا بھی اظہار کرتے ہیں جو آج بھی نئی تہذیب میں عورت کو ہی گناہ کی بنیاد قرار دیتی ہے۔افسانہ ''اندھی روشنی'' میں حیدرقریشی ماڈرن سوسائٹی کے نام لیواؤں کی نغمہ وسرور اور عیش وعشرت سے بھرپور محفلوں میں ہوتے گناہ وثواب کی مثال پیش کرتے ہیں، وہ انسانوں کے ظاہر و باطن کے تضاد کو اپنے افسانوں کی زینت بناتے ہیں۔ایک طرف وہ حوّا یعنی عورت کی طلب میں سرشار نظر آتے ہیں تو دوسری طرف وہ حوّا سے بے زار نظر آتے ہوئے اُسے موردِ الزام ٹھہراتے ہیں:

''میں تمہاری وجہ سے جنت بدر ہوا تھا مگر اب میں تمہاری وجہ سے زمین بدر نہیں ہوسکتا۔۔۔۔تم شجر ممنوعہ تک لے جانے کی ذمہ دار ہو اور شجر ممنوعہ جنت سے نکلوانے کا ذمہ دار ہے'' (۱۷)

اس افسانے میں ''شجر ممنوعہ اور گندم'' کے الفاظ اساطیری علامتیں ہیں جو اپنی معنویت کو پوری طرح واضح کرتی ہیں۔ڈاکٹر ذکاء الدین شایاں، حیدرقریشی کی حوّا کے متعلق اس کشمکش کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''انہیں (حیدرقریشی) ''حوا'' کی تلاش بھی ہے اور اس کے ملنے کے بعد وہ اسے چھوڑ دینا بھی چاہتے ہیں۔یہ کشمکش حیدرقریشی کو جدید عہد کی عورت سے نفرت اور محبت کرنا سکھاتی ہے۔انہیں اندھے پن میں روشنی اور روشنی میں اندھاپن دکھائی دینے لگتا ہے''۔ (۱۸)

حیدرقریشی اپنے افسانوں میں وقت کے بدلتے ہوئے رویوں کی بہترین ترجمانی کرتے ہیں۔انہوں نے ایٹمی جنگ کے متوقع خطرے کا ادراک کر کے اس کے انسانی زندگی پر اثرات اور ایٹمی جنگ کے بعد پیدا ہونے والی صورت حال کو بھی اپنے افسانوں کا موضوع بنایا ہے۔حیدرقریشی کے افسانے ''حوا کی تلاش۔گلاب شہزادے کی کہانی، کاکروچ'' ایٹمی جنگ کے موضوع پر بہترین افسانے قرار دیئے جاسکتے ہیں۔اِن افسانوں کے متعلق خود حیدرقریشی لکھتے ہیں:

''۱۹۸۰ء کے وسط میں میرا ذہن بار بار ایٹمی جنگ کے امکانی خطرہ کی طرف جاتا تھا۔ بعض آسمانی صحیفوں اور مذہبی کتب میں مجھے ایک بڑی تباہی کی خبریں پڑھنے کو ملیں تو میرے اندر کی بے چینی نے مجھ سے کہانی ''حوا کی تلاش'' لکھوائی۔۔۔۔''حوا کی تلاش''، گلاب شہزادے کی کہانی اور کاکروچ''۔یہ تینوں کہانیاں کرہ ارض پر انسانیت کو درپیش ایٹمی تباہی کے بارے میں میرے احساس اور میری تشویش کی کہانیاں ہیں''۔ (۱۹)

یہ تینوں افسانے اپنے تسلسل اور ربط کے لحاظ سے ایک دوسرے کی نمائندگی کرتے ہیں۔افسانہ ''حوا کی تلاش'' میں حیدرقریشی اپنے تاریخی، علامتی اور تمثیلی انداز کو یکجا کرتے ہوئے ایٹمی جنگ کے اثرات و واقعات کو موضوع بناتے ہیں۔اس میں افسانہ نگار خود کو ایٹمی جنگ کے متاثرین کے روپ میں پیش کرتے ہوئے دنیا پر ٹوٹ پڑنے والی آفت ناگہانی کی روداد لکھتے ہیں:

''ایٹمی جنگ نے آدم کی نسل کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کر دیا ہے اور اب ابن آدم

ہونے کے ناطے اس وقت مجھے اپنا سب سے پہلا فریضہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو، آدم کی نسل کو اس دھرتی پر قائم رکھا جائے۔ شاید میں اس نئے عہد کا آدم ہوں۔‘‘ (۲۰)

افسانہ ’’حوا کی تلاش‘‘ کا تانا بانا تاریخ کے جھروکوں سے روشنی کی کرنوں کی مانند تمام کہانی پر چھایا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ حیدر قریشی اپنے مخصوص اور منفرد انداز کی بدولت یہاں بھی تاریخی پس منظر کو پیش کرتے ہوئے ایٹمی جنگ کی پیشن گوئیوں کی وضاحت کرتے ہیں:

’’جب زمین کو پوری طرح ہلا دیا جائے گا اور زمین اپنے بوجھ نکال کر پھینک دے گی اور انسان کہہ اُٹھے گا کہ اسے کیا ہو گیا ہے؟‘‘ (۲۱)

’’اور دنیا میں ایک حشر برپا ہو جائے گا اور وہ اول الحشر ہو گا اور تمام بادشاہ آپس میں ایک دوسرے پر چڑھائی کریں گے اور ایسا کشت و خون ہو گا کہ زمین خون سے بھر جائے گی اور ہر ایک بادشاہ کی رعایا بھی آپس میں خوفناک لڑائی لڑے گی۔ ایک عالمگیر تباہی آوے گی ــــــ۔‘‘ (۲۲)

اس بدترین تباہی میں حیدر قریشی امید کی شمع اُٹھائے نئے دنوں کی نوید سناتے ہوئے تہیہ کرتے ہیں:

’’مجھ آدم سے جو نسل چلے گی اسے میں ان صحیفوں کی تعلیمات کے مطابق خود تربیت دوں گا اور میری نسل شیطان کے چنگل میں دوبارہ اس طرح نہیں آئے گی کہ خدا کے عذاب کا شکار ہو جائے‘‘ (۲۳)

حیدر قریشی کے اس پُر امید انداز بیاں کے بارے میں وسیم انجم لکھتے ہیں:

’’مصنف اپنے افسانوں میں جہاں انسانی شعور پیدا کرتے ہوئے امید کا سائباں دکھائی دیتے ہیں وہاں قرآن اور علوم قرآن سے شیفتگی اور زبان و ادبیات کے مطالعے سے انہوں نے اردو افسانہ میں ان علوم کو زندہ کر دیا ہے‘‘۔ (۲۴)

’’حوا کی تلاش‘‘ کی طرح افسانہ ’’کاکروچ‘‘ بھی ایٹمی جنگ کے موضوع پر لکھا گیا ہے لیکن اس افسانے میں حیدر قریشی نے ایٹمی جنگ کے بعد پیدا ہونے والے حالات کو اپنے تخلیقی شعور سے بیان کیا ہے۔ حیدر قریشی لکھتے ہیں:

’’اس کہانی کا آغاز ایٹمی جنگ کے بعد کے انسانوں سے ہوتا ہے میں اور ایک عورت اس جنگ میں معجزانہ طور پر بچ گئے ہیں چنانچہ ہم دونوں مل کر اس زمین پر آدم اور حوا کی نئی کہانی شروع کر دیتے ہیں۔ میں نہ صرف صاحبِ اولاد ہو گیا ہوں بلکہ میری اولاد بھی

صاحبِ اولاد ہوگئی ہے۔۔۔۔۔میرے پوتے، پوتیاں اور نواسے نواسیاں نہیں جانتے کہ انسان کیسی عظیم تر ترقیات کے دور سے نکل کر جنگل اور پتھر کے دور میں آ گیا ہے''۔

(۲۵)

افسانہ ''کاکروچ'' میں حیدر قریشی کا انداز بیان اپنے اندر تخیّلاتی عنصر سموئے آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔حیدر قریشی کہیں بھی بے راہ روی کا شکار نہیں ہوتے اور نہ ہی اعتدال پسندی کا دامن اپنے ہاتھ سے جانے دیتے ہیں۔''کاکروچ'' میں وہ مذہبی تصورات کی بجائے سائنسی نظریات کو پیش کرتے ہوئے اپنے قاری کے لیے ایک نئی سوچ پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔حیدر قریشی کے اس منفرد اور مفکرانہ انداز کے بارے میں ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی رقمطراز ہیں:

''حیدر قریشی کے افسانے میں تجربے کا نقش ہے، مشاہدے کی باریکی ہے، زندگی کے فلسفے کی جھلک ہے اور اشارات و کنایات ہیں۔ساتھ ہی تفہیم کی فکر نمایاں ہے۔بیانات قاری یا سامع کو ایک طرح کی خود اختیاری سچویشن میں لا کر چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ حالات سے اثر کو تلاش کرے''۔ (۲۶)

حیدر قریشی کے افسانوں کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے افسانوں کے ذریعے کہانی کے کینوس کو وسیع تر کرتے چلے جاتے ہیں۔وہ بیسویں صدی میں رونما ہونے والے سنگین واقعات کو اپنے افسانوں کا موضوع بناتے ہیں۔وہ معاشرے میں ہونے والے مکروہات یعنی زناء، اغواء، قتل و غارت، جرائم، حادثات، جنگ، موت اور دوسرے کائناتی انقلابات کو اپنے قاری کے سامنے فکر انگیز انداز میں پیش کرتے ہیں۔ان کہانیوں میں حیدر قریشی کے تجربے اور مشاہدے کی واضح چھاپ ملتی ہے۔وہ اپنے افسانوں میں فلسفیانہ انداز میں مذہبی اور اخلاقی قدروں پر بحث کرتے ہوئے حقیقتوں کو بیان کرتے ہیں۔اسی لیے حیدر قریشی کے افسانوں کے بارے میں ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی لکھتے ہیں:

''حیدر قریشی اپنے افسانوں میں انسانی زندگی کے بیشتر مظاہر کو اپنے اندر جذب کرتے ہیں اسی لیے ان کے ہاں زمینی خوشبو، عصری تازگی، نئے تخلیقی رویہ اور برتاؤ کی توانائی ملتی ہے۔حیدر قریشی اپنے افسانوں میں نئے موضوعاتی پھیلاؤ کے ذائقوں، رنگوں اور پہلوؤں کو سمونے کے فن سے بخوبی واقف ہیں''۔ (۲۷)

حیدر قریشی کے افسانوں کے موضوعات پر بحث کی جائے تو ہر افسانہ اپنے موضوع سے خاص مطابقت کا اظہار کرتا ہے۔وہ اپنے افسانوں میں ہمیں ہماری کھوئی ہوئی تہذیبوں اور روایتوں کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔افسانہ ''میں انتظار کرتا ہوں'' میں حیدر قریشی اپنے قاری کو نئے زمانے میں بڑھتی ہوئی بے راہ روی، رشتوں، ناتوں سے بے پروائی اور تہذیبوں کی پامالی کے بارے میں بتاتے ہیں۔یہی نہیں بلکہ وہ اسلامی تاریخ اور جدید دور کو ایک ترازو میں تولتے ہوئے سنہری دنوں کے انتظار کی کیفیت یوں پیش کرتے ہیں:

''اور میں یہ بھی دیکھتا ہوں کہ بحر ہند کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا پانی، آسمان سے اندھے کنوئیں میں اتر کر اور پھر باہر چھلک جانے والا پانی اور مری ایڑیوں کی رگڑ سے پھوٹ بہنے والے چشمے کا پانی۔۔۔۔۔۔سب مری آنکھوں میں اتر آئے ہیں۔سوتیلے جذبوں سے بھڑکائی ہوئی نفرتوں کی آگ بجھتی جارہی ہے اور اس آگ کے دوسری طرف میرے تمام سوتیلے عزیز حیرت اور خوف سے اس منظر کو دیکھ رہے ہیں۔ میں آگ کے مکمل طور پر بجھنے کا انتظار کرتا ہوں۔میں انتظار کرتا ہوں جب تھوڑی دیر بعد میرے سارے سوتیلے عزیز مجرموں کی طرح مرے سامنے پیش ہوں گے۔'' (۲۸)

افسانہ ''گلاب شہزادے کی کہانی'' حیدرقریشی کے بہترین افسانوں میں شمار ہوتا ہے اس میں ایک طرف حیدرقریشی اپنے مخصوص انداز یعنی داستانوی اور تلمیحی رنگ کو قائم رکھتے ہیں، تو دوسری طرف جدید دور کے انسانوں میں بڑھتے ہوئے رجحانات کو علامتی رنگ میں پیش کرتے ہیں۔''گلاب شہزادے کی کہانی'' دورجدید کے اُن مادہ پرست انسانوں بدترین رویوں کی کہانی ہے جس میں حکمرانی کرنے والے اور دولت کے انبار جمع کرنے والے انسانوں کی ہوسِ زر کبھی نہیں مٹتی حتیٰ کہ وہ اسی دولت کو اکٹھا کرتے ہوئے مرجاتے ہیں۔ایسے ہی ہوسِ زر کے مارے انسان کے انجام کو حیدرقریشی اپنے منفرد اور ڈرامائی انداز میں یوں پیش کرتے ہیں:

''اس کا آدھا جسم باہر پڑا تھا۔سر پانی کے چشمے میں ڈوبا ہوا تھا۔پھیلی ہوئی بانہیں آدھی سے زیادہ چشمے میں اور باقی باہر۔۔۔۔اور لمبے لمبے بال پانی میں لہراتے ہوئے تیر رہے تھے۔ اس کی مردہ آنکھیں بھی پانی کے چشمے کو تیل کا چشمہ سمجھ رہی تھیں۔گلاب کے پودے پر ایک بڑا سا پھول اُگ آیا تھا۔گلاب کے اس پھول کا رنگ غیر معمولی حد تک گہرا سیاہ تھا۔گلاب شہزادے کی کہانی مکمل ہو چکی تھی۔مگر نہ کوئی اسے سنانے والا تھا، نہ سننے والا۔'' (۲۹)

حیدرقریشی کے افسانوں کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے ڈاکٹر فہیم اعظمی لکھتے ہیں:

''حیدرقریشی الہامی قصص، اساطیر، ذاتی اور معاشرتی مسائل کو آپس میں مدغم کر کے ایک ایسا آئینہ تخلیق کرتے ہیں جس میں پیدائش سے موت تک زندگی کا عکس نظر آتا ہے۔ بیشتر کہانیوں میں میجر کردار خود کہانی کار کی ذات ہوتی ہے اور اس طرح حیدرقریشی فلسفیانہ ،مذہبی اور اخلاقی قدروں پر رائے بھی دیتے ہیں تو کسی غیر متعلق یا خارجی خیال آرائی کا احساس نہیں ہوتا، اور سب کچھ کہانی کا حصہ معلوم ہوتا ہے۔'' (۳۰)

حیدرقریشی اپنے افسانوں کے ذریعے دنیا میں ختم ہونے والی مذہبی اور اخلاقی قدروں کو ازسرنو زندہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اُن کے افسانے اپنے اندر دین، دنیا، محبت اور خدا کو ساتھ لے کر مادہ پرست انسانوں کے لیے روشنی کی بشارت دیتے ہیں۔افسانہ ''روشن

نقطہ‘‘میں روشن نقطہ استعارے کے طور پر استعمال ہوا ہے۔اس میں حیدرقریشی محبت کو سمجھنے کے لیے زمان ومکاں کی حقیقتوں میں جھانکنے اور زماں ومکاں کے چار عوالم میں زندگی کے اصل مقصد کو تلاش کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔حیدرقریشی نے افسانے میں کرداروں کے درمیان ہونے والے مکالموں اور زبان و بیان کو اس قدر خوبصورتی اور فنی چابکدستی سے تخلیق کیا ہے کہ حقیقت کا گمان ہوتا ہے۔ان کے افسانے کا پیر سائیں بتاتا ہے:

’’محبت کے چار سفر ہیں۔کامیابی کے لیے یہ سفر ضروری ہیں۔
محبّ سے محبوب کی طرف۔محبوب سے محبّ کی طرف
محبّ سے محبّ کی طرف۔محبوب سے محبوب کی طرف‘‘ (۳۱)

حیدرقریشی محبت کے اس سفر میں دین اور دنیا کو سمجھنے کا درس دیتے ہوئے عوالم الٰہی کو بھی چار حصوں میں تقسیم کرتے ہیں:

’’پہلا عالم، عالم زمان ہے۔یہ ایسا عالم ہے جس کی ابتداء اور انتہا دونوں معلوم ہیں
دوسرا عالم، عالم دہر ہے۔اس عالم کی ابتداء معلوم مگر انتہا نا معلوم ہے
تیسرا عالم، عالم سرمد ہے، اس کی ابتداء بالکل نظر نہیں آتی مگر انتہا سمجھ میں آتی ہے
چوتھا عالم، عالم ازل ہے۔اس کی نہ ابتداء کا پتہ ہے نہ انتہا کی خبر ہے‘‘ (۳۲)

حیدرقریشی اپنے افسانے میں جدید دور کے انسانوں کے مسئلوں کا حل توحیدِ خداوندی پر کامل یقین و ایمان کو سمجھتے ہوئے اُن کی توجہ دین اور خدا کی طرف مبذول کراتے ہیں لیکن ساتھ ہی توحید کو جاننے کی سعی سے گریز کرنے کا بھی مشورہ دیتے ہیں کیونکہ:

’’جو توحید کے بارے میں سوال کرتا ہے، وہ جاہل ہے۔
۔۔۔۔جو کوئی جواب دے کر سمجھانے کی کوشش کرتا ہے، وہ مشرک ہوتا ہے۔۔۔۔اور جو توحید کی معرفت کا دعویٰ کرے وہ ملحد ہے، کیونکہ خدا لامحدود ہے۔اس لیے اس کا عرفان کبھی مکمل ہو ہی نہیں سکتا اور۔۔۔۔۔جو توحید کو نہ سمجھے وہ کافر ہے‘‘۔۔۔(۳۳)

بقول دیویندر اسر:

’’حیدرقریشی کی کہانیاں کائنات، انسان۔خدا۔روح۔ثقافت اور ثقافتی وراثت کے ازلی سوالوں کی کہانیاں ہیں۔ایسی کہانیاں اُردو میں بہت کم لکھی گئی ہیں۔کسی ایک مصنف کے ہاں ایسی ایک دو کہانیاں نظر آجائیں گی لیکن کوئی ایک ہی مصنف ان ازلی سوالوں، نظریات اور حسیات سے جھوجھتا رہے، ایسا کوئی دوسرا کہانی کار میری نظر میں نہیں ہے۔۔۔
حیدرقریشی کی کہانیاں ایک نئی تخلیقی روایت کی شروعات ہیں۔‘‘ (۳۴)

گویا یہ کہا جاسکتا ہے کہ حیدرقریشی جہاں شاعری میں اپنے فن کو مکمل طور پر منوا چکے ہیں وہاں اُن کے افسانے بھی اُردو ادب میں

اپنے منفرد اور جدت وندرت سے بھرپور ہونے کی بناء پر خاص اہمیت کے حامل ہیں۔اسی لیے حیدر قریشی کے تخلیقی اور فنی مہارت کی تعریف کرتے ہوئے ڈاکٹر انور سدید رقم طراز ہیں:

''حیدر قریشی بظاہر ادب کی کئی اصناف میں ایک طویل عرصے سے تخلیقی کام کر رہے ہیں تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ افسانے کے دیار میں قدم رکھتے ہیں تو فطرت اپنے اسرار کی گتھیاں اُن پر بانداز دگر کھولتی ہے۔۔۔اُن کا شمار ساتویں دہے کے اُن افسانہ نگاروں میں کرنا مناسب ہے جو تجریدیت سے معنی کا نیا مدار طلوع کرتے ہیں اور سوچ کو نئی کروٹ دیتے ہیں''۔(۳۵)

ڈاکٹر ذکاءالدین شایان بھی حیدر قریشی کے افسانوں کی یوں تعریف کرتے ہیں:

''حیدر قریشی کے افسانوں کا ۔۔۔مجموعہ۔۔۔۔آج کے نئے افسانے پر ان تمام الزامات کو رد کرتا ہے جس کے تحت جدید افسانے میں بے ربط، منتشر اور مبہم احساسات کو ایسی شاعرانہ زبان میں پیش کرنے کا چلن ہوگیا ہے جو ہذیان گوئی سے قریب تر ہے۔ہمیں ان افسانوں میں مصنف نے اس حقیقی روشنی کی بشارت دی ہے جو ہر عہد میں انسان کو سچا راستہ دکھاتی رہی ہے اور جو آج بھی انسان کے ضمیر کا اجالا بن کر روشن ہے۔'' (۳۶)

بلاشبہ حیدر قریشی کے یہ افسانے اپنے موضوع، اسلوب، لفظیات اور فنکارانہ ہنر کاری کے اعتبار سے اُردو افسانے میں ایک خوشگوار اضافہ ہیں مگر حیدر قریشی کو زبان وبیان اور شعورِ ذات کے ساتھ ساتھ شعورِ کائنات کی اُن کٹھن منزلوں سے گذرنا ہے جو ایک کامیاب افسانہ نگار کو ادبی دنیا میں منفرد مقام ومرتبہ عطا کرتی ہیں۔

حیدرقریشی کا سفرنامہ ''سوئے حجاز'':

سفر نامہ وہ صنف ادب ہے جس میں مصنف اپنے سفر کے دوران میں پیش آنے والے واقعات اور نظر آنے والے مناظر کو مدلل انداز میں بیان کرتا ہے۔شاہد احمد رضوی ''سفر نامہ'' کے بارے میں لکھتے ہیں:

''سفر نامہ ایک بیانیہ صنف ادب ہے۔دوران سفر مصنف جہاں جہاں سے گزرتا ہے، ہر جہاں جہانِ دیگر کا منظر پیش کرتا ہے لیکن اسی دوران میں کچھ مناظر، کچھ یادیں مصنف کے دل میں چپکے سے آ کر بیٹھ جاتی ہیں۔سفر نامہ انہی کیفیتوں کے اظہار کا نام ہے کہ سارا زمانہ رازدار بن جاتا ہے سفر نامے میں عام طور پر مصنف تجزیاتی تاثرات یا جمالیاتی ونفسیاتی انداز میں کہیں کہیں تاریخ ومعاشرت اور رومان کا حوالہ دے کر اسلوب کو دلچسپ بناتا ہے۔''

اُردوادب میں سفرنامہ کی تاریخ تقریباً ڈیڑھ سوسال پرانی ہے۔اس عرصے میں بہت سے سفرنامے لکھے گئے۔''عجائبات فرنگ'' کو اُردو کا پہلا سفرنامہ تسلیم کیا جاتا ہے، جسے یوسف کمبل پوش نے ۱۸۴۷ء میں تحریر کیا۔اس سفرنامے کے بعد اُردوادب میں سفرنامے کی نہ ختم ہونے والی فہرست ملتی ہے جن میں سے اہم سفرناموں کے نام مندرجہ ذیل ہیں مثلاً مولانا محمد جعفرتھانیسری کا''کالاپانی'' ،سرسیداحمد خان کا''مسافران لندن''،شبلی نعمانی کا''سفرنامہ روم ومصروشام''،حافظ عبدالرحمٰن امرتسری کا سفرنامہ''بلاداسلامیہ''،مولانا محمد علی جوہر کا''سفرلندن''،قاضی عبدالغفار کا''نقش فرنگ''،سیدسلیمان ندوی کا''سیرافغانستان''،حکیم سعید کا یورپ نامہ اور ایک مسافر چار ملک'' وغیرہ علمی وادبی اعتبار سے بہت اہم ہیں اور انہی سفرناموں سے اُردوسفرناموں کی تاریخ مرتب ہوتی ہے۔

۱۹۵۰ء کے بعد سفرنامہ نگاری کے اسلوب اور انداز وبیان میں واضح تبدیلی ہونے لگی۔ماضی میں لکھے جانے والے سفرناموں کو زیادہ مقبولیت حاصل نہ ہوسکی لیکن عہد جدید میں اُردوسفرنامے میں جو تبدیلی واقع ہوئی، وہ حیران کن ہونے کے ساتھ ساتھ خوش کن بھی ہے۔ جدید سفرناموں کو غیر معمولی مقبولیت کا حامل بنانے میں ہمارے ان قلم کاروں کا ہاتھ ہے جنہوں نے سفرنامے کو صرف معلوماتی کتابچہ ہی نہیں رہنے دیا بلکہ سفرناموں میں اپنے ذاتی تجربات ومشاہدات کو ادبی اسلوب میں پیش کیا،جس سے سفرناموں میں دلچسپی، تحیر اور شگفتگی کے عناصر درآئے اور سفرنامہ فکروفن کے متنوع اسالیب اور نئے نئے امکانات کا حامل بن گیا۔

جدید سفرنامہ نگاروں نے اپنے سفرناموں کو تمام فنی اور فکری اسلوبیاتی قواعد کو مدنظر رکھتے ہوئے تخلیق کیا۔جدید اُردوسفرنامے میں سب سے پہلا نام محمود نظامی کے سفرنامہ''منظرنامہ'' کو دیا جاسکتا ہے جو کہ ۱۹۵۴ء میں منظرعام پر آیا۔یہ سفرنامہ اپنے تاثرات،مشاہدات اور مباحث کی بناء پر ابتدائی سفرناموں سے جدا محسوس ہوتا ہے۔جدید اُردوسفرنامے کے حوالے سے بیگم اختر ریاض الدین،مستنصر حسین تارڑ،ابن انشاء،جمیل الدین عالی،عطاالحق قاسمی،کرنل محمد خان،اشفاق احمد اور مختار مسعود وغیرہ کے نام زیادہ اہم ہیں۔

اس کے علاوہ اُردوادب میں سرزمین حجاز اور ممالک اسلامیہ کی سیاحت کے حوالے سے سفرناموں کی تعداد دوسرے سفرناموں کی نسبت کہیں زیادہ ہے۔اس کی واحد وجہ مکہ معظّمہ، مدینہ منورہ اور دوسرے مقدس مقامات سے ہماری دلی عقیدت اور گہری محبت ہے۔دنیا کے کونے کونے سے لاکھوں مسلمان ہرسال فریضہ حج کی خاطر نہایت ادب واحترام سے ارض مقدس کا رخ کرتے ہیں۔مسلمانوں کا یہی تعلق خاطر اور دلی لگاؤ جب قلم کی زبان پر آکر الفاظ کی شکل میں صفحہء قرطاس پر سفرنامہ کی صورت میں بکھر جاتا ہے اگرچہ ارض مقدس اور ممالک اسلامیہ کے بے شمار سفرناموں میں سے ایسے سفرناموں کی تعداد بہت کم ہے جو زبان وبیان کے لحاظ سے معیاری اور واقعات کی دلچسپی سے مالامال ہوں۔ان میں سے خواجہ حسن نظامی کا''سفرنامہ حجاز ومصروشام''،مولانا محمود الحسن کا''سفرنامہ حجاز''، پروفیسر الیاس برنی کا ''صراط الحمید''،غلام رسول مہر کا''سفرنامہ حجاز''،نواب بہاول پور کا''حج صادق''، ماہرالقادری کا''کاروان حجاز''،ممتاز مفتی کا''لبیک''، بشریٰ رحمٰن کا''باؤلی بھکارن''،سیدابوالخیر کشفی کا''نامہ جواز'' وغیرہ اہمیت کے حامل ہیں۔

حیدرقریشی نے جہاں اردوادب کی دیگر اصناف شاعری،افسانوں،خاکوں،انشائیوں اور تنقیدی مضامین میں خود کو منوایا ہے وہاں

انہوں نے ایک مختصر سا سفر نامہ بھی تخلیق کیا ہے جو مکہ معظّمہ، مدینہ منورہ اور دوسرے مقدس مقامات کے بارے میں ہے۔حیدر قریشی کے سفر نامے کا نام ''سوئے حجاز'' ہے۔

۹۹ صفحات پر مشتمل اس مختصر سے سفر نامے میں حیدر قریشی نے اپنے سات عمروں کی لحہ بہ لحہ تفصیلات کو لفظوں کی صورت میں اپنے قاری کے سامنے پیش کیا ہے۔عمروں کے علاوہ اس میں مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کے تاریخی اور مقدس مقامات کے بارے میں بھی اپنے تاثرات کا اظہار کیا ہے۔

سفر نامے کے ''ابتدائیہ'' میں حیدر قریشی اس سفر نامے کو تحریر کرنے کی وجہ لکھتے ہیں:

> ''یکم دسمبر ۱۹۹۶ء تک جب مجھے عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے لیے روانہ ہونا تھا، میرا قطعاً کوئی ارادہ نہ تھا کہ میں کوئی سفر نامہ لکھوں گا۔ میں اس سفر کو اپنی ذات اور اپنے احباب تک ہی محدود رکھنا چاہتا تھا لیکن یہ سفر میرے لیے صرف ایک سفر اور مذہبی فریضے کی ادائیگی نہ رہا۔ میں نے اپنے جسم کے ساتھ اپنے دل، اپنے ذہن اور اپنی روح کو پے در پے انوکھے تجربوں سے گزرتے دیکھا۔ میں نے جسمانی سطح پر سفر کرنے کے ساتھ فکری اور روحانی طور پر بھی سفر کیا۔ پھر اس مختلف الجہات سفر کو کسی ایک نقطے پر یک جا ہوتے بھی محسوس کیا۔سو، یہ اسی روحانی تجربے کی شدت تھی جس نے مجھے یہ سفر نامہ لکھنے پر مجبور کر دیا۔''
> (۳۸)

حیدر قریشی نے اپنے سفر کی تمام تفصیلات کو ترتیب سے اپنے سفر نامہ ''سوئے حجاز'' میں پیش کیا ہے۔حیدر قریشی اپنے سفر نامے کے پہلے موضوع ''ارادے سے روانگی تک'' میں اپنے عمرہ کرنے کے ارادے اور مقامات مقدسہ کی زیارت کے بارے میں بتاتے ہیں:

> ''دسمبر ۱۹۹۵ء میں جانے کا ارادہ تھا لیکن اس سے دو ماہ پہلے میرے چھوٹے بھائی اعجاز نے ایک بھاری رقم بطور قرض مانگ لی۔ میں شش و پنج میں تھا، مبارکہ نے کہا ہماری عمرہ کرنے کی نیت پکی تھی۔خدا نیتوں کا حال جانتا ہے۔آپ اپنے چھوٹے بھائی کی ضرورت پوری کر دیں۔۔۔چنانچہ میں نے مبارکہ کے کہنے پر عمل کیا اور اسکی نیت کے مطابق دسمبر ۱۹۹۶ء میں ہمیں عمرہ پر جانے کی سعادت نصیب ہو گئی۔'' (۳۹)

حیدر قریشی کے ارض مقدس کے اس پہلے سفر کی مدت بارہ دن تھی۔۱۴ نومبر ۱۹۹۶ء کو ٹکٹ اور پاسپورٹ لے کر سعودی سفارت خانہ سے ویزہ کے حصول کے لیے روانہ ہوئے لیکن سفارت خانے میں انہیں چند مشکلات کا سامنا کرنا پڑا جو کہ اُن کے سفر کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہو سکتے تھے۔اس واقعے کو حیدر قریشی یوں بیان کرتے ہیں۔

> ''سفارت خانے میں ویزہ کے حصول کے لیے جب کاغذات جمع کرائے تو ایک

دو اڑچنیں بیچ میں آ گئیں۔۔۔۔میاں بیوی کے پاسپورٹوں پر ایک دوسرے کا نام اسی صورت میں لکھا جاتا ہے جب دونوں کے کیس منظور شدہ ہوں۔ میرا پاسپورٹ جب بنا تھا تب مبارکہ کا کیس منظور نہیں ہوا تھا اس لیے میرے پاسپورٹ پر اس کا نام درج نہیں ہو سکا۔ جب مبارکہ کا کیس منظور ہو گیا تب اس کے پاسپورٹ میں اتفاقاً میرا نام درج ہونے سے رہ گیا۔ ہمارے لیے یہ کوئی اہم مسئلہ بھی نہیں تھا۔۔۔۔لیکن سعودی سفارت خانہ والوں کا مسئلہ یہ تھا کہ ہم دونوں کو میاں بیوی کیسے مانا جائے۔۔۔۔(۴۰)

روانگی سے پہلے ایسے واقعات کے علاوہ حیدر قریشی اپنے سفر میں روانہ ہونے کے بعد اپنے دلی جذبات کا بھی موثر انداز میں اظہار کرتے ہیں:

''جہاز اڑنے لگا تو دل کی عجیب سی حالت ہوئی۔ ہوائی سفر کی وجہ سے نہیں بلکہ سفر کے رُخ کی وجہ سے۔ پھر جب (غالباً) پائلٹ نے اُڑان بھرنے کے ساتھ ہی دعائے سفر پڑھنی شروع کی تو اسپیکر سے نشر ہوتی ہوئی اس دعا کے الفاظ نے ایسا اثر کیا گویا میری روح جسم سے الگ ہو کر مگر میرے ساتھ ساتھ پرواز کر رہی ہے۔ مجھ جیسا گناہ گار رب کعبہ کے گھر حاضری دینے جا رہا تھا۔ کہاں میں کہاں وہ مقام اللہ اللہ۔ بے اختیار ہونٹوں سے تسبیح و تحمید ہونے لگی۔'' (۴۱)

دیارِ حرم کے سفرناموں میں ہمیں کثرت سے ایسی کیفیات دکھائی دیتی ہیں جن کا تعلق باطنی وجدان سے ہوتا ہے، آنکھوں میں آنسو، دل میں دعائیں اور زبان پر ''لبیک اللّٰھم لبیک'' کی روح پرور صدائیں، انسان کے احساسات میں تلاطم پیدا کر دیتی ہیں۔ حیدر قریشی کے ''سوئے حجاز'' میں بھی اکثر مقامات پر دلی جذبات کی روح پرور کیفیات کا اظہار ملتا ہے۔ ایسی ہی دل گداز کیفیت کا اظہار کرتے ہوئے پہلے عمرے کے دوران میں حیدر قریشی لکھتے ہیں:

''سعی کے سات چکروں کے دوران مجھے بار بار بی بی حاجرہ کی تڑپ اپنے سینے میں محسوس ہوتی رہی اور اسی حالت میں دل سے دعائیں نکلتی رہیں۔ یہ دعائیں میں نے کی نہیں، یہ تو خود بخود میرے دل سے اُمڈی چلی آ رہی تھیں۔ میرے اندر کے صحرا میں میرے آباؤ اجداد کے آباء و اجداد کے آباء و اجداد کے جدِّ امجد حضرت اسماعیل علیہ السلام کی برکت سے ایک چشمہ پھوٹ پڑا تھا۔ دل کا اور آنکھوں کا رابطہ ہو گیا تھا۔ میرے اندر کے صحرا کی سلگتی ہوئی ریت سیراب ہونے لگی تھی۔'' (۴۲)

اسی طرح حیدر قریشی تیسرے عمرے کے دوران میں سنتِ رسولؐ کی پیروی میں اپنی شریک حیات مبارکہ کا ہاتھ پکڑ کر حطیم میں

داخل ہوئے تو اس موقع پر اپنی ذہنی اور دلی کیفیات کو ان لفظوں میں بیان کرتے ہیں:

''یکا یک مجھ پر منکشف ہوا کہ یہ سامنے والی دیوار تو صرف ظاہری پردہ ہے وگرنہ میں جو حطیم میں بیٹھا ہوا ہوں درحقیقت خانہ کعبہ کے اندر ہی بیٹھا ہوا ہوں۔ عجیب لذت آفریں اسرار تھا کہ میں بیک وقت کعبہ کے اندر بھی تھا اور باہر بھی۔۔۔۔اس انوکھے تجربے نے مجھے احساس دلایا کہ ہمارا باہر بھی ہمارے اندر کا ایک حصہ ہے'' (۴۳) (i)

خواجہ طاہر محمود کوریجہ اپنے مضمون ''حج زیارت کے سفرنامے'' میں دورانِ سفر میں پیدا ہونے والی کیفیات کے بارے میں رقم طراز ہیں:

''یہ سفر مادیت سے روحانیت کی طرف لے جاتا ہے اور یہیں سے ایک ایسے سفر کی ابتداء ہو جاتی ہے جو تلاش ذات، فنافی الذات، فنافی الرسول اور فنافی اللہ کے مراحل سے گزارتا ہوا اسے بقاباللہ کے اعلیٰ مراتب تک پہنچا دیتا ہے اور ہر ہر پل، ہر ہر ساعت اسے روحانی منازل محیر العقول انکشافات اور عرفان حق کے تلذذ اور کیفیت وصال سے واسطہ رہتا ہے'' (۴۳) (ii)

سفر نامہ ''سوئے حجاز'' جہاں حیدر قریشی کے احساسات اور خیالات کی بہترین ترجمانی کرتا ہے، وہاں اپنے قارئین کے لیے نہایت اہم تاریخی اور مذہبی معلومات کا خزینہ بھی ہے۔اس بارے میں چند اقتباسات دیکھئے:

''ہمارے ہوٹل سے قریب ترین مقام ''شبیقہ'' تھا۔ یہ وہ خوف ناک قبرستان ہے جہاں زمانہ جاہلیت میں کفار مکہ اپنے گھر میں بیٹی پیدا ہونے پر ''غیرت'' کا مظاہرہ کرتے تھے۔ بیٹی کو یہیں لاکر زندہ گاڑ دیا کرتے تھے''۔ (۴۴)

''وادی محسر جبل الابابیل کے دامن میں ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں یمن کا بادشاہ ابرہہ اپنے ہاتھی سمیت ہلاک ہو گیا تھا اور اس کا سارا لشکر بھی برباد ہو گیا تھا۔اس جگہ کے بارے میں حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ یہاں خدا کا بہت بڑا عذاب نازل ہوا تھا۔اس لیے یہاں سے تیزی کے ساتھ گذر جانا چاہیے''۔ (۴۵)

''غار حرا سے واپسی پر رستے میں بچوں کا ایک پارک دیکھا۔ یہ پارک اس مقام پر ہے جہاں حضرت عمر فاروقؓ نے عدل سے کام لیتے ہوئے اپنے بیٹے کو شرعی سزا دی تھی۔ بیٹا مقررہ کوڑے پورے ہونے سے پہلے ہلاک ہو گیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس کی لاش پر باقی کوڑوں کی گنتی مکمل کی جائے۔ یوں عدل عمر فاروق کی ایک مثال قائم ہوئی۔ اس جگہ کو میدان العدل بھی کہتے ہیں''۔ (۴۶)

حیدر قریشی نے اپنے سفرنامہ ''سوئے حجاز'' میں جگہ جگہ مختلف پیغمبروں اور نبیوں کے فرمودات، واقعات اور قرآنی حوالے پیش کیے ہیں، جن سے اُن کے وسیع دینی علم کا پتا چلتا ہے۔ اس بات کا اقرار حیدر قریشی خود اپنے پہلے عمرے کی تفصیل لکھتے ہوئے کرتے ہیں:

''اس چھوٹے سے سفر کے دوران مجھے حضرت علیؓ سے لے کر امام ابوحنیفہؒ تک کئی بزرگانِ اُمت کی باتیں یاد آتی رہیں۔ کہیں میری راہنمائی کرنے والی اور کہیں دل کی گرہیں کھولنے والی باتیں۔۔۔'' (۴۷)

حیدر قریشی نے ان مقدس باتوں کو سفر کے دوران میں پیش آنے والے واقعات اور اعمال کے مطابق بیان کیا ہے جس سے سفرنامے میں اُن کی عقیدت اور محبت کا پتا چلتا ہے۔ مثلاً جب انہوں نے حجرِ اسود کو بوسہ دیا تو انہیں بے اختیار حضرت عمرؓ کے یہ الفاظ یاد آنے لگے:

''اے حجر اسود! میرے نزدیک تو صرف ایک پتھر ہے لیکن میں تجھے اس لیے بوسہ دے رہا ہوں کہ میرے آقا حضرت محمدؐ نے تجھے بوسہ دیا تھا۔'' (۴۸)

حیدر قریشی اپنے تیسرے عمرے کے دوران میں ایک سنتِ نبویؐ پر عمل سے پہلے اپنی شریکِ حیات، مبارکہ کو اُس سنت کے بارے میں یوں بتاتے ہیں۔

''ایک بار حضرت عائشہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھنا چاہتی ہیں۔ تب حضور صلعم نے حضرت عائشہؓ کا ہاتھ پکڑا اور انہیں حطیم میں لاتے ہوئے ارشاد فرمایا یہاں نماز پڑھ لیں کیونکہ حطیم بھی کعبہ کا حصہ ہے۔'' (۴۹)

اس کے علاوہ حیدر قریشی دیارِ نبی مدینہ منورہ کے حوالے سے ایک واقعہ بیان کرتے ہیں:

''حضرت بلالؓ اذان دینے کے لیے خانہ کعبہ کی چھت پر چڑھ گئے اور وہاں سے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کرنے لگے کہ ویسے تو کعبہ کی طرف منہ کر کے اذان دی جاتی ہے لیکن میں تو کعبہ کی چھت پر ہوں۔ اب کس طرف منہ کر کے اذان دوں؟ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا! میری طرف منہ کر کے اذان دو۔ چنانچہ حضرت بلالؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے انور کی طرف منہ کر کے اذان دی۔'' (۵۰)

حیدر قریشی نے دورانِ سفر میں اپنے مشاہدات اور تجربات کے ساتھ ساتھ دیارِ حرم کی چھوٹی چھوٹی جزئیات کو بھی مدنظر رکھنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً حیدر قریشی خانہ کعبہ کے بارے میں اپنے گہرے مشاہدے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''موجودہ کعبہ مربع شکل میں ہے جبکہ حضرت ابراہیم والی بنیادوں کے مطابق حطیم کی دیوار دونوں طرف سے تھوڑی سی گولائی میں

ہے۔ یہ دیوار اونچائی میں قدِ آدم سے تھوڑی سی کم ہے۔۔۔حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل نے جب کعبہ کی تعمیر کی تھی تو اسکی اونچائی بھی لگ بھگ اتنی ہی تھی جتنی اب حطیم کی دیوار کی ہے۔'' (۵۱)

اسی طرح حیدر قریشی غلافِ کعبہ کے بارے میں بھی مکمل معلومات فراہم کرتے ہیں جو اس کی خوب صورتی کو اجاگر کرتی محسوس ہوتی ہے:

''کالے غلاف پر کالے حروف کے ابھار سے ہی پورے غلاف پر ہر جگہ کلمہ شریف تحریر تھا۔ لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ۔۔۔لیکن چونکہ یہ تحریر معمولی سے ابھار کے ساتھ تھی اس لیے عام نظر سے دیکھیں تو یہ پتہ نہیں چلتا کہ غلاف کعبہ پر جگہ جگہ کلمہ شریف تحریر ہے۔ اوپر بنیرے سے چند فٹ نیچے، ایک چوڑی سنہری پٹی ہے جو کعبہ کی چاروں دیواروں تک مسلسل تھی۔ اس پٹی میں قرآنی آیات ابھری ہوئی ہیں۔ اس پٹی سے تھوڑا نیچے، ہر دیوار پر دو مستطیل سنہری پٹیاں ہیں اور ان کے دائیں، بائیں اور درمیان میں تین مختصر سی سنہری پٹیاں ہیں جن پر آیات اور بعض صفاتِ باری درج ہیں۔ مختصر سی پٹیوں کو بالی نما خوب صورت ڈیزائن بھی کہا جا سکتا ہے۔ کعبہ شریف کی ہر دیوار کے کونے پر ایک چوکور مربع سنہری پٹی بنی ہوئی ہے جو دونوں منسلک دیواروں کو تھوڑا تھوڑا ٹچ کرتی ہیں۔'' (۵۲)

حیدر قریشی نے ان تمام جزئیات کو پیش کرنے میں ایسا عقیدت بھرا فنکارانہ انداز اپنایا ہے کہ اُن کی بیان کردہ ایک ایک چیز قاری کی آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔

حیدر قریشی نے سفر نامہ ''سوئے حجاز'' میں اپنے گہرے مشاہدات کو استعمال کرتے ہوئے سعودی عربیہ میں عمرہ اور حج کرنے والوں کے لیے جو انتظامات کیے تھے، اُن کو بھی مدنظر رکھا کیونکہ حیدر قریشی ایک محقق اور نقاد بھی ہیں۔ اس لیے سفر نامے میں اکثر جگہوں پر ناقدانہ انداز کو اپنایا ہے جو کہ قاری کے لیے معلومات بہم پہنچانے کا باعث ہے۔ اپنے پہلے عمرے میں حیدر قریشی خانہ کعبہ میں موجود آب زم زم کے کنوئیں کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہیں:

''عمرہ مکمل ہونے کے بعد ہم ''زم زم کا کنواں'' دیکھنے کے لیے نیچے کی طرف گئے۔ انڈر گراؤنڈ حصے میں چھوٹی چھوٹی ٹونٹیاں لگی ہوئی تھیں۔ ساتھ ہی زنجیر سے بندھے ہوئے گلاس رکھے تھے۔ یہ محبت کی زنجیر تھی تا کہ مشترکہ محبت کو کوئی ایک عاشق اپنی ذاتی ملکیت نہ بنا سکے۔ ایک کمرہ میں ایسے لگا کہ چشمہ کا منبع وہاں ہوگا۔ وہاں گئے تو بھاری بھرکم پمپ لگے ہوئے دیکھے۔ پہلے تو خیال آیا کہ مشینوں نے دلوں سے بڑھ کر مذہبی شعائر پر بھی قبضہ کرنا شروع کر دیا ہے لیکن پھر سوچا کہ خانہ کعبہ اور مسجد نبوی میں ہمہ وقت آتے چلے جانے والے لاکھوں پروانوں کو پانی کی فوری اور عمدہ فراہمی کے لیے ایسا کرنا بے حد ضروری تھا۔''

چوتھے عمرے کے دوران میں حرم شریف اور خانہ کعبہ میں صفائی کے بہترین انتظام کی تعریف کرتے ہوئے حیدر قریشی لکھتے ہیں:

''ہم مسجد عائشہ جانے کے لیے حرم شریف سے نکلے تو ہلکی ہلکی بارش ہو چکی تھی۔ مسجد عائشہ پہنچ کر دو نفل پڑھے۔ نیت عمرہ کی اور تلبیہ پڑھتے ہوئے حرم شریف آئے۔ یہاں پہنچنے تک بارش رُک گئی تھی۔ حرم شریف کے باہر اور صحن کعبہ میں بارش کے پانی کو جذب کرنے کے لیے خود کار مشینیں کام کر رہی تھیں۔ دم بھر میں صحن کعبہ کا فرش چمک اُٹھا۔ صفائی کا اتنا بروقت اور عمدہ انتظام دیکھ کر سعودی بادشاہوں کے لیے دل سے دعا نکلی۔'' (۵۴)

''سوئے حجاز'' میں کہیں کہیں حیدر قریشی کا تنقیدی انداز شدید ردعمل بھی ظاہر کرتا ہے۔ مثلاً مکہ کے مقدس مقام جنت المعلیٰ کے بارے میں افسوس اور دکھ کے تاثرات یوں ظاہر کرتے ہیں:

''ثنیقہ سے تھوڑا آگے گئے تو جنت المعلیٰ آ گئی۔۔۔۔ سعودی خاندان نے اُمت مسلمہ کو ''مشرکانہ'' رسومات سے بچانے کے لیے پورے قبرستان پر بلڈوزر چلوا دیا ہے۔ یہاں اب قبرستان نہیں بلکہ رڑا میدان ہے۔۔۔۔ یہاں آپ کسی مزار کی نشاندہی نہیں کر سکتے۔ کوئی پتہ نہیں کہ کون کہاں مدفون ہے۔ اگر قبر کا کچی مٹی کا تعویز بھی نہیں رہنے دینا تو پھر قبر پرستی سے اتنے ڈرنے والے ''موحدین'' کو تدفین کی ضرورت ہی کیا ہے سیدھا سیدھا رام نام ست ہے۔ بولو۔۔۔۔ اور شمشان گھاٹ لے چلو۔ نہ رہے کوئی قبر اور نہ رہے قبر پرستی کا خوف۔ پکے موحد بن جایئے۔ (استغفر اللہ) '' (۵۵)

اسی طرح جب حیدر قریشی کو یہ معلوم ہوا کہ سعودی حکمران اور شہزادے اپنے محلوں ہی میں نماز با جماعت ادا کرتے ہیں تو اس پر بھی اُن کے اندر کا نقاد سعودی حکمرانوں کو یہ مشورہ دینے پر مجبور ہو جاتا ہے:

''سعودی عرب میں ہر دلعزیز شاہی خاندان کو اپنے عوام سے اتنا بھی نہیں گھبرانا چاہیے کہ حرم شریف میں آ کر نماز با جماعت بھی نہ پڑھ سکیں اور اپنی سیاسی ضرورتوں کے چکر میں حرم شریف کے تقدس کو مجروح کرنے لگیں۔ فتویٰ فروشوں کا کیا ہے وہ تو بلا امتیاز ہر فرقہ میں ہر وقت دستیاب ہیں۔ جس طرح کا چاہیں دل پسند فتویٰ مانگ لیں، من پسند استخارہ کرا لیں، حسب منشا خدمات حاضر ہیں۔'' (۵۶)

''سوئے حجاز'' میں حیدر قریشی نے سادہ اور عام فہم اسلوب استعمال کیا ہے۔ مثلاً لکھتے ہیں:

''میں جب کعبہ کی طرف منہ کر کے سجدہ کرتا ہوں تو میرا سجدہ اس عمارت کے لیے نہیں

بلکہ خدا کے حکم کی فرمان برداری کے لیے ہوتا ہے۔آ دم علیہ السلام کو فرشتوں کا سجدہ کرنا بھی
درحقیقت آ دم علیہ السلام کو سجدہ نہیں تھا بلکہ خدا کے حکم کو سجدہ کرنا تھا۔اسی طرح کعبہ کی طرف
منہ کر کے نماز پڑھنا اور سجدہ ریز ہونا ، نہ حقیقتاً بی بی حاجرہ کی قبر کے لیے ہے، نہ حضرت
اسماعیل کی قبر کے لیے ہے اور نہ ہی کسی اور کے لیے۔۔۔۔ یہ تو بس خدا کے حکم کو سجدہ ہے اور
اس کے حکم کی حکمتوں کو کون جان سکتا ہے۔'' (۵۷)

ایک دوسرا تاثر بھی قابل توجہ ہے:

''کل میں نے ہمت کر کے درِ کعبہ کے سامنے دو نفل ادا کر لیے تھے۔ پھر کوشش کی کہ دروازے کی چوکھٹ تک رسائی حاصل کر سکوں لیکن وہاں تو پہلے ہی سے انبوہِ عاشقاں تھا۔ بہت سے لوگ درِ کعبہ کی چوکھٹ سے لپٹے ہوئے، چمٹے ہوئے گریہ وزاری میں مصروف تھے۔'' (۵۸)

حیدر قریشی بنیادی طور پر شاعر ہیں۔اسی لیے اُن کے سفر نامہ ''سوئے حجاز'' میں بھی اُن کا شاعرانہ انداز اور لب ولہجہ جا بجا بکھرا ہوا نظر آ تا ہے۔مثلاً ایک جگہ اپنے تصورات کو ماہیا کی شکل دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''رات وحدت اور کثرت کا جو خیال شدت کے
ساتھ آیا تھا اب کچھ اور سمجھ میں آ نے لگا تھا۔
فاصلے سے کثرت اور قربت سے وحدت آشکار ہوتی ہے:

کثرت کی زبانی ہیں
کعبہ کی دیواریں
وحدت کی نشانی ہیں۔ (۵۹)

یہی انداز حیدر قریشی کے چھٹے عمرے کی تفصیل میں بھی نظر آ تا ہے:

''کثرت نظارا اور فراوانیٔ شوق ۔۔۔حیدرِ بے قرار نے پورے زور کے ساتھ حیدرِ
کرار کے نام کا نعرہ لگایا۔۔۔۔نعرہ حیدری، یا علی!۔۔۔۔ یہ نعرہ مستانہ میں نے من ہی من
میں لگایا تھا اور اس کی گونج بھی میرے دل ہی میں دیر تک ارتعاش پیدا کرتی رہی:

لطف آ گیا جینے میں
نور مناظر کا
جب بھر گیا سینے میں۔'' (۶۰)

سفر نامہ ''سوئے حجاز'' کے آخر میں حیدر قریشی نے خانہ کعبہ سے اپنی عقیدت، محبت اور احترام کو ماہیوں کی صورت میں بیان کیا ہے

جو کہ ''کعبہ شریف سے چند ماہیے'' کے عنوان میں تحریر کیے گئے ہیں۔ان میں سے چند ماہیے مندرجہ ذیل ہیں:

عاشق،محبوب ہوا
کھیل انوکھا تھا
جاذب،مجذوب ہوا
(''سوئے حجاز'' ص نمبر ۹۸)

کس نور کا درشن تھا
سامنا ہوتے ہی
روشن مرا تن من تھا
(''سوئے حجاز'' ص نمبر ۹۸)

پوچھو نہ مزہ ہم سے
پیاس بجھائی تھی
جب بیئر زم زم سے
(''سوئے حجاز، ص نمبر ۹۸)

جو یار سے دور ہوا
عجز، ریا اُس کا
اور ناز غرور ہوا (۶۱)

ماہیوں کے علاوہ حیدر قریشی نے ''سوئے حجاز'' کے آخری صفحے پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی محبت وعقیدت کا اظہار کرتے ہوئے ایک نعت شریف بھی لکھی ہے جو کہ اُن کے شاعرانہ تخیل کی معراج ہے۔نعت شریف کے چند شعر درج ہیں:

اُٹھ کر بیٹھ گئے جب آدھی رات ہوئی
پھر محراب تہجد میں ہر بات ہوئی
روضے کی جالی کے سامنے کیا آیا
سامنے میرے ساری کائنات ہوئی
روح کا صحرا یوں نکھرا کہ چمک اُٹھا

نور محمدؐ کی ایسی برسات ہوئی
کملی والےؐ سے اک نسبت کے صدقے
جیت میں ڈھل گئی جب بھی اپنی مات ہوئی
حیدؔر اپنے ٹوٹے پھوٹے لفظوں سے
نعت کہی تو ہے لیکن کب نعت ہوئی (۶۲)

حیدر قریشی نے ''سوئے حجاز'' میں اپنے سفر کی تمام روداد کے ساتھ ساتھ اپنے مشاہدات وخیالات کا بھی بھرپور اظہار کیا ہے۔جن کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ حیدر قریشی ایک اچھے شاعر، افسانہ نگار، خاکہ نگار اور نقاد ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے اندر ایک اچھے سفر نامہ نگار کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں۔

حیدرقریشی کے انشائیے:

اُردو کی دوسری نثری اصناف یعنی ناول، افسانے اور ڈرامے کی طرح انشائیہ بھی مغرب سے آیا۔اُردو میں انشائیہ ایک نوخیز صنف ِ ادب ہے جس پر طعن وتشنیع کی بہت گرد اڑائی گئی مگر اس کے نقوش پھر بھی دھندلے نہ ہوسکے اور انشائیہ اپنی پوری قوت کے ساتھ شہرت اور مقبولیت کی راہ پر گامزن رہا۔خاطر غزنوی انشائیہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''انشائیہ، انگریزی نثر کی ایک صنف ESSAY کی اُردو صورت ہے۔ لفظ ESSAY فرانسیسی لفظ ESSAI سے انگریزی زبان نے لیا۔ظہیرالدین مدنی اپنے مقالے میں ESSAY کی اصل عربی لفظ السّعی کو بتاتے ہیں۔ان کا خیال ہے کہ صدیوں تک اندلس اور جنوبی فرانس پر عربوں کا سکّہ چلتا رہا۔اسی وجہ سے فرانسیسی زبان میں لاطینی سے بھی زیادہ عربی الفاظ رائج ہیں۔ممکن ہے ESSAI بھی ان میں سے ہو۔کیونکہ دونوں الفاظ کے معنی اور مفہوم کوشش کے ہیں۔آج کل اُردو زبان میں اسی صنف کو انشائیہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔'' (۶۳)

محمد وسیم انجم اپنے مضمون ''حیدرقریشی کے انشائیے'' میں انشائیہ کے بارے میں یوں اظہار خیال کرتے ہیں:

''انشائیہ دراصل مضمون ہی کی ایک قسم ہے، یہ ایسی نثری تحریر ہے جس میں انشائیہ نگار غیر رسمی اور شگفتہ انداز میں اپنا مافی الضمیر قاری تک پہنچاتا ہے۔انشائیے کے لیے ایسے

موضوع کو منتخب کیا جاتا ہے جس میں کوئی نیا پہلو قاری کے سامنے آئے اور وہ اپنے ذہن میں ایک دریچہ سا کھلتا ہوا محسوس کرے۔ اس موضوع کے تمام پہلوؤں کو پیش کرنے کی بجائے صرف ان انوکھے گوشوں کو منتخب کیا جاتا ہے جو قاری کو چند لمحوں کی مسرت بہم پہنچا سکیں۔ علاوہ ازیں اسلوب بیان کی یہ خصوصیت ہونی چاہیے کہ تفصیل و توضیح کی بجائے کم سے کم الفاظ میں مطلب ادا ہو جائے''۔ (۶۴)

اُردو ادب میں انشائیہ نگاری کا باقاعدہ آغاز ڈاکٹر وزیر آغا کے پہلے انشائیوں پر مبنی مجموعہ ''خیال پارے'' سے ہوا جو کہ ۱۹۶۱ء میں شائع ہوا اور اُردو ادب میں یہ پہلا انشائیوں کا مجموعہ بھی کہلاتا ہے۔ اسی لیے ڈاکٹر انور سدید ڈاکٹر وزیر آغا کو صنفِ انشائیہ کا بانی قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''میں ڈاکٹر وزیر آغا کو اُردو انشائیہ کا بانی قرار دیتا ہوں تو اس کی ایک بنیادی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اس صنف کی بنیادی بوطیقا وضع کی ہے۔ اور اس بوطیقا کے مطابق انشائیے تخلیق کیے ہیں، دوسری طرف بات یہ کہ انہوں نے ''پرسنل ایسّے'' کے جس اسلوب کی ترویج و اشاعت کی اس اسلوب میں انشائیہ لکھنے والوں کی ایک جماعت بھی پیدا کی''۔ (۶۵)

انشائیہ کی تحریک کا آغاز ہوا تو پہلے وزیر آغا اس اسلوب کے تنہا انشائیہ نگار تھے۔ پھر انہی کے انداز پر پروفیسر مشتاق قمر اور پروفیسر جمیل آذر نے بھی انشائیے لکھنے شروع کر دیئے۔ بعد میں ڈاکٹر وزیر آغا کے مخصوص انداز میں انشائیہ لکھنے والوں کی تعداد میں آہستہ آہستہ اضافہ ہوتا چلا گیا۔

ان انشائیہ نگاروں کی ایک فہرست پروفیسر جمیل آذر نے اپنے مقالے ''اُردو انشائیہ نگاری کے پچاس سال'' مطبوعہ ''اوراق'' جولائی اگست ۱۹۹۷ء میں شامل کی ہے۔ جن میں حیدر قریشی کا نام بھی شامل ہے۔ (۶۶) اسی طرح ڈاکٹر وزیر آغا نے اپنے مضمون ''اُردو انشائیہ کی کہانی'' میں بھی چند انشائیہ نگاروں کی فہرست پیش کی ہے، جس میں حیدر قریشی کا نام بھی شامل ہے۔

حیدر قریشی اپنے مضمون ''عہد ساز شخصیت'' میں وزیر آغا سے اپنے تلمذ کا اِن لفظوں میں اعتراف کرتے ہیں:

''وزیر آغا نے مجھے انشائیہ کے بارے میں زبانی گفتگو میں بھی سمجھایا، مضامین کے مطالعہ کی طرف بھی لگایا اور پھر انشائیے لکھنے کا شوق پیدا کیا''۔ (۶۷)

حیدر قریشی نے اپنے انشائیوں میں منفرد اور متنوع موضوعات کو سامنے رکھتے ہوئے ایسے انشائیے تخلیق کیے ہیں جن میں اختصار، غیر رسمی طریق کار، شگفتگی، اسلوب اور انکشاف ذات کے منفرد عوامل شامل ہیں۔ ان خصوصیات کے ساتھ ساتھ حیدر قریشی نے اپنے انشائیوں میں بھی اپنے شاعرانہ انداز کو متعارف کرواتے ہوئے ہر انشائیے کے آغاز میں موضوع کے مطابق ایک ایک شعر تحریر کیا ہے جو کہ انشائیے کے تاثر کو مزید اُجاگر کرنے میں مدد دیتا ہے۔

حیدر قریشی نے اپنے انشائیوں میں زندگی کی حقیقتوں کو اُن کی مکمل معنویت کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ انشائیہ ''خاموشی'' میں حیدر قریشی اپنے منفرد اور فکر انگیز انداز میں لکھتے ہیں:

> ''بعض لوگ خاموشی کو شکست کی آواز سمجھتے ہیں ۔ ایسے لوگ تاریخ اور مستقبل سے بے خبر ''حال مست'' ہوتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ خاموشی تو فتح کی پیش خبری ہوتی ہے۔ جب سمندر خاموش ہو یا فضا میں ہوا خاموش ہو تب خاموشی طوفان اور آندھی کی صورت اپنا جلالی روپ دکھاتی ہے۔ سقراط نے زہر پی کر، حسینؑ نے شہید ہو کر اور ابن منصور نے سولی قبول کر کے خاموشی سے صبر کے جو عظیم نمونے دکھائے، بظاہر وہ اُس عہد کے جھوٹوں اور جابروں کے سامنے شکست ہی تھی۔ لیکن در حقیقت ان مظلوموں اور سچوں کی خاموشی ان کی فتح کی پیش خبری تھی جسے آنے والے وقت نے سچ ثابت کیا۔ مظلوموں کی خاموشی کی یہ سچائی ہمیشہ سے قائم ہے۔'' (۶۸)

انشائیہ ''فاصلے، قربتیں'' میں بھی حیدر قریشی زندگی کی اٹل حقیقتوں کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''قربت کا ایک رنگ مرد اور عورت کے تعلق سے عبارت ہے۔ اس قربت کے مختلف مراحل ہیں۔ آخری مرحلے کے اختتام پر فاصلہ وجود میں آ جاتا ہے۔۔۔۔ گویا قربت کی انتہا سے فاصلہ پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح فاصلے کی انتہا قربت کو جنم دیتی ہے۔'' (۶۹)

حیدر قریشی نے اپنے انشائیوں میں موضوعات کے تنوع اور عمومیت کا ہر طرح خیال رکھا ہے۔ انہوں نے خاموشی، نقاب، وگ، بڑھاپے کی حمایت، اطاعت گزاری، اپنا اپنا سچ جیسے عام موضوعات کو انتہائی مہارت سے پیش کیا ہے یہ تمام انشائیے اپنے اندر گہری معنویت سمیٹے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔

موضوعات کے اس تنوع سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ حیدر قریشی محض زندگی کے اہم پہلوؤں کو ہی مدنظر نہیں رکھتے بلکہ غیر اہم پہلوؤں کو بھی اپنے گہرے مشاہدات کے ذریعے شاہکار بنا کر پیش کرتے ہیں۔ حیدر قریشی کے انشائیے ''خاموشی'' کو مدنظر رکھتے ہوئے محمد وسیم انجم یوں تبصرہ کرتے ہیں:

> ''حیدر قریشی نے خاموشی جیسے موضوع پر ایسا دھماکہ خیز انشائیہ لکھ کر خاموشی کے ایسے تارکش جوڑے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر انسان معاشرے میں پھیلنے والی خلفشار سے بچ سکتا ہے۔ یہاں انہوں نے عقل و خرد کے ارتقاء، ایک گھر، ملک اور عالمی سطح پر معاشرتی اور تہذیبی ہنگاموں کی نقاب کشائی بڑی دانش مندی سے کی ہے۔''
>
> (۷۰)

ایک اچھے اور کامیاب انشائیہ نگار کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے انشائیوں میں اپنی ذات کو شامل کرے۔
ڈاکٹر سلام سندیلوی اپنے مضمون ''انشائیہ کا مطالعہ'' میں لکھتے ہیں:

''ایک کامیاب انشائیہ نگار اپنے ذاتی تجربات سے قارئین کو آگاہ کرتا ہے، اس لیے وہ کھل کر اپنے تجربات ان سے بیان کرتا ہے، یہی نہیں بلکہ وہ ان کو اپنے تجربات میں شریک کر لیتا ہے اس لیے انشائیہ کا موضوع ذاتی تجربات کا اظہار ہوتا ہے۔'' (۷۱)

اس نقطہ نظر سے جب ہم حیدر قریشی کے انشائیوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ حیدر قریشی انشائیہ لکھتے ہوئے اپنی ذات کو درمیان میں موجود رکھتے ہوئے اپنے قاری کو اپنے ذاتی تاثرات سے آگاہ کرتے ہیں۔ انشائیہ ''چشمِ تصور'' میں حیدر قریشی اپنی شخصیت کے مختلف گوشوں اور اپنے تاثرات کو پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''میں نے زندگی کا ایک بڑا حصہ فلمیں دیکھے بغیر بسر کیا ہے تاہم اس زمانے میں، میں نے بے شمار گیت سنے تھے۔ پھر جب میں نے فلمیں دیکھنا شروع کیں تو اپنے پسندیدہ گیتوں میں سے کسی بھی گیت کی پکچرائزیشن مجھے اچھی نہیں لگی۔ دراصل گیت سنتے ہوئے ہمارے تصور کی آنکھ وا ہوتی ہے اور وہ اس گیت پر اپنی مرضی کا سین فلم بند کرتی ہے۔ ایسے سین میں جو بے پناہ معنویت ہوتی ہے ہماری چشمِ تصور کا کمال ہوتی ہے''۔ (۷۲)

حیدر قریشی اپنے اکثر انشائیے اُن موضوعات پر لکھتے ہیں جو اُن کے ذہنی، فکری اور جذباتی ردِ عمل کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا ہر انشائیہ ان کے شخصی تجربے اور مشاہدے کا حامل نظر آتا ہے۔ وہ اپنے دلچسپ اور انوکھے تجربے میں قاری کو شریک ہی نہیں کرتے بلکہ ہم نوا اور ہم خیال بھی بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ انشائیہ ''خاموشی'' میں اپنے ذاتی تجربات اور احساسات کو یوں بیان کرتے ہیں:

''آواز کی دلکشی بھی خاموشی کے پس منظر کی محتاج ہے۔ ہوٹلوں اور بازاروں میں پوری آواز کے ساتھ نشر کیے جانے والے گیت سر میں درد پیدا کر دیتے ہیں جبکہ وہی گیت آپ رات کو مکمل خاموشی کے پس منظر میں مدھم آواز سے سنیں تو آپ خود بھی ان گیتوں کے سروں کے ساتھ جیسے بہتے چلے جائیں گے۔ سرگوشی اور دھیمی گفتگو آواز کے خاموشی کی طرف جھکاؤ کے مظہر ہیں۔ چنانچہ آپ دیکھیں کہ آوازوں میں جو لطف سرگوشی اور دھیمی گفتگو میں ہے وہ بلند لہجے کی آواز میں نہیں ہے۔'' (۷۳)

انشائیہ ''اطاعت گزاری'' میں بھی حیدر قریشی اپنے ذاتی تجربات اور تاثرات کا اظہار ان لفظوں میں کرتے ہیں:

''تجریدی تصویر کی اطاعت گزاری بھی تہ در تہ نتائج (معانی) کی حامل ہے۔ آپ نے بڑے افسر کی اطاعت کی تو اس کے منظورِ نظر بن گئے۔ بڑے افسر کے منظورِ نظر بنتے ہی

ماتحت عملہ کے اطاعت گزاروں کی ایک فوج آپ کے زیرنگیں آ گئی۔ گویا افسروں کی اطاعت کرنے والوں کو بھی ایک افسری نصیب ہو جاتی ہے۔ آمروں کی اطاعت کرنے والوں کواسی طرح ایک قسم کی آمریت مل جاتی ہے۔ یہ سلسلہ اوپر سے نیچے اور نیچے تک مسلسل جاری وساری رہتا ہے۔'' (۷۴)

ایک انشائیہ میں ''میں'' یعنی واحد متکلم کی موجودگی اس کی انفرادیت کا باعث ہوتی ہے کیونکہ یہاں ''میں'' سے مراد خود انشائیہ نگار کی شخصیت ہوتی ہے۔ بعض ناقدین اس ''میں'' کو خود کلامی سمجھتے ہیں لیکن اگر غور کیا جائے تو اس ''میں'' کے ذریعے انشائیہ نگار اپنے قاری کے سامنے ایک کردار بن کر جلوہ نما ہوتا ہے اور اس کا مخاطب قاری ہوتا ہے۔ اس ''میں'' کے ذریعے انشائیہ نگار اپنے قاری کو اس طرح کہانی سناتا نظر آتا ہے جیسے وہ اس کا بہترین اور بے تکلف دوست ہو۔ حیدر قریشی بھی اپنے انشائیوں میں اپنی ''میں'' کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے قاری سے گفتگو کرتے ہیں۔ حیدر قریشی کا یہ انداز اپنے قاری کو شریک گفتگو کرتے ہوئے اپنی کہانی بیان کرنے جیسا معلوم ہوتا ہے جیسے انشائیہ ''وگ'' میں حیدر قریشی اپنی دیرینہ خواہش کا اظہار کرتے ہوئے بتاتے ہیں:

''جب سے میں نے ہوش سنبھالا تب سے ہی دیکھا کہ اباجی کے سر پر بال نہیں تھے۔ بچپن سے ہی میری شدید خواہش رہی کہ اباجی کے سر پر بال سجے ہوئے دیکھوں۔ اس کی دو ممکنہ صورتیں تھیں یا تو کوئی ایسی دوا مل جائے جس سے بال دوبارہ اُگ آئیں یا پھر وِگ سجالی جائے۔ تب وِگ خریدنے کے وسائل میسر نہیں تھے، پھر بھی میں نے ایک بار اباجی سے اپنی خواہش کا اظہار کیا تو وہ مسکرا کر رہ گئے۔'' (۷۵)

اسی طرح انشائیہ ''تجربہ کاری'' میں بھی حیدر قریشی کا انداز بالکل ایسا ہے جیسے وہ اپنے ماضی کی داستان بیان کر رہے ہوں:

''میں ابتدا میں کسی معصوم بچے کی طرح سادہ تھا۔ جس سے محبت اور خلوص کا اظہار کرتا اس سے سچ مچ محبت اور خلوص کا رشتہ محسوس ہوتا۔ رفتہ رفتہ دوسروں کے رویوں سے مجھے احساس ہونے لگا کہ میں کسی ''پینڈو'' کی طرح کسی بہت بڑی آبادی والے شہر کی پر ہجوم ٹریفک میں گھر گیا ہوں۔۔۔'' (۷۶)

حیدر قریشی نے اپنے انشائیوں کے ذریعے معاشرے کے ناہموار اور کمزور پہلوؤں کو بھی اپنا موضوع بنایا ہے۔ وہ کسی ناصح یا مصلح کی طرح پرزور تقریریں یا مدلل انداز میں اپنے قاری کو نصیحت نہیں کرتے بلکہ اپنے غیر رسمی اور بے تکلف انداز بیاں سے معاشرے کے تلخ حقائق کو اس خوبصورتی سے پیش کرتے ہیں کہ قاری کو کسی طنز کا بھی احساس نہیں ہوتا اور وہ ایک نئی سوچ کے پیش نظر اصل حقیقت تک بھی رسائی حاصل کر لیتا ہے۔ انشائیہ ''نقاب'' میں حیدر قریشی لکھتے ہیں:

''ڈپلومیسی کا نقاب آج کل بہت عام ہے۔ عام زندگی سے لے کر بین الاقوامی سطح تک

ہر شعبہ حیات میں اس نقاب کو بے حد پسند کیا جارہا ہے۔ اس کے رواج سے پرتکلف اخلاقیات کا فروغ ہورہا ہے۔ بعض سرپھرے اسے منافقت قرار دیتے ہیں لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔۔۔۔نقصان سرپھروں کا ہی ہوتا ہے''۔

(۷۷)

انشائیہ ''اپنا اپنا سچ'' میں بھی حیدر قریشی معاشرے کے تلخ حقائق کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''دنیا میں ہر گروہ اور ہر شخص اپنی اپنی جگہ خود کو سچا سمجھتا ہے۔ ایسا سمجھنے میں کوئی حرج نہیں۔ خرابی وہاں پیدا ہوتی ہے جب اپنی سچائی کا اعلان کرنے والا ساتھ ہی دوسروں کو جھوٹا بھی قرار دے دیتا ہے۔ ہر شعبہ حیات میں ہر گروہ اپنے حق بجانب ہونے کے دلائل بھی رکھتا ہے اور دوسروں کو جھوٹا بھی پیش کرتا ہے''۔ (۷۸)

حیدر قریشی کے انشائیے زندگی کے تلخ حقائق کے ساتھ ساتھ فلسفیانہ رنگ لیے ہوئے بھی محسوس ہوتے ہیں۔ حیدر قریشی اپنے موضوعات کو دنیاوی نقطہ نظر سے دیکھتے ہوئے اس کے محاسن و محائب پر بھی نظر ڈالتے ہیں۔ ڈاکٹر سلام سندیلوی، انشائیہ میں موجود فلسفہ پر اپنی رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''انشائیہ میں صرف فلسفہ ہی داخل نہیں ہوا ہے بلکہ اس میں اخلاقی قدریں بھی شامل ہو گئی ہیں۔ مختلف انشائیہ نگاروں نے اپنے انشائیہ کے ذریعے انسان کے اخلاق کو بلند کرنے کی کوشش کی ہے، اس طرح انشائیہ میں افادی اور مقصدی رنگ شامل کر دیا گیا۔'' (۷۹)

حیدر قریشی نے بھی اپنے انشائیوں میں اس فلسفیانہ انداز کو برتا ہے۔ مثلاً انشائیہ ''نقاب'' میں رقم طراز ہیں:

''انسانی جسم بھی ایک نقاب ہے جسے روح نے اوڑھ رکھا ہے۔ روح جسم سے نکل کر فنا نہیں ہوتی بلکہ موت کا نقاب اوڑھ کر اس کی زندگی بن کے دھڑکنے لگتی ہے۔ زمانے کی ماہیت پر سنجیدگی سے غور کریں تو ماضی سے مستقبل تک زمانہ نقاب اوڑھے نظر آتا ہے۔ مستقبل کے پورے مگر باریک نقاب میں سے ہر لحظہ جھانکتا ہوا ''حال'' پلک جھپکتے ہی ماضی کے آدھے نقاب کی اوٹ میں چلا جاتا ہے اور ہم اس لمحے کو چھونے کی پوری طرح دیکھنے کی خواہش دل میں ہی لیے رہ جاتے ہیں۔'' (۸۰)

انشائیہ ''بڑھاپے کی حمایت میں'' حیدر قریشی کا یہ انداز یوں جلوہ دکھاتا ہے:

''انسان بچپن میں ضدی ہوتا ہے اور جوانی میں باغی، لیکن بڑھاپے میں ضد اور بغاوت دونوں سے دامن چھڑا کر خود سپردگی اور راضی بہ رضا کے صوفیانہ مقام پر فائز ہو جاتا ہے۔

اولاد جتنی گستاخ، بے ادب اور بے پرواہ ہوگی۔انسان اس صوفیانہ مقام میں اتنا ہی ترقی کرتا جائے گا اور آخر کار اس مقام لاہوت تک جا پہنچے گا جہاں سے واپسی ناممکن ہوتی ہے۔‘‘ (۸۱)

حیدر قریشی کے انشائیوں میں شاعرانہ تخیل کے بھی کچھ اثرات ملتے ہیں۔اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ حیدر قریشی بنیادی طور پر شاعر ہیں۔اس لیے اگر شاعرانہ حسن بیاں حیدر قریشی کے انشائیوں میں نظر آتا ہے تو وہ فطری بات ہے۔انشائیہ ’’وگ‘‘ میں حیدر قریشی کا شاعرانہ انداز بیان کچھ یوں نظر آتا ہے:

’’سیاہ رات اس دنیائے موجود کے سر پر زُلف دراز والی وگ ہے۔آسمان پر چمکتے ہوئے ستارے اس زلف پر گرے ہوئے شبنمی موتی ہیں، کہکشاں اس کی مانگ میں بھری ہوئی افشاں ہے اور چاند ایک خوبصورت سنہری کلپ۔یہ دنیائے موجود رات بھر کسی محبوبہ دلنواز کی طرح اپنی زلفوں کی مہک بکھیرتی ہے۔۔۔‘‘ (۸۲)

محمد وسیم انجم حیدر قریشی کے انشائیوں میں موجود شاعرانہ رنگ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’حیدر قریشی کے انشائیوں میں ذاتی مشاہدات اور تاثرات نمایاں ہیں اور ان کے اسلوب میں شعریت کا عنصر غالب ہے جس کی لطافت اور تہذیب الفاظ کا معیار فنی تقاضوں کے عین مطابق ہے۔‘‘ (۸۳)

حیدر قریشی کے انشائیوں میں اُن کی فکر وفن سے بھر پور انفرادیت اپنی تمام تر جدت وندرت لیے موجود ہے۔وہ اپنے انشائیوں میں زندگی کے نئے پہلوؤں کو بڑی کامیابی سے سامنے لاتے ہیں۔اسی لیے محمد وسیم انجم حیدر قریشی کے انشائیوں کی تعریف کرتے ہوئے اظہار رائے کرتے ہیں:

’’حیدر قریشی کے انشائیے انفرادی اسلوبی خوبیوں سے مالا مال ہیں جن میں بے ساختہ شگفتگی اور سادگی قاری کو اپنا ہم سفر بنا کر ساتھ لیے رواں دواں رکھتی ہے اور قاری انشائیہ نگار کی فکری صلاحیتوں کا معترف ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔‘‘ (۸۴)

مختصر یہ کہ حیدر قریشی کے انشائیوں میں مستقبل کے ایک کامیاب انشائیہ نگار کی جھلک صاف نظر آتی ہے۔کاش ایسا ہو کہ حیدر قریشی ادب کے بہت سارے شعبوں میں جانکاہی کرنے کی بجائے صنفِ انشائیہ پر پُر خلوص توجہ اور ریاضت کا جوہر آزمائیں تو انشائیے کے میدان میں ایک مقامِ فضیلت اُن کا مقدر بن سکتا ہے۔

حیدر قریشی بحیثیت خاکہ نگار

''میری محبتیں'':

خاکہ نگاری کی صنف اُردو میں زیادہ قدیم نہیں ہے۔ خاکوں کا بیشتر سرمایہ بیسویں صدی کی پیداوار ہے۔ خاکہ فارسی زبان کا اسم مذکر ہے۔ اس کے معنی اس نقشہ کے ہیں جو حدود کی لکیریں کھینچ کر بنایا جاتا ہے۔

اُردو میں ''خاکہ'' انگریزی کے اسکیچ (Sketch) کے مترادف ہے۔ آکسفورڈ انگلش ڈکشنری میں اس کے یہ معنی دیے گئے ہیں:

" A brief account, description or narrative,
giving the main or important facts, incidents etc,
and not going into details." (۸۵)

اصطلاح میں خاکے سے مراد ایسا مختصر مضمون ہے جس میں کسی شخصیت کا ہلکا پھلکا تعارف کرایا جائے۔ خاکہ نگاری کے فن میں چند باتوں کا خیال رکھا جاتا ہے۔ اول خاکہ نگاری کے لیے یہ ضروری ہے کہ خاکہ نگار اور زیرِ بحث شخصیت میں قریبی تعلق ہوتا کہ وہ اپنی ذاتی رائے کا اظہار کرتے ہوئے بہترین خاکہ لکھ سکے کیونکہ خاکہ نگاری میں زیرِ موضوع شخصیت کا گہرا مطالعہ بھی ذاتی تعلق اور مشاہدے کا نعم البدل نہیں ہو سکتا اسی لیے ڈاکٹر جمیل جالبی خاکہ نگاری میں مصنف اور موضوع کے تعلق کو اہم قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''خاکہ ایسی صنفِ ادب ہے۔۔۔ جس میں کسی ایسے انسان کے خدوخال پیش کیے جائیں، کسی ایسی شخصیت کے نقوش ابھارے جائیں جس سے لکھنے والا خلوت اور جلوت میں ملا ہو اس کی عظمتوں اور لغزشوں سے واقف ہوا ہو۔۔۔ (۸۶)

ایک اچھے خاکے کی سب سے اہم اور بنیادی خوبی ''اختصار'' ہے۔ خاکہ میں کسی شخصیت کی مفصل سوانح بیان نہیں کی جاتی بلکہ اس میں خاکہ نگار زیرِ موضوع شخصیت کے نمایاں خدوخال پر نظر رکھتے ہوئے ایسی باتیں منتخب کرتا ہے جو اس کی انفرادیت کو اجاگر کر سکیں۔ خاکہ نگار اپنی ذہانت اور علم کی بنیاد پر زیرِ موضوع شخصیت کے بارے میں اپنا واضح تاثر بیان کرتا ہے جو اس کی شخصیت کا خاصہ ہوتا ہے اس کے علاوہ خاکہ نگار کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ موضوع شخصیت کے نمایاں ترین پہلوؤں کو اجاگر کرنے کے لیے واقعات کے انتخاب کا سلیقہ رکھتا ہو۔ جس سے اُس کے محض ظاہری خدوخال ہی نہیں بلکہ باطن بھی منظرِ عام پر آجائے۔ خاکہ نگاری میں واقعات کے انتخاب کی خصوصیت کی طرف یحییٰ امجد یوں توجہ دلاتے ہیں:

''خاکہ ایک تخلیقی صنفِ ادب ہے جس میں زندہ شخصیت، گوشت پوست کا بدن لیے، علمیت کی بھاری بھرکم عباؤں کو دم بھر کے لیے اُتار کر، روزمرہ کے لباس میں نظر آتی ہیں اور ہم انہیں ویسا دیکھتے ہیں جیسا وہ سچ مچ تھے نہ کہ جیسا ظاہر کرتے تھے''۔ (۸۷)

پھر سب سے بڑھ کر خاکہ نگاری کا اسلوب بیان ہے جو کسی تحریر کو ادب پارہ بناتا ہے۔ اسلوب بیان عمدہ نہ ہو تو تحریر کی باقی ساری خصوصیات بھی بے معنی ہو جاتی ہیں۔ موثر اسلوب کسی ادیب اور نثر نگار کی کامیابی کی ضمانت ہوتا ہے۔ اس طرح خاکہ نگار کو الفاظ کے

استعمال میں احتیاط سے کام لینا پڑتا ہے کیونکہ اسے کم سے کم الفاظ میں شخصیت کے اہم خدوخال نمایاں کرنے ہوتے ہیں۔ مختصر یہ کہ خاکہ نگار کیمرے کی آنکھ سے دیکھتا ہے اور مصور کے قلم سے تحریر کرتا ہے۔ وہ شخصیات کے اہم پہلوؤں کو ایسے ربط سے ہمارے سامنے لاتا ہے کہ قاری ان شخصیات کو اپنے سامنے چلتا پھرتا محسوس کرتا ہے۔ خاکے میں نہ صرف کسی شخصیت کی خوبیوں کو منظر عام پر لایا جاتا ہے بلکہ اس کی خامیوں کو بھی بے نقاب کیا جاتا ہے خاکہ نگاری میں انہی تنقیدی نظریات کی بناء پر مولوی عبدالحق لکھتے ہیں:

''انسان کا بہترین مطالعہ انسان ہے''۔ (۸۸)

اُردو میں خاکہ نگاری کے آغاز وارتقاء کا جائزہ لیا جائے تو محمد حسین آزاد کی کتاب ''آب حیات'' کو اُردو خاکہ نگاری کی تاریخ میں نقش اول کا اعزاز حاصل ہے۔ یہ پہلی کتاب تھی جس میں خاکوں کا تصور پیش کیا گیا اور اس کی عملی مثالیں دی گئیں۔ محمد حسین آزاد کے بعد مرزا فرحت اللہ بیگ کے خاکوں پر نظریں جا ٹھہرتی ہیں۔ ''ڈپٹی نذیر احمد کی کہانی'' اور ''ایک وصیت کی تعمیل'' ان کے شاہکار خاکے قرار دیئے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ مولوی عبدالحق کی ''چند ہم عصر''، رشید احمد صدیقی کے خاکے ''گنج ہائے گراں مایہ''، منٹو کے مجموعے ''گنجے فرشتے'' اور شاہد احمد دہلوی کے خاکے ''دِلّی کا ایک دور اور گنجینہ گوہر'' وغیرہ کو فن خاکہ نگاری میں خاص اہمیت کا حامل تصور کیا جاتا ہے۔

موجودہ دور میں خاکہ نگاروں کے وسیع ہجوم میں عصمت چغتائی، اشرف صبوحی اور شاہد احمد دہلوی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ (۸۹)

اس لیے اُردو میں اچھے خاکہ نگاروں کی کم تعداد پر خاور اعجاز تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''خاکہ لکھنا ایک مشکل فن ہے۔ خاکہ نگار حضرات جانتے ہیں کہ ایک اچھا خاکہ تخلیق کرتے ہوئے انہیں کس پل صراط سے گزرنا پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو میں عمدہ خاکہ نگاروں کی فہرست میں گنتی کے چند نام ہی شامل ہیں اور میری ذاتی رائے میں یہ گنتی بھی **Double Figure** کو چھوتے ہوئے شرما جاتی ہے۔ بہت سے ایسے حضرات جن میں عمدہ خاکہ نگاری کی خصوصیت موجود نہیں، انہوں نے پل صراط سے گزرنے ک بجائے کشتیوں کو جوڑ کر ایک ہنگامی پل بنایا اور گزر گئے۔ بعض نہیں بھی گزر سکے اور کسی کشتی کے ڈوب جانے کے سبب آدھے راستے سے واپس ہو گئے۔''(۹۰)

حیدر قریشی نے بھی اپنی ہمہ جہت تخلیقی صلاحیت کو بروئے کار لاتے ہوئے جہاں اُردو ادب کی دوسری کئی اصناف میں اپنی مہارت کو منوایا ہے، وہاں وہ فن خاکہ نگاری میں خود کو اُجاگر کرنے میں کوشاں نظر آتے ہیں:

''میری محبتیں'' حیدر قریشی کی خاکہ نما یادوں پر مبنی تخلیق ہے۔ ۱۹۹۸ء میں معیار پبلی کیشنز، دہلی کے تعاون سے منظر عام پر آئی۔ اشفاق احمد، حیدر قریشی کی اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ولایتی زبانوں میں ایسے سکیچ اپنے اپنے انداز میں بہت ملتے ہیں لیکن اُردو میں

’’میری محبتیں‘‘اپنی نوعیت کی واحد کتاب ہے‘‘۔

(۹۱)

حیدر قریشی نے خاکوں پر مشتمل اس کتاب ’’میری محبتیں‘‘ کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ انہوں نے پہلے حصہ کو ’اول خویش‘ کا نام دیا ہے یہ حصہ عزیزوں اور رشتہ داروں کے بارے میں ہے اور دوسرا حصہ جو ’’بعد درویش‘‘ کے نام سے ہے، ادبی اور قریبی دوستوں اور بزرگوں کے خاکوں پر مشتمل ہے۔

حیدر قریشی نے اپنے ہر خاکے میں زیر موضوع شخصیت کی نمایاں خوبیوں کو پیش کیا ہے اور اس کے علاوہ اپنا ایک ایک موزوں شعر بھی شخصیات کے نام کیا ہے۔ خاکوں میں حیدر قریشی کی یہ منفرد جدت ان کے تنقیدی شعور کو نمایاں کرتی ہے۔

’’میری محبتیں‘‘ میں خاکوں کی اس جداگانہ اور انوکھی تقسیم کے بارے میں طاہر مجید اپنی رائے کا یوں اظہار کرتے ہیں:

’’حیدر قریشی نے لفظوں سے بیس مختلف پورٹریٹ بنائے ہیں۔ ان میں نصف کا تعلق جسمانی رشتوں سے ہے اور باقی نصف کا معاملہ اس کے روحانی رشتوں تک جا پہنچتا ہے۔ روحانی رشتوں سے میری مراد ان شاعروں، ادیبوں اور ایسے لوگوں سے ہے جو کسی نہ کسی طور اس کی روح سے سابقہ رکھتے ہیں مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ اس نے ان خاکوں اور یادوں میں اس توازن کو برقرار رکھا ہے جو اس کی محبتوں کا حسن ہے‘‘۔ (۹۲)

’’میری محبتیں‘‘ کی روشنی میں حیدر قریشی کے خاکوں کا تجزیہ کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ یہ خاکے اپنے اندر یادوں کا خزانہ لیے ہوئے ہیں۔ خاکہ نگاری کے فن میں یہ انداز بالکل جدا اور انفرادیت لیے ہوئے محسوس ہوتا ہے۔ حیدر قریشی کے اس منفرد انداز کی طرف خاور اعجاز یوں اشارہ کرتے ہیں:

’’حیدر قریشی نے اپنی کتاب میں شامل مضامین کو خاکے ضرور کہا ہے لیکن اُن کے ساتھ لفظ ’’یادیں‘‘ بریکٹ کر کے اپنی کشتی کو ڈوبنے سے بچا لیا ہے۔ دوسرے انہوں نے کتاب کا نام ’’میری محبتیں‘‘ رکھ کر خاکے کی مضر پہلوؤں سے بھی دامن محفوظ کر لیا ہے۔‘‘ (۹۳)

خاکہ نگاری کا فن اس امر کا متقاضی ہے کہ خاکہ نگار اور زیر موضوع شخصیت میں قریبی تعلق ہو۔ حیدر قریشی کے خاکوں کی دلکشی اور جاذبیت کی ایک بڑی وجہ یہی ہے کہ وہ اپنی زیر موضوع شخصیت سے قریبی اور دوستانہ تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً ان کے ابا جی، امی جی، دادا جی، نانا جی اور تایا جی وغیرہ جیسے بزرگوں کے خاکوں کے ساتھ ساتھ سعید شباب، محمد اعجاز اکبر، طاہر احمد اور غلام جیلانی اصغر جیسے دوست اور فیض احمد فیض، مرزا ادیب اور ڈاکٹر وزیر آغا جیسے باصلاحیت اور عظیم لوگوں کے خاکے بھی شامل ہیں۔

حیدر قریشی کے خاکوں کی بڑی پہچان یہی ہے کہ انہوں نے اپنی قریبی شخصیتوں پر خاکے لکھے اور اس اعتماد اور یقین سے بالا بالا ہر شخصیت کے بارے میں تفصیلات بہم پہنچاتے چلے جاتےہیں۔ اس اندازِ بیان کے بارے میں خاور اعجاز رقم طراز ہیں:

''پہلے حصے کے خاکوں میں ایک بے تکلفی اور قربت کے احساس کے علاوہ ایک جذباتی وابستگی پائی جاتی ہے جو قرابت داریوں میں ہوتی ہے'' (۹۴)

فن خاکہ نگاری میں زیر موضوع شخصیت کے سراپا کو تیز مشاہدے سے سپردِ قلم کرنے کی صلاحیت بہت اہمیت رکھتی ہے۔ اپنے ابا جی کو ''برگد کا پیڑ'' کا خطاب دیتے ہوئے حیدر قریشی ان کے سراپے کو بے حد سادگی سے بیان کرتے ہیں:

''ابا جی وضع دار انسان تھے۔ روایات سے محبت رکھتے تھے مگر زمانے کے ارتقاء کی سچائی کو مانتے تھے۔ ۱۹۶۰ء تک پھندنے والی رومی ٹوپی پہنتے رہے۔ اس ٹوپی کو ترکی ٹوپی بھی کہتے تھے۔ پھر کلاہ کے ساتھ لنگی باندھنی شروع کی اور جناح کیپ بھی استعمال کرتے رہے''۔ (۹۵)

اسی طرح اپنی امی جی کے خاکے ''مائے نی میں کینوں آکھاں'' میں اپنے تاثرات کو بیان کرتے ہوئے ان کی شخصیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

''امی جی کا چہرہ کتابی اور گول چہرے کے بین بین تھا۔ چنانچہ بیچ میں آنے والی میری ساری محبتیں بھی کتابی چہرے والی تھیں۔ اپنی بیوی سے میری گہری دوستی کی وجہ شاید یہی ہے کہ امی جی کی بھتیجی ہونے کے ساتھ امی جی سے کافی مشابہت بھی رکھتی ہے''۔ (۹۶)

خاکہ نگاری میں سراپے کی اہمیت بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر سید محمد عارف لکھتے ہیں:

''متحرک تصویروں کو دیکھنے کے لیے وی سی آر اور ٹیلی ویژن کی محتاجی سامنے آتی ہے جب کہ ''خاکہ'' ایک ماہر قلم کار کی بنائی ہوئی قلمی تصویر ہوتی ہے جو اپنے قارئین کو بہت کچھ بتا دیتی ہے اس کی صورت، سیرت، عادات و اخلاق، خوبیاں اور خامیاں سبھی کچھ۔ اور پھر نہ فوٹو کا انجماد اور نہ مشینوں کا کھڑاک۔۔۔ کتاب اٹھائی اور آپ اپنی محبوب شخصیت کے ساتھ وقت گزارنے لگے''۔ (۹۷)

حیدر قریشی نے اپنے تخلیق کردہ خاکوں میں زیر موضوع شخصیات کی خوبیوں کو انتہائی اختصار اور سادگی سے بیان کیا ہے کہ شخصیت کی واضح خوبیاں اپنے تمام تر پہلوؤں کے ساتھ اُجاگر ہو جاتی ہیں۔ اپنی والدہ صاحبہ کی سادہ مزاج طبعیت کو بیان کرتے ہوئے حیدر قریشی لکھتے ہیں:

''ہمارے معاشرے میں لگائی بجھائی کرنے والے ''پھاپھے کٹنی'' قسم کے کردار جا بجا نظر آتے ہیں۔ ہمارے عزیزوں میں بھی بعض ایسی خواتین موجود ہیں۔ امی جی کی حالت یہ تھی کہ فساد کرانا تو ایک طرف، کوئی فساد کرنا چاہتا تو اس سے بھی کوسوں دور بھاگتیں۔ کوئی آ کر فساد کی

تیلی لگا جاتا تو خود رو دھو کر چپ ہو جاتیں''۔ (۹۸)

سادہ لوحی کے ساتھ ساتھ حیدر قریشی اپنی والدہ کی صبر وشکر کی عادت کو بھی بیان کرتے ہیں جو ان کی والدہ کی عظمت کو ظاہر کرتی ہے:

''امی جی محبت، وفا اور ایثار کی روشن مشرقی مثال تھیں۔ شادی کے ابتدائی چند برسوں کے بعد ابا جی کا کاروبار زوال کا شکار ہوتا گیا۔ انتہائی تنگ دستی تک نوبت پہنچی۔ امی جی نے خدا سے تو شکوہ کر لیا مگر مجازی خدا سے کبھی شکایت نہیں کی بلکہ ہر رنگ میں ہمت بندھاتی رہیں''۔ (۹۹)

اپنی شریک حیات ''مبارکہ'' کی رقیق القلبی اور مددگار طبعیت کے بارے میں بیان کرتے ہوئے حیدر قریشی ان کی احسان مندیوں کو یوں خراج تحسین پیش کرتے ہیں:

''میں نے کتابی سلسلہ ''جدید ادب'' جاری کیا۔ اس میں مبارکہ کی تمناؤں کا لہو شامل کیا۔ ہر شمارے کے ساتھ اس کا ایک آدھ زیور بک جاتا۔ اس اللہ کی بندی نے ایک دفعہ بھی تکرار نہیں کی۔ جب تک زیور ساتھ دیتا رہا۔ ''جدید ادب'' جاری رہا۔ زیور ختم ہو گئے تو ''جدید ادب'' بھی بند ہو گیا۔۔۔۔ میرے اچھے برے ہر طرح کے کاموں میں ہمیشہ میرا ساتھ دیا۔۔۔ اس کے اس طرز عمل نے میری عادتیں بگاڑ دی ہیں۔ میری ''گمراہیاں'' اسے معلوم ہیں ''میرے گناہ'' اس کے علم میں ہیں لیکن مجال ہے اس نے کبھی مجھے شرمندگی کا ہلکا سا احساس بھی دلایا ہو''۔ (۱۰۰)

ایک اچھے خاکہ نگار کی طرح حیدر قریشی نے اپنے خاکوں میں اس بات کا خیال رکھا ہے کہ کسی شخصیت کو مافوق الفطرت بنا کر پیش نہیں کیا بلکہ ایسا بیان کرنے کی کوشش کی ہے، جیسا وہ نظر آتا ہے۔ حیدر قریشی نے اپنی پیش کردہ شخصیتوں کی کمزوریوں کو چھپایا نہیں بلکہ اس انداز سے ذکر کیا ہے کہ بحثییت انسان وہ کمزوری اُن کی دلکشی میں ایک اضافہ ہی معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً اپنے تایا جان کے بارے میں لکھتے ہیں:

''نماز کے قریب نہیں پھٹکتے تھے۔ کبھی زور لگا کر فجر کی نماز پڑھا دی تو سارا دن بہانے بنا کر لڑتے۔۔۔۔ روزوں کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی تھا۔۔۔ ایک آدھ دفعہ انہیں مجبور کر کے روزہ رکھوا دیا گیا تو عصر کے وقت ہی افطاری کے سارے لوازمات سجا کر بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد بولے ''آج دن کی رفتار خاصی سست ہے'' کسی نے مذاقاً کہہ دیا: ''آج دن کو بھی پتہ ہے کہ بابا جی نے روزہ رکھا ہوا ہے اسی لئے سلوموشن میں چل رہا ہے''۔ بابا جی کا پارہ چڑھ گیا۔ مؤذن کے بارے میں گرم ہونے لگے۔ کہ وہ بھی کہیں سو گیا یا مر گیا ہے'' (۱۰۱)

اپنے ابا جی پر بات کرتے ہوئے جہاں حیدر قریشی ان کی بے شمار خوبیوں کو بیان کرتے ہیں وہاں ان کے لہجے کی گرمی کو بھی موضوع بناتے ہیں کہ وہ خامی کم خوبی زیادہ لگتی ہے:

''ابا جی کو کبھی کبھی غصہ بھی آتا اور یہ غصہ عام طور پر گھر کے گھڑوں اور برتنوں پر اترتا تھا۔لیکن جب شام کو ابا جی گھر آتے ،ان کے ایک ہاتھ میں نیا گھڑا اور دوسرے ہاتھ میں گلاب کے پھولوں کے ہار ہوتے اور جھگڑا ختم۔'' (۱۰۲)

حیدر قریشی کے انداز بیان پر خاور اعجاز تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حیدر قریشی کی یہ تحریریں محبت کی چاشنی میں ڈوبی ہوئی ہیں۔کہیں کہیں ہلکا سا طنز یا مزاح کا پہلو لئے ہوئے کوئی چبھتی ہوئی بات بھی محبت ہی کا ایک اظہار ہے۔اول تو حیدر قریشی کی محبت بھری نظریں اپنے ممدوحین کی ذات میں کوئی خامی دیکھتی ہی نہیں اور اگر نظر آ بھی جائے تو وہ اسے اپنے محبت بھرے انداز میں اس طرح بیان کرتے ہیں کہ وہ بھی خوبی ہی دکھائی دینے لگتی ہے'' (۱۰۳)

خاکہ نگاری کے فن میں اس بات کا بھی خیال رکھا جاتا ہے کہ خاکہ نگار زیرِ موضوع شخصیت کے نمایاں ترین پہلوؤں کو اجاگر کرنے کے لیے واقعات کے انتخاب کا سلیقہ رکھتا ہو۔اس ضمن میں حیدر قریشی کے خاکوں پر نظر ڈالی جائے تو ان کے تمام خاکوں میں بیان کردہ واقعات ان کے حسن انتخاب کی دلیل ہیں۔مثلاً حیدر قریشی ''تایا جی'' کے خاکے میں اُن کی شخصیت کے نفسیاتی تجزیے اور اُن کی عادات کے حوالے سے ایک واقعے کا ذکر کرتے ہیں:

''بابا جی کی آنکھ میں موتیا اتر آیا۔آپریشن ہوا، کامیاب رہا مگر نظر مزید کمزور ہوگئی۔ انہوں نے ٹی وی دیکھنا چھوڑ دیا۔ٹی وی دیکھنا چھوڑ کر بھی بابا جی کے ''حسن نظر'' میں کمی نہیں آئی۔جیسے ہی ملکہ ترنم نور جہاں کا کوئی نغمہ سنائی دیتا،نغمہ سننے اور ملکہ ترنم کی زیارت کے لیے ٹی وی والے کمرے میں آجاتے۔نور جہاں کا نغمہ بڑی محویت سے سنتے بلکہ بڑی محویت سے دیکھتے۔۔۔۔'' (۱۰۴)

چند لفظوں میں اپنے ''نانا جی'' کے جلالی رنگ اور متشددانہ مزاج کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ایک دفعہ کسی معمولی سی بات پر نانا جی کو اتنا طیش آیا کہ خالہ حبیبہ کو باقاعدہ طور پر الٹا لٹکا دیا اور دیر تک لٹکائے رکھا۔'' (۱۰۵)

خاکوں میں حیدر قریشی کا انداز بیاں اپنے اندر شگفتگی اور مزاح کا رنگ لیے ہوئے سامنے آتا ہے۔اس انداز پر محترمہ ''ترنم ریاض'' بہت خوب صورت رائے دیتی ہیں:

''میری محبتیں'' تو کمال کی کتاب ہے سیدھی، سنجیدہ باتیں لکھتے ہوئے آپ جو ہلکا سا مزاحیہ رنگ دے کر جملہ مکمل کرتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے قہوہ پیتے پیتے الا ئچی کا کوئی دانہ دانت تلے آ کر ذہن و دہن کو خوشبو سے معطر کر جائے۔۔۔'' (۱۰۶)

ایک اچھے خاکہ نگار کے لیے ضروری ہے کہ وہ جس شخصیت پر قلم اٹھاتا ہے، اس کے متعلق اس کی ذاتی معلومات درست اور مکمل ہوں۔ حیدر قریشی نے بحیثیت خاکہ نگار زیادہ تر اُن شخصیات پر ہی قلم اٹھایا ہے جن سے وہ ذاتی طور پر واقف تھے۔ اپنے تخلیق کردہ خاکوں میں حیدر قریشی نے ایک خاص انداز کو متعارف کرایا کہ جس شخصیت کو بیان کرتے، اُس کے بارے میں اپنی ذات کے حوالے سے باتیں کرتے چلے جاتے ہیں۔ اسی لیے طاہر مجید لکھتے ہیں:

''حیدر قریشی نے ہر خاکے میں اپنی ذات کے حوالے سے باتیں کی ہیں، اس صورت میں قاری جہاں ان خاکوں کے ذریعے ان شخصیتوں سے متعارف ہوتا ہے وہاں بالواسطہ خاکہ نگار کی شخصیت جا بجا جھانکتی نظر آتی ہے۔'' (۱۰۷)

یہ انداز تقریباً تمام خاکوں میں کارفرما نظر آتا ہے مثلاً اپنے ''ابا جی'' کے خاکے میں اپنی ذات کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''میری پیدائش سے چند ماہ پہلے ابا جی نے یکے بعد دیگر دو خواب دیکھے تھے۔ پہلا خواب یہ تھا کہ ایک بڑا اور گھنا درخت ہے جس کی شاخیں دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ ابا جی اس درخت کے اوپر عین درمیان میں کھڑے ہوئے ہیں۔ یہ خواب سن کر ابا جی کے ایک دوست روشن دین صاحب نے کہا کہ آپ کے ہاں بیٹا پیدا ہوگا جو۔۔۔۔۔ دوسرا خواب یہ تھا کہ لمبے لمبے قد والے بہت سارے لوگ ہیں جو اپنے ہاتھ بلند کر کے ''حیدر۔۔۔۔ حیدر'' کے نعرے لگا رہے ہیں۔ ان دونوں خوابوں کے چند ماہ بعد میری پیدائش ہوئی۔ ابا جی نے اپنے مرشد کو خط لکھا کہ بیٹے کا نام تجویز فرما دیں۔۔۔۔ انہوں نے مجھے حیدر بنا دیا۔'' (۱۰۸)

اسی طرح اپنی شاعرانہ حیثیت کو بیان کرتے ہوئے حیدر قریشی اپنی شریک حیات ''مبارکہ'' کے خاکے میں لکھتے ہیں:

''میری شاعری کو اس کے پورے پس منظر کے ساتھ جاننے والی واحد قاری مبارکہ ہے۔ اسے علم ہے کہ میری کون سی غزل یا نظم کب کہی گئی اور کیوں کہی گئی۔۔۔۔ اسے یہ بھی علم ہے کہ میں کس کس کو یہ باور کرا چکا ہوں کہ فلاں غزل درحقیقت آپ کے لیے کہی گئی اور یہ بھی علم ہے کہ اصلاً کس کے لیے کہی گئی۔ میری شاعری سے باہر کے اس سارے کھیل تماشے کو مبارکہ نے مزے لے کر دیکھا ہے۔۔۔۔'' (۱۰۹)

حیدرقریشی نے جہاں اپنے عزیز و اقارب اور والدین پر مختصر مگر جامع خاکے تحریر کیے ہیں وہاں انہوں نے ان شاعروں، ادیبوں اور دوستوں پر بھی خاکے لکھے ہیں جو کسی نہ کسی طرح حیدرقریشی کے قریب تھے۔ ''میری محبتیں'' کے اس دوسرے حصے کو ''بعد درویش'' کا عنوان دیا ہے۔ کتاب ''میری محبتیں'' کے اس دوسرے حصے کے بارے میں خاور اعجاز لکھتے ہیں:

''دوسرے حصے کے مطالعے زیادہ تر ادبی شخصیتوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں ہمیں حصہ اول جیسی بے تکلفی تو نہیں ملتی لیکن اس کی جگہ حیدرقریشی کے ذہن کی دوسری زرخیزیوں سے ضرور ملاقات ہوتی ہے جو میرزا ادیب کی عمر اوڑھ کر نوجوان ادیبہ کے سر پر ہاتھ پھیرنے کی خواہش یا ننگ دھڑنگ پیر بابا کی فرنٹ سیٹ پر موجودگی سے اعجاز اکبر صاحب کا ہاتھ گیئر کی بجائے کہیں اور جا پڑنے کی تشویش میں ظاہر ہوتی ہے''۔ (۱۱۰)

حیدرقریشی کے خاکوں ''میری محبتیں'' کے دوسرے حصے کے بارے میں طاہر مجید بہت خوب صورت اور منفرد انداز اپناتے ہوئے تبصرہ کرتے ہیں:

''اس کے خاندان والوں کے تعارف سے فارغ ہوئے تو وہ مجھے ڈرائنگ روم میں لے گیا میں حیران ہوا کہ ان میں سے بعض کو میں بھی جانتا تھا اور بعض مجھے جانتے تھے البتہ چند ایک میرے لیے اجنبی تھے وہاں میرزا ادیب، فیض احمد فیض، ڈاکٹر وزیر آغا، غلام جیلانی اصغر، اکبر حمیدی، عذرا اصغر اور سعید شباب موجود تھے۔ ایک فوجی بریگیڈیر صاحب سول وردی میں بیٹھے تھے۔''(۱۱۱)

حیدرقریشی کے یہ خاکے زیرِ موضوع شخصیات سے محبت و عقیدت کا منہ بولتا ثبوت ہیں اور ان کے ذریعے انہوں نے انہیں خراج تحسین پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ کیونکہ ''میری محبتیں'' کے اس دوسرے حصے میں موجود تمام خاکے ان شخصیات پر لکھے گئے ہیں، جن سے حیدرقریشی روحانی، ادبی یا دوستانہ تعلق رکھتے تھے۔ حیدرقریشی نے ان خاکوں کے ذریعے ان تمام شخصیات کا فنی اور فکری جائزہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے جو کہ ان کی محبت بھری عادت کا ایک اظہار بھی ہے۔ میرزا ادیب کو ''اردو ادب کا نوبل پرائز'' قرار دیتے ہوئے حیدرقریشی میرزا ادیب کے فنی کارناموں کے بارے میں انتہائی سادگی سے کہتے ہیں:

''میرزا ادیب بحثیت ادیب کئی جہات کے حامل ہیں۔ رومان نگار، افسانہ نگار، ڈرامہ نگار، خاکہ نگار، سوانح نگار، اس نگارخانے سے ہٹ کر میرزا ادیب بچوں کے لیے لکھنے والے ادیب بھی ہیں اور ''ادبِ لطیف'' کے درخشندہ دور میں اس کے مدیر بھی رہے ہیں''۔ (۱۱۲)

ایسا ہی اظہار ڈاکٹر وزیر آغا کے خاکے میں بھی بڑی عقیدت و احترام میں ڈوبا ہوا نظر آتا ہے:

''اردو انشائیہ کے بانی، جدید ترنظم کے پیش رو، اُردو تنقید کی منفرد اور عالمانہ

آواز۔۔۔۔ڈاکٹر وزیر آغا عہد ساز شخصیت ہیں۔ اپنی بعض بشری کمزوریوں کے باوجود
ہمارے ادب اور ہمارے عہد کا بہت بڑا سرمایہ ہیں۔ مجھے فخر ہے کہ مجھے ان سے اکتساب علم
اور نیاز مندی کا شرف حاصل ہے۔'' (۱۱۳)

اختصار، خاکے کی سب سے اہم اور بنیادی خوبی ہے۔ سیرت اور سوانح کے مقابلے میں جامعیت اور اختصار، شخصیت کے تفصیلی حالات کی بجائے صرف نمایاں خدوخال ہی خاکے کی پہچان ہوتے ہیں۔ اسی سلسلے میں ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

''خاکہ نگاری، سیرت نگاری سے بالکل الگ۔۔۔مختصر افسانے کی طرح ادب کی مقبول
ترین صنف ہے۔'' (۱۱۴)

اختصار پیدا کرنے کے لیے خاکہ نگاری کی نظر اپنے موضوع کے نمایاں خدوخال پر ہونی چاہیے جن کی روشنی میں اس کی انفرادیت اجاگر ہو جائے۔ ''میری محبتیں'' کے حصہ دوم میں موجود تمام خاکے، خاکہ نگاری کے اس پہلو یعنی اختصار بیان پر پورے اترتے نظر آتے ہیں جبکہ ''حصہ اول'' میں بعض خاکے طوالت کا شکار محسوس ہوتے ہیں: ڈاکٹر سید محمد عارف کے بقول:

''خاکہ نگار کی نظر میں اس ماہر کارٹونسٹ کی سی تیزی ہوتی ہے جو کسی شخص کے اہم ترین
نقوش کو فوراً دریافت کر لیتا ہے اور چند آڑے ترچھے خطوط سے جب وہ اسے صفحہ قرطاس پر
منتقل کرتا ہے تو دیکھنے والا اسے دیکھتے ہی پہچان لیتا ہے۔ ان چند لائنوں میں شخصیت کی
نفسیاتی کیفیت اور اس کی سیرت کے چھپے ہوئے گوشے بھی بے نقاب کئے جا سکتے ہیں۔''
(۱۱۵)

حیدر قریشی بھی زیر موضوع شخصیت کے بارے میں جامع، مختصر اور موزوں الفاظ سے کام لیتے ہوئے لکھتے چلے جاتے ہیں۔ مثلاً غلام جیلانی اصغر کے خاکے میں ان کی شخصیت کے چند پہلوؤں کو انتہائی مختصر انداز میں بیان کرتے ہیں:

''جیلانی صاحب میں جو ذہانت، حاضر جوابی اور شگفتگی پائی جاتی ہے وہ عصر حاضر کے
اردو کے چند ادیبوں کو ہی نصیب ہوئی ہے۔ ان کے طنز میں زہریلا پن اور مزاح میں پھکڑ
پن نہیں ہوتا۔ کئی بار خود کو ہی اپنے جملوں کی زد پر رکھ لیتے ہیں۔'' (۱۱۶)

اسی طرح اکبر حمیدی کی شخصیت کے تغیر کو مختصراً یوں بیان کرتے ہیں:

''اکبر حمیدی طبعاً ایک سیدھے سادھے، سچے، کھرے اور صاف گو دیہاتی ہیں۔ انہیں
ہیرا پھیری اور چالاکی نہیں آتی تھی۔ کھلی دوستی اور کھلی دشمنی لیکن شہر کے بعض دوستوں
اور مہربانوں کی مکاریوں اور ہیرا پھیریوں کا شکار ہوتے ہوتے آخر انہیں بھی تھوڑی بہت
ہیرا پھیری اور چالاکی کرنا آ گئی ہے۔۔۔۔اکبر حمیدی نے اگر کہیں تھوڑی بہت چالاکی سے

کام لیا ہے تو صرف مکار لوگوں کے سامنے۔۔۔اپنے دوستوں کے لیے تو وہ ہمیشہ سے
سیدھے، سچے اور صاف اکبر حمیدی ہیں۔'' (۱۱۷)

حیدر قریشی کے تنقیدی انداز و بیان کے بارے میں جوگندر پال اپنی رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حیدر قریشی کا ذہن زرخیز ہے اور منہ کھٹی میٹھی باتوں سے لبریز۔حیدر قریشی چونکہ پورا منہ کھول کر جی جان سے بات کرتا ہے اس لیے اس کی تحریر برجستہ اور غیر مبہم ہوتی ہے اور اس کے خاکے میں ممدوح اسی کی جان پہچان والوں میں سے ہے اور یوں وہ مطالعہ کو بے تامل اپنی مرضی اور خواہش سے گھٹاتے بڑھاتے گویا اس کے بارے میں پڑھ نہیں رہا ہوتا بلکہ اپنے معمول کے دوران اس سے عین مین مل کر اپنے نتائج اخذ کر رہا ہوتا ہے'' (۱۱۸)

حیدر قریشی کے تخلیق کردہ خاکے محض خاکہ نگاری کا نمونہ نہیں بلکہ انہوں نے اپنے خاکوں کو کرداری روپ دے کر ہمارے سامنے اُجاگر کیا ہے۔حیدر قریشی زیرِ بحث شخصیت کی کرداری تشکیل اس قدر مہارت سے کرتے ہیں کہ تمام کردار اپنی تمام خصوصیات کے ساتھ قاری سے متعارف ہو جاتے ہیں۔حیدر قریشی اپنے کرداروں کو بہتر اور موثر انداز سے متعارف کروانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اسی لیے ان کی بعض تحریریں اپنے دلکش اور دلچسپ انداز کی بدولت مختصر معلوم ہوتی ہیں۔

حیدر قریشی کے اس اندازِ بیان کو ''خاور اعجاز'' بڑی خوبی قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

'' بعض تحریریں جلد اختتام پذیر ہوگئی ہیں۔۔۔اسے خاکہ نگاری کی کسی Shorcomming پر محمول نہ کیا جائے بلکہ یہ تو ایک اچھائی شمار ہونا چاہیے کہ قاری اس کردار سے ملاقات کی بے جا طوالت سے گھبرا کر جان چھڑانے کے چکر میں نہیں پڑتا اور خاکہ ایک مناسب موڑ پر از خود ہی خدا حافظ کہہ دیتا ہے''۔ (۱۱۹)

فنِ خاکہ نگاری نے وقت کے ساتھ چلتے چلتے بہت سی رسومات کو اپنے دامن میں سمو لیا ہے۔کبھی یہ رسومات محبت و عقیدت سے بھرپور ہوتی ہیں تو کبھی نفرت و حسد سے بھرپور، جدید دور کے خود غرض رویوں نے خاکہ نگاری میں ایک ایسی رسم کو پروان چڑھایا، جس میں خاکہ نگار مصلحتوں کے چولے پہن کر اپنے مخصوص مفادات کی خاطر مختلف لوگوں کی خامیوں کو خوبیوں کا لبادہ پہنا کر اعلیٰ اقدار کے حامل ظاہر کرتے ہیں لیکن حیدر قریشی نے اپنے معتدل انداز میں اپنی محبتوں اور نفرتوں کو توازن میں رکھنے کی سعی کی ہے۔حیدر قریشی کی تحریروں میں یہ توازن ان کی ناقدانہ صلاحیتوں کو اجاگر کرتا ہے اور وہ زیرِ موضوع شخصیت کا ناقدانہ تجزیہ کرتے نظر آتے ہیں۔مثلاً وہ اپنی والدہ کے متعلق لکھتے ہیں:

''ابا جی کی ''ول پاور'' کے کئی کرشمے دیکھنے کے باوجود امی جی نے انہیں بزرگ تسلیم کرنے سے ہمیشہ انکار کیا۔'' (۱۲۰)

انہی خصوصیات کی بناء پر حیدر قریشی حقائق کا اظہار کرتے وقت ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے جیسے اکبر حمیدی کی شاعری کے بارے میں لکھتے ہیں:

''بحثیت شاعر مجھے اکبر حمیدی کی غزلیں بہت اچھی لگتی ہیں۔ ایک خاص زاویہء نگاہ سے بات کروں تو عبیداللہ علیم، صابر ظفر اور اکبر حمیدی میں سے عبیداللہ علیم کی شاعری Over- Confidence کا شکار ہو چکی ہے۔۔ جبکہ اکبر حمیدی کے ہاں جذبہ، تخیل اور عروضی مہارت کے امتزاج سے شاعری جنم لیتی ہے۔''

(۱۲۱)

طاہر مجید اسی اعتدال پسندی کے حوالے سے حیدر قریشی کے بارے میں اپنی رائے کا یوں اظہار کرتے ہیں:

''مجھے یہاں یہ کہنے میں کوئی عار محسوس نہیں ہوتی کہ حیدر قریشی نے اپنی محبتوں اور نفرتوں سے ایک جیسا سلوک کرنے کی کوشش کی ہے۔ شاید ایسا کرنے کے لیے اس کے اندر کے نقاد نے اس کی مدد کی ہے جو اسے جا بجا تنقید کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔'' (۱۲۲)

اگر چہ حیدر قریشی کے خاکے اپنے منفرد انداز اور جدت وندرت کی بدولت خاص اہمیت کے حامل ہیں لیکن اکثر مقامات پر وہ خاکوں کو یادوں کے پیرائے میں بیان کرتے محسوس ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں خاور اعجاز نے حیدر قریشی کے خاکوں پر یہ تبصرہ کرنا مناسب سمجھا:

''حیدر قریشی نے اپنی کتاب میں شامل مضامین کو خاکے ضرور کہا ہے لیکن ان کے ساتھ لفظ ''یادیں'' بریکٹ کر کے اپنی کشتی کو ڈوبنے سے بچا لیا ہے۔ دوسرے انہوں نے کتاب کا نام ''میری محبتیں'' رکھ کر خاکے کے مضر پہلوؤں سے بھی دامن محفوظ کر لیا ہے۔'' (۱۲۳)

حیدر قریشی نے اردو ادب کی بہت سی اصناف کو اپنے اظہار کا ذریعہ بنایا ہے۔ ''میری محبتیں'' میں بھی خاکے کی حدود کو چھوتی ہوئی محبتوں کی مختلف شکلیں دکھائی دیتی ہیں۔ شاید انہی حد سے بڑھی ہوئی محبتوں کے اظہار نے حیدر قریشی کے خاکوں کو یادوں کی شبیہ دے دی ہے۔ انہی محبتوں کو حیدر قریشی کے خاکوں کی بنیاد قرار دیتے ہوئے طاہر مجید لکھتے ہیں:

''مجھے لگا جیسے وہ محبت کا دیوانہ نہیں بلکہ محبت کا گھائل بھی ہے۔ محبت اسے مختلف روپ سجا کر ملتی ہے۔ اس دیوانگی میں وہ محبت کی ان تمام کیفیتوں کا اظہار کرنا چاہتا ہے۔ وہ محبتیں جو اسے سچی محبت کے روپ میں ملیں یا جو اسے نفرت کے دیوتا کی صورت میں ملیں۔۔۔''

(۱۲۴)

اسی وجہ سے حیدر قریشی اپنی تحریروں میں جا بجا اپنی محبتوں کا اظہار مکمل اعتماد سے کرتے ہیں۔ مثلاً اپنی ''امی جی'' کے خاکے میں لکھتے ہیں:

''میری پہلی محبت بھی امی جی ہیں اور میری آخری محبت بھی امی جی ہیں۔اس اول و آخر کے بیچ میں بہت سی محبتیں آئیں مگر درحقیقت وہ سب میری پہلی اور آخری محبت کا عکس تھیں۔'' (۱۲۵)

محبت کا ایسا ہی پرخلوص اظہار اپنی شریک حیات ''مبارکہ'' کے خاکے میں بھی کرتے ہیں:

''ہم دونوں ایک دوسرے کے مزاج شناس بن گئے۔پھر بات مزاج شناسی سے بڑھ کر محبت اور دوستی کی سطح تک پہنچی اور وہاں سے بھی بڑھی تو اس مقام کے بیان کے لیے کوئی لفظ نہیں ملا۔ بیوی، دوستی اور محبت۔۔۔۔۔ یہ سارے مقدس رشتے اب مبارکہ کے سامنے چھوٹے پڑ گئے ہیں۔'' (۱۲۶)

حیدر قریشی محبت کو خداداد عطیہ سمجھتے ہیں، اسی لیے وہ ہر رنگ میں محبت کا اظہار چاہتے ہیں اور یہی ان کے خاکوں کی وجہ تخلیق ہے لیکن ان محبتوں کی شدت بعض مقامات پر جذباتیت کا روپ دھار کر سامنے آتی ہے مثلاً اپنے ساتویں خاکے میں لکھتے ہیں:

''میں اپنے پیچیدہ حالات کے باعث سنگین مسائل میں گھرا ہوا تھا۔ میرے بعض سوتیلے عزیز جنہیں بعض دوسروں پر اپنے سوتیلے پن کا زہر نکالنا تھا مگر وہ ان کی دسترس میں نہیں تھے انہوں نے ان کے متبادل کے طور پر مجھے ہی نشانہ بنالیا، گھات ایسے لگائی کہ میرے ماں جایوں کو آگے کر دیا۔قریبی عزیز دشمن بن گئے۔خون کے رشتے ''خونی رشتے'' بن گئے۔سوتیلے عزیز اپنی فتح مندی پر نازاں تھے۔'' (۱۲۷)

اسی طرح کا ایک اور جذباتی اظہار کرتے ہوئے حیدر قریشی لکھتے ہیں:

''انسان کے دست و بازو اس کے بھائی ہوتے ہیں۔ میرے چار چھوٹے بھائی ہیں۔ایک نے کوشش کی کہ میرے بازو کاٹ ڈالے، دوسرے نے زور لگایا کہ میرے پیر باندھ دے، ڈھیٹ آدمی ہوں اس لیے سخت وار ہونے کے باوجود بچ نکلا ہوں۔'' (۱۲۸)

اگرچہ حیدر قریشی محبت بھرے رشتوں کے یہ روپ دیکھ کر جذباتی ہوتے ہیں لیکن اتنے بھی نہیں کہ اپنے حواس کھو دیتے بلکہ انہوں نے اپنے جذبات پر قابو پالینے کا سلیقہ اور شعور پیدا کیا۔ چاہے یہ جذبات محبت کے ہوں یا نفرت کے، انہوں نے اپنی محبتوں کو اپنا سرمایہ سمجھ کر سنبھالا، جواب اُن کی یادوں میں اُن کے ساتھ محوِ سفر ہیں۔حیدر قریشی کے اس محبت بھرے انداز پر طاہر مجید لکھتے ہیں:

''اس کی تمام تر محبتیں اس کی گواہ ہیں ۔ یقیناً اسی وجہ سے اس نے خاکوں کے اس مجموعے کا نام میری محبتیں رکھا ہے۔'' (۱۲۹)

سلطانہ مہر حیدر قریشی کی ہمہ جہت شخصیت کا اعتراف کرتے ہوئے ان کی خاکہ نگاری پر اپنی رائے دیتے ہوئے لکھتی ہیں:

''حیدر قریشی کی ادبی حیثیت کے کئی پہلو ہیں۔اتنی رنگا رنگی کم ہی شخصیتوں میں پائی جاتی ہے۔ان کی شاعری،تنقید،افسانے اور خاکے پڑھ کر میں اس نتیجے پر پہنچی کہ خاکہ نگاری میں انہیں کمال حاصل تھا۔اس دلنشیں انداز میں انہوں نے شخصیات کے،واقعات کے،ماحول کے اور قصوں کے قلمی نقشے تراشے ہیں کہ قاری ان کے سحر میں گم ہو جاتا ہے۔۔۔'' (۱۳۰)

اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ حیدر قریشی کے خاکے شخصیات کا تعارف اور اُن سے محبتوں کا ثمر اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں۔ یادوں اور محبتوں کا یہ امتزاج حیدر قریشی کے خاکوں کو جاندار اور قابل مطالعہ بنا دینے کے لیے کافی ہے۔

حیدرقریشی کی یاد نگاری

''کھٹی میٹھی یادیں'':

''کھٹی میٹھی یادیں'' حیدر قریشی کی خودنوشت ہے۔اس میں حیدر قریشی نے اپنی زندگی کے یادگار لمحات کو قلم بند کرنے کی کوشش کی ہے۔''کھٹی میٹھی یادیں'' کی ابھی تک صرف دس قسطیں لکھی گئی ہیں جو کہ سب سے پہلے دوماہی ''گلبن'' احمد آباد بھارت میں شائع ہوئیں۔ اس کے علاوہ ''کھٹی میٹھی یادیں'' کی پہلی دو قسطیں حیدر قریشی نے اپنے مرتب کردہ رسالے ''جدید ادب'' جرمنی،شمارہ نمبر۲،مئی ۲۰۰۰ء میں بھی شائع کیں۔ پھر رسالہ ''جدید ادب'' چند وجوہ کی بناء پر اپنی اشاعت جاری نہ رکھ سکا۔اس لیے باقی اقساط شائع نہ ہو سکیں۔حیدر قریشی کی یہ یادیں نامکمل ہونے کی وجہ سے ابھی تک کتابی صورت میں شائع نہیں ہوئیں۔

''کھٹی میٹھی یادیں'' سے پہلے حیدر قریشی اپنے تخلیق کردہ خاکوں کی کتاب ''میری محبتیں'' میں بھی اپنی یادوں کو بیان کر چکے ہیں۔ لیکن ''میری محبتیں'' میں موجود یادوں کو نامکمل سمجھتے ہوئے حیدر قریشی نے اپنی خودنوشت ''کھٹی میٹھی یادیں'' کے عنوان سے لکھنے کا ارادہ کیا۔

اس بارے میں حیدر قریشی خود ''کھٹی میٹھی یادیں'' کے پہلے حصے میں لکھتے ہیں:

''میری محبتیں'' کی اشاعت سے پہلے ہی مجھے احساس تھا کہ اس میں شامل بعض شخصیات ایسی تھیں کہ ان پر مزید لکھا جانا چاہیے تھا۔ بعض لوگ جن کا بیچ بیچ میں کہیں برسبیل تذکرہ نام آ گیا ہے، ان کی زندگی کے بعض خوب صورت انسانی رخ بھی سامنے آنے چاہیں تھے۔ بہت سارے عزیز اور احباب ایسے ہیں جن کا خاکہ نہیں لکھا جا سکتا لیکن ان کے ذکر کے بغیر میری زندگی کی روداد بھی ادھوری رہے گی اور میری محبتیں بھی۔۔۔۔ فی الوقت میں اپنی زندگی۔۔۔۔ گزاری ہوئی زندگی کی طرف پلٹ کر دیکھ سکتا ہوں۔ اپنے بہت سارے پیاروں، رشتہ داروں، دوستوں اور ''کرم فرماؤں'' سے تجدید ملاقات تو کر سکتا ہوں۔ سو بکھری ہوئی یادوں کو جمع کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔'' (۱۳۱)

''کھٹی میٹھی یادیں'' کے پہلے عنوان ''بزم جاں'' میں حیدر قریشی جرمنی اور اپنی زندگی کے کچھ واقعات کو بیان کرتے ہوئے اپنی یادوں کو یوں قلم بند کرتے ہیں:

''مبارکہ جس کی سادگی کا میں پاکستان میں مذاق اڑایا کرتا تھا، جرمنی میں اب اس کے سامنے ایک پاکستانی ''پینڈو'' تھا۔ مبارکہ بچوں سمیت مجھ سے اڑھائی سال پہلے جرمنی میں آ چکی تھی اس لیے یہ ملک اس کے لیے اجنبی نہیں رہا تھا جبکہ میں ''کثرت نظارہ'' سے ایسے رُک رُک جاتا تھا جیسے شہر کے چوراہے پر ''گواچی گاں'' کھڑی ہوتی ہے۔'' (۱۳۲)

''بزم جاں'' میں ہی حیدر قریشی اپنے ایبٹ آباد کے دنوں کی یادوں کو تازہ کرتے ہوئے ایک واقعہ بیان کرتے ہیں:

''ایبٹ آباد میں ہمارے کالج کے بعض اساتذہ ''مریضان محبت'' بنے ہوئے تھے۔ ایک دفعہ یونہی اوٹ پٹانگ باتیں ہو رہی تھیں۔ میں نے ان سے کہا کہ خواہش کی شدت خواب کا روپ دھار لیتی ہے۔ اگر کبھی کسی کو خواب میں اپنی کوئی پسندیدہ شخصیت کسی من پسند حالت میں دکھائی دے تو بیدار ہونے پر بستر کی پائنتی کی طرف سر کر کے سو جائیں۔ اُسی رات آپ کی وہ پسندیدہ شخصیت اپنی نیند میں وہی خواب عین اسی حالت میں دیکھ لے گی۔۔۔ اگلے دن دو نوجوان اساتذہ ڈیوٹی پر آئے تو ان کی آنکھیں سرخ اور طبعیت بوجھل بوجھل سی تھی۔ ملتے ہی کہنے لگے یار قریشی صاحب! ہم تو ساری رات پائنتیاں ہی بدلتے رہے ہیں۔'' (۱۳۳)

''بزم جاں'' میں حیدر قریشی نے اپنے مزاحیہ اور تبسم سے بھرپور انداز میں اپنے دوست احباب اور رشتے داروں سے متعلق یادگار

واقعات کو اس قدر مہارت سے بیان کیا ہے کہ آپ بیتی میں گفتگو جیسا احساس نمایاں ہو جاتا ہے۔ ''بزم جاں'' میں جہاں حیدر قریشی اپنی زندگی کے خوش گوار اور دلکش لمحات بیان کرتے ہیں، وہاں اپنے دکھ بھرے واقعات کا بھی اظہار کرتے ہیں۔ مثلاً حیدر قریشی اپنے کزن شکور کی وفات کو بھی اپنی یادوں کا حصہ بناتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''شکور کو جب پہلے پہل ہسپتال میں داخل کیا گیا، میں، اجمل، شعیب اور عثمان فوراً ہمبرگ پہنچے۔ ہمیں دیکھ کر وہ بہت خوش ہوا۔ بھابی رعنا سے کہنے لگا: دیکھو! بھائی ایسے ہوتے ہیں۔ اس کا اصرار تھا کہ ہم سب عید اس کے ہاں آ کے کریں۔ میں نے ایک خصوصی پیش کش کے ساتھ اسے کہا کہ آپ سب لوگ عید پر ہمارے ہاں آ جائیں۔ شکور راضی ہو گیا اور اس نے وعدہ کیا کہ عید پر ضرور آؤں گا۔۔۔ میرے ساتھ اس ملاقات کے بعد بھابی رعنا کی اس سے ایک بار ملاقات ہوئی اور پھر وہ آپریشن روم میں چلا گیا۔ جگر کی تبدیلی کا آپریشن تھا۔ نازک صورت حال تھی۔۔۔ دھڑکتے دلوں کے ساتھ دعائیں ہو رہی تھیں لیکن کوئی دعا کارگر نہ ہوئی۔ شکور فوت ہو گیا۔ اس کی میت پاکستان بھجوانے کا انتظام کیا جانے لگا۔ عید سے ایک دن پہلے شکور کی میت ہمبرگ سے فرینکفرٹ پہنچی۔
>
> زندگی بھر گپیں ہانکنے والا میرا یہ کزن مرنے کے بعد وعدے کا اتنا پکا نکلے گا۔ یہ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔'' (۱۳۴)

''کھٹی میٹھی یادیں'' کے دوسرے عنوان ''ددھیال کے رشتہ دار'' میں حیدر قریشی نے اپنے رشتے داروں کے تعارف اور ان کے رویوں کے ساتھ ساتھ اپنے آبائی علاقے کے بارے میں بھی تفصیلات کو اپنی یادوں کا حصہ بنا کر پیش کیا ہے۔ ''ددھیال کے رشتہ دار'' میں اپنے رشتے داروں کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''میرے ددھیال میں ابا جی اور بابا جی صرف دو ہی بھائی تھے، بہن کوئی نہ تھی، سو ہماری کوئی پھوپھی نہ تھیں۔ تاہم ابا جی اور بابا جی کی دو کزنز تھیں۔ بُوا حیات خاتون اور بُوا لال خاتون۔ دونوں سے ہمیں پھوپھیوں کا اتنا پیار ملا کہ کسی حد تک پھوپھیوں کی عدم موجودگی کی تلافی ہو گئی۔'' (۱۳۵)

تعارف کے ساتھ حیدر قریشی بُوا لال خاتون کے بھولپن اور سادگی کو بھی اپنے بے ساختہ انداز سے یوں بیان کرتے ہیں کہ بے ساختہ لبوں پر مسکراہٹ آ جاتی ہے:

> ''بُوا لال خاتون پہلی بار لاہور گئیں۔ ایک تو لاہور ریلوے اسٹیشن کی پرشکوہ عمارت، پھر ہجوم میں سرخ وردی میں ملبوس قلیوں کی فوج ظفر موج۔۔۔ اوپر سے قلیوں کا فرطِ ''محبت''

سے سامان اٹھانے میں سبقت لے جانے کی کوشش کرنا، اور اس کوشش میں سامان کی کھینچا تانی۔۔۔بُوا لال خاتون نے سمجھا ڈاکوؤں نے ہلہ بول دیا ہے چنانچہ انہوں نے بچاؤ۔۔۔ بچاؤ۔۔۔کا شور مچادیا۔''

(۱۳۶)

یادوں کا تذکرہ کرتے ہوئے حیدر قریشی اپنے علاقے کے رسوم ورواج کا احوال ان لفظوں میں بیان کرتے ہیں:

''کوٹ شہباز میں وٹہ سٹہ (بدلے کی شادی) کا رواج تھا، وہ بھی برابر کی قریشی برادری میں، جس لڑکی کا وٹہ لینے کے لیے لڑکا نہیں ہوا، اُسے زندگی بھر شادی کے بغیر رہنا ہے۔ میاں نواز شاہ کی بہن اور ادی بالن اسی رسم کا شکار ہوئیں۔ ان کے بجھے ہوئے چہرے یاد کرتا ہوں تو خیال آتا ہے کہ قریشِ مکہ جو نام نہاد غیرت کے نام پر بیٹیوں کو زندہ گاڑ دیتے تھے، شاید اس لحاظ سے بہتر تھے کہ ایک ہی بار مار ڈالتے تھے جبکہ زندگی بھر کنواری بٹھادی جانے والی بیٹیاں تو ہر پل میں ایک نئی موت کا شکار ہوتی چلی جاتی ہیں۔'' (۱۳۷)

''کھٹی میٹھی یادیں'' میں حیدر قریشی اپنے بچپن کی یادوں کو بھی اپنے قاری کے سامنے مکمل جزئیات کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

''پڑھنے سے پڑھانے تک'' عنوان کے تحت حیدر قریشی اپنی تعلیم اور ملازمتوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

''۱۹۶۸ء میں دسویں کا امتحان پاس کرتے ہی میں نے حمئ سنز شوگر ملز جیٹھہ بھٹہ، خان پور میں مزدوری کر لی۔۔۔ میں نے شوگر مل میں ۱۹ سال تک مزدوری کی۔ نوکری کے ساتھ ساتھ پرائیویٹ طور پر اپنا سلسلہ تعلیم جاری رکھا۔ خدا کے فضل اور امی ابو کی دعاؤں سے ۱۹۷۰ء میں ایف اے، ۱۹۷۲ء میں بی اے اور ۱۹۷۴ء میں ایم اے (اردو) کر لیا۔ شوگر مل میں طویل عرصہ تک مزدوری کرنے کے بعد مجھے پاکستان انٹرنیشنل پبلک سکول اینڈ کالج ایبٹ آباد میں اُردو پڑھانے کی جاب ملی''۔ (۱۳۸)

ایبٹ آباد میں جاب کرنے کے بارے میں حیدر قریشی اپنے تاثرات یوں بیان کرتے ہیں:

''میری تعلیم سرکاری سکولوں کے جس ماحول میں ہوئی تھی، پاکستان انٹرنیشنل پبلک سکول اینڈ کالج کا ماحول اس سے بالکل مختلف تھا۔ اعلیٰ تعلیمی معیار کی حامل اس درس گاہ میں لکھ پتیوں اور کروڑ پتیوں کے بچے زیادہ تھے۔ میں ٹاٹ سکول سے اپنی پڑھائی شروع کرنے والا۔۔۔انگلش میڈیم ماحول میں پڑھا رہا تھا۔ وہ بھی زندگی کا ایک تجربہ تھا اور یہ بھی زندگی کا ایک تجربہ تھا۔'' (۱۳۹)

''کھٹی میٹھی یادیں'' کے ایک حصے ''شوخیاں، بچپنا'' میں حیدر قریشی اپنے بچپن اور لڑکپن کے واقعات بیان کرتے ہیں۔ بچپن کے یادگار واقعات میں سے اپنے پسندیدہ کھیلوں کا ذکر کرتے ہوئے حیدر قریشی لکھتے ہیں:

''بچپن اور لڑکپن میں میرا سب سے پسندیدہ کھیل ''گلی ڈنڈا'' تھا۔ گرمیوں کی چلچلاتی دھوپ میں بھی یہ کھیل کھیلنے کا اپنا ہی مزہ تھا۔ تھوڑی سی کرکٹ بھی کھیلے تھے لیکن ہماری کرکٹ کے قواعد ہمارے اپنے تھے۔ کپڑے کی کترنوں کو ملا جلا کر گیند تیار کی جاتی۔ اسے پنجابی میں ''کھدّو'' کہتے ہیں۔ تختی سے بیٹ کا کام لیتے۔ وکٹوں کی جگہ اینٹیں سجائی جاتیں تا کہ وکٹ گرنے کی نوبت نہ آئے۔''

(۱۴۰)

کھیلوں کے علاوہ حیدر قریشی رحیم یار خان والے آبائی گھر کا ذکر بھی کرتے ہیں جہاں انہوں نے اپنے بچپن کے دن گزارے تھے:

''ایک بار میں رحیم یار خان گیا۔ اپنے پرانے محلے میں گیا تو گلی وہی تھی لیکن گلی کے بیشتر مکان پختہ، قد آور اور خوبصورت بن چکے تھے جو مکینوں کی خوشحالی کو ظاہر کر رہے تھے۔ بُوا زیبو کا گھر البتہ ویسے کا ویسا ہی کچا کوٹھا اور جھونپڑی نما تھا۔ مجھے اس گھر کو جوں کا توں دیکھ کر اس گھر سے جڑی ہوئی ساری یادیں مسکراتی، گاتی اور اچھلتی، کودتی دکھائی دینے لگیں۔''

(۱۴۱)

حیدر قریشی اپنی خود نوشت ''کھٹی میٹھی یادیں'' میں اپنی یادوں کے ساتھ ساتھ اپنے اندر موجود خامیوں کو بھی اپنے قاری کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ ''علتیں، علالتیں'' پر مشتمل حصے میں حیدر قریشی اپنی کمزوریوں اور خامیوں کو بیان کرنے کے ساتھ اس کی وضاحت بھی کرتے ہیں۔ ''علتیں، علالتیں'' میں حیدر قریشی لکھتے ہیں:

''ہر انسان میں کمزوریاں ہوتی ہیں۔ مجھ میں بھی بہت سی کمزوریاں ہیں۔ کسی زمانے میں غصہ جلد آ جاتا تھا لیکن میری سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ میں اپنے دوستوں پر بہت جلد اعتبار کر لیتا ہوں۔ میں خود اپنے دوستوں کے تئیں جتنا مخلص ہوتا ہوں، ان کے بارے میں بھی ویسا ہی تصور کر لیتا ہوں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جب دوست میرے تصور سے کم، بلکہ بہت کم نکلتا ہے تو بجائے اپنے تصور اور اپنے رویے کو غلط سمجھنے کے اپنے دوست کو غلط سمجھ لیتا ہوں۔'' (۱۴۲)

اس کے علاوہ اپنے مزاج کے بارے میں حیدر قریشی لکھتے ہیں:

''میری بیوی کا خیال ہے کہ میں انتہا پسند ہوں۔ یا تو اتنا میٹھا بن جاؤں گا کہ دوسرا مجھے محبت ہی میں کھا جائے۔ یا اتنا کڑوا ہو جاؤں گا کہ کسی کے حلق سے ہی نہیں اتروں گا۔ مجھے اپنی اس کمزوری کا ادراک ہے۔ میں خود کو بدلنے کی کوشش کرتا ہوں لیکن جو عیب قدرتی طور پر ودیعت کیا گیا ہو وہ ختم نہیں ہو سکتا''۔ (۱۴۳)

''کھٹی میٹھی یادیں'' کے آخری حصے ''ان دیکھے، پر جانے دوست'' میں حیدر قریشی نے اپنی ادبی زندگی سے تعلق رکھنے والے

دوستوں کے بارے میں اپنی یادوں کو بیان کیا ہے:

''اَن دیکھے، پر جانے دوست''میں حیدر قریشی نے جن جن دوست احباب کا ذکر کیا ہے اُن کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

ابن صفی، امین خیال، نذیر فتح پوری، احمد حسین مجاہد، ترنم ریاض، رؤف خیر، جان عالم، محمد وسیم انجم، عارف فرہاد، ڈاکٹر مناظر عاشق وغیرہ زیادہ اہم ہیں۔

حیدر قریشی اپنے ان دوستوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اَن دیکھے دوست انسانوں میں سے ہوں یا خود خدا ہو۔ ان کی دوستی فاصلے اور اَن دیکھے ہونے کے باوجود سچے خلوص کی مہک اور سچی محبت کی خوشبو دیتی رہتی ہے۔ یوں دوستی اور تعلق کو جانا پہچانا بنا دیتی ہے۔ اسی لیے میرے سارے اَن دیکھے دوست میرے لیے جانے پہچانے دوست ہیں اور مجھے ان کی عدم موجودگی میں بھی ان کی موجودگی کا احساس رہتا ہے۔''

(۱۴۴)

حیدر قریشی کی یہ خودنوشت جب کتابی شکل میں سامنے آئے گی تو ممکن ہے ترمیم و اضافہ سے یہ آج سے قدرے مختلف ہو مگر یہ بات طے ہے کہ اپنے سادہ و پرکار انداز اور گذری زندگی کی سچی کھری اور کھٹی میٹھی یادیں پڑھنے والے پر ایک بھرپور تاثر ضرور چھوڑیں گی۔

حوالہ جات

۱۔ خاطر غزنوی، ''جدید اُردو ادب''، ص نمبر ۶۰، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور۔

۲۔ حیدرقریشی ’’افسانے‘‘پس ورق از ڈاکٹر مناظر عاشق، ہرگانوی، معیار پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۱۹۹۹ء
۳۔ مرتبین نذیر فتح پوری، سنجے گوڑ بولے ’’حیدرقریشی فن اور شخصیت‘‘، ص نمبر۹۰، اسباق پبلی کیشنز پونہ، ۲۰۰۲ء
۴۔ حیدرقریشی، ’’افسانے‘‘ ص نمبر۹
۵۔ حیدرقریشی، ’’افسانے‘‘ ص نمبر۴۳
۶۔ مرتبین نذیر فتح پوری، سنجے گوڑ بولے ’’حیدرقریشی فن اور شخصیت‘‘، ص نمبر۹۱، اسباق پبلی کیشنز پونہ، ۲۰۰۲ء
۷۔ مرتبین نذیر فتح پوری، سنجے گوڑ بولے ’’حیدرقریشی فن اور شخصیت‘‘، ص نمبر۹۲، اسباق پبلی کیشنز پونہ، ۲۰۰۲ء
۸۔ حیدرقریشی، ’’افسانے‘‘ ص نمبر۲۴
۹۔ حیدرقریشی، ’’افسانے‘‘ ص نمبر۳۹
۱۰۔ حیدرقریشی، ’’افسانے‘‘ ص نمبر۴۷
۱۱۔ مرتبین نذیر فتح پوری، سنجے گوڑ بولے ’’حیدرقریشی فن اور شخصیت‘‘، ص نمبر۹۳، اسباق پبلی کیشنز پونہ، ۲۰۰۲ء
۱۲۔ حیدرقریشی، ’’افسانے‘‘ ص نمبر۱۲
۱۳۔ محمد وسیم انجم ’’حیدرقریشی۔فکر وفن‘‘ ص ۳۵، انجم پبلی کیشنز، راول پنڈی ۱۹۹۹ء۔
۱۴۔ حیدرقریشی، ’’افسانے‘‘ ص نمبر۱۴
۱۵۔ رائے دیویندر اسر مشمولہ ’’افسانے‘‘ ص ۱۵۵، معیار پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۱۹۹۹ء
۱۶۔ رائے جیلانی کامران مشمولہ ’’افسانے‘‘ ص ۱۵۴
۱۷۔ حیدرقریشی، ’’افسانے‘‘ ص نمبر۶۱
۱۸۔ مرتبین نذیر فتح پوری، سنجے گوڑ بولے ’’حیدرقریشی فن اور شخصیت‘‘، ص نمبر۹۰، اسباق پبلی کیشنز پونہ، ۲۰۰۲ء
۱۹۔ حیدرقریشی، ’’ایٹمی جنگ‘‘ ص نمبر۷۔۸، معیار پبلی کیشنز، نئی دہلی ۱۹۹۹ء۔
۲۰۔ حیدرقریشی، ’’افسانے‘‘ ص نمبر۶۹
۲۱۔ حیدرقریشی، ’’افسانے‘‘ ص نمبر۶۸
۲۲۔ حیدرقریشی، ’’افسانے‘‘ ص نمبر۷۰
۲۳۔ حیدرقریشی، ’’افسانے‘‘ ص نمبر۷۰
۲۴۔ محمد وسیم انجم، ’’حیدرقریشی۔فکر وفن‘‘ ، ص نمبر۶۰
۲۵۔ حیدرقریشی، ’’افسانے‘‘ ص نمبر۹۲
۲۶۔ مرتبین نذیر فتح پوری، سنجے گوڑ بولے ’’حیدرقریشی فن اور شخصیت‘‘، ص نمبر۹۵، اسباق پبلی کیشنز پونہ، ۲۰۰۲ء
۲۷۔ حیدرقریشی، ’’افسانے‘‘ پس ورق از ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی۔
۲۸۔ حیدرقریشی، ’’افسانے‘‘ ص نمبر۱۴
۲۹۔ حیدرقریشی، ’’افسانے‘‘ ص نمبر۲۱
۳۰۔ محمد وسیم انجم، ’’حیدرقریشی فکر وفن‘‘، ص نمبر۳۵
۳۱۔ حیدرقریشی، ’’افسانے‘‘ ص نمبر۹۷
۳۲۔ حیدرقریشی، ’’افسانے‘‘ ص نمبر۹۸
۳۳۔ حیدرقریشی، ’’افسانے‘‘ ص نمبر۹۹
۳۴۔ رائے دویندر اسر مشمولہ ’’افسانے‘‘ ص نمبر۱۵۴، ۱۵۵
۳۵۔ رائے ڈاکٹر انور سدید مشمولہ ’’افسانے‘‘ ص نمبر۱۵۳

۳۶۔ محمد وسیم انجم، ’’حیدر قریشی، فکر و فن‘‘ ص نمبر ۳۱

۳۷۔ سہ ماہی، ’’الزبیر‘‘ ص نمبر ۳۴۴، اردو اکادمی، بہاول پور۔ ۱۹۹۸ء

۳۸۔ حیدر قریشی ’’سوئے حجاز‘‘ ص نمبر ۷، معیار پبلی کیشنز، نئی دہلی۔ ۲۰۰۰ء

۳۹۔ حیدر قریشی ’’سوئے حجاز‘‘ ص نمبر ۱۳

۴۰۔ حیدر قریشی ’’سوئے حجاز‘‘ ص نمبر ۱۶

۴۱۔ حیدر قریشی ’’سوئے حجاز‘‘ ص نمبر ۱۷

۴۲۔ حیدر قریشی ’’سوئے حجاز‘‘ ص نمبر ۲۲

۴۳۔(۱) حیدر قریشی ’’سوئے حجاز‘‘ ص نمبر ۳۶

۴۳۔(۲) سہ ماہی ’’الزبیر‘‘ ص نمبر ۲۹۴

۴۴۔ حیدر قریشی ’’سوئے حجاز‘‘ ص نمبر ۳۸

۴۵۔ حیدر قریشی ’’سوئے حجاز‘‘ ص نمبر ۴۵

۴۶۔ حیدر قریشی ’’سوئے حجاز‘‘ ص نمبر ۴۷

۴۷۔ حیدر قریشی ’’سوئے حجاز‘‘ ص نمبر ۲۰

۴۸۔ حیدر قریشی ’’سوئے حجاز‘‘ ص نمبر ۲۱

۴۹۔ حیدر قریشی ’’سوئے حجاز‘‘ ص نمبر ۳۶

۵۰۔ حیدر قریشی ’’سوئے حجاز‘‘ ص نمبر ۶۴

۵۱۔ حیدر قریشی ’’سوئے حجاز‘‘ ص نمبر ۲۹

۵۲۔ حیدر قریشی ’’سوئے حجاز‘‘ ص نمبر ۹۴

۵۳۔ حیدر قریشی ’’سوئے حجاز‘‘ ص نمبر ۲۲۔۲۳

۵۴۔ حیدر قریشی ’’سوئے حجاز‘‘ ص نمبر ۴۹

۵۵۔ حیدر قریشی ’’سوئے حجاز‘‘ ص نمبر ۳۹

۵۶۔ حیدر قریشی ’’سوئے حجاز‘‘ ص نمبر ۵۸۔۵۹

۵۷۔ حیدر قریشی ’’سوئے حجاز‘‘ ص نمبر ۲۶

۵۸۔ حیدر قریشی ’’سوئے حجاز‘‘ ص نمبر ۳۰

۵۹۔ حیدر قریشی ’’سوئے حجاز‘‘ ص نمبر ۵۲

۶۰۔ حیدر قریشی ’’سوئے حجاز‘‘ ص نمبر ۶۱

۶۱۔ حیدر قریشی ’’سوئے حجاز‘‘ ص نمبر ۹۸

۶۲۔ حیدر قریشی ’’سوئے حجاز‘‘ ص نمبر ۹۹، مقطع میں ’’نعت‘‘ کا قافیہ غور طلب ہے۔

۶۳۔ خاطر غزنوی ’’جدید اردو ادب‘‘ ص نمبر ۴۳، سنگِ میل پبلی کیشنز۔ لاہور۔ ۱۹۸۵ء

۶۴۔ محمد وسیم انجم ’’حیدر قریشی، فکر و فن‘‘ ص نمبر ۸۵، انجم پبلی کیشنز، راولپنڈی۔ ۱۹۹۹ء

۶۵۔ مرتّبین ڈاکٹر شفیق احمد۔ ڈاکٹر روشن آراء راؤ ’’انتخاب انشائیہ نمبر‘‘ ص نمبر ۴۹۔ کاروانِ ادب، ملتان۔

۶۶۔ محمد وسیم انجم ’’حیدر قریشی، فکر و فن‘‘ ص نمبر ۸۶

۶۷۔ حیدر قریشی ’’عہد ساز شخصیت‘‘ ص نمبر ۲۱، نایاب پبلی کیشنز، خان پور۔ ۱۹۹۵ء

۶۸۔ حیدر قریشی ’’فاصلے، قربتیں،، (زیر اشاعت)

۶۹۔ حیدرقریشی ’’فاصلے،قربتیں،،(زیراشاعت)
۷۰۔ محمد وسیم انجم ’’حیدرقریشی ،فکروفن‘‘ص نمبر۸۷
۷۱۔ ڈاکٹرسلام سندیلوی ’’ادب کا تنقیدی مطالعہ‘‘ص نمبر۲۱۱،مکتبہ میری لائبریری لاہور۔۱۹۸۶ء
۷۲۔ حیدرقریشی ’’فاصلے،قربتیں،،(زیراشاعت)
۷۳۔ حیدرقریشی ’’فاصلے،قربتیں،،(زیراشاعت)
۷۴۔ حیدرقریشی ’’فاصلے،قربتیں،،(زیراشاعت)
۷۵۔ حیدرقریشی ’’فاصلے،قربتیں،،(زیراشاعت)
۷۶۔ حیدرقریشی ’’فاصلے،قربتیں،،(زیراشاعت)
۷۷۔ حیدرقریشی ’’فاصلے،قربتیں،،(زیراشاعت)
۷۸۔ حیدرقریشی ’’فاصلے،قربتیں،،(زیراشاعت)
۷۹۔ ڈاکٹرسلام سندیلوی ’’ادب کا تنقیدی مطالعہ‘‘ص نمبر۳۱۶
۸۰۔ حیدرقریشی ’’فاصلے،قربتیں،،(زیراشاعت)
۸۱۔ حیدرقریشی ’’فاصلے،قربتیں،،(زیراشاعت)
۸۲۔ حیدرقریشی ’’فاصلے،قربتیں،،(زیراشاعت)
۸۳۔ محمد وسیم انجم ’’حیدرقریشی ،فکروفن‘‘ص نمبر۹۳
۸۴۔ محمد وسیم انجم ’’حیدرقریشی ،فکروفن‘‘ص نمبر۹۳
۸۵۔ آکسفورڈ انگلش ڈکشنری۔ایڈیشن۔۱۹۶۱ء
۸۶۔ شاہد احمد دہلوی ’’گنجینہ ءگوہر‘‘دیباچہ از جمیل جالبی۔مکتبہ اسلوب کراچی ۱۹۸۶ءص ۹
۸۷۔ یحیٰ امجد ’’فن اور فیصلے‘‘ کتابیات حمید،نظامی روڈ لاہور۔۱۹۶۹ء
۸۸۔ مولوی عبدالحق ’’چند ہم عصر‘‘ص نمبر۱۶۴،اردو اکیڈمی سندھ کراچی۔۱۹۶۱ء
۸۹۔ ڈاکٹر سید محمد عارف۔’’شاہد احمد دہلوی۔حالات وآثار‘‘ص نمبر۱۹۲،انجمن ترقی اردو پاکستان۔۲۰۰۰ء
۹۰۔ مرتّبین ،نذیر فتح پوری۔سنجے گوڑ بولے،’’حیدر قریشی فن اور شخصیت‘‘ص نمبر۱۱۵
۹۱۔ حیدرقریشی ’’میری محبتیں‘‘پس ورق از اشفاق احمد،معیار پبلی کیشنز،دہلی ۱۹۹۸ء
۹۲۔ مرتّبین ،نذیر فتح پوری۔سنجے گوڑ بولے،’’حیدر قریشی فن اور شخصیت‘‘ص نمبر۱۱۷
۹۳ مرتّبین ،نذیر فتح پوری۔سنجے گوڑ بولے،’’حیدر قریشی فن اور شخصیت‘‘ص نمبر۱۱۵
۹۴۔ مرتّبین ،نذیر فتح پوری۔سنجے گوڑ بولے،’’حیدر قریشی فن اور شخصیت‘‘ص نمبر۱۱۵
۹۵۔ حیدرقریشی ’’میری محبتیں،،ص نمبر۱۰
۹۶۔ حیدرقریشی ’’میری محبتیں،،ص نمبر۲۱
۹۷۔ ڈاکٹر سید محمد عارف ’’شاہد احمد دہلوی۔ حالات وآثار،ص نمبر۱۵۷
۹۸۔ حیدرقریشی ’’میری محبتیں،،ص نمبر۲۱
۹۹۔ حیدرقریشی ’’میری محبتیں،،ص نمبر۲۲
۱۰۰۔ حیدرقریشی ’’میری محبتیں،،ص نمبر۰۷
۱۰۱۔ حیدرقریشی ’’میری محبتیں،،ص نمبر۴۴
۱۰۲۔ حیدرقریشی ’’میری محبتیں،،ص نمبر۱۴

۱۰۳۔ مرتّبین ،نذیر فتح پوری۔سنجے گوڑ بولے،''حیدر قریشی فن اور شخصیت''ص نمبر۱۱۶
۱۰۴۔ حیدر قریشی''میری محبتیں،،ص نمبر۴۶
۱۰۵۔ حیدر قریشی''میری محبتیں،،ص نمبر۳۶
۱۰۶۔ اقتباس خطوط بحوالہ ماہانہ ادبی خبر نامہ''اردو دنیا''جرمنی،شمارہ فروری ۲۰۰۰ء
۱۰۷۔ مرتّبین ،نذیر فتح پوری۔سنجے گوڑ بولے،''حیدر قریشی فن اور شخصیت''ص نمبر۱۱۹
۱۰۸۔ حیدر قریشی''میری محبتیں،،ص نمبر۱۵
۱۰۹۔ حیدر قریشی''میری محبتیں،،ص نمبر۴۷
۱۱۰۔ حیدر قریشی''میری محبتیں،،ص نمبر ۱۱۶
۱۱۱۔ حیدر قریشی''میری محبتیں،،ص نمبر۱۱۸
۱۱۲۔ حیدر قریشی''میری محبتیں،،ص نمبر۹۵
۱۱۳۔ حیدر قریشی''میری محبتیں،،ص نمبر۱۱۲
۱۱۴۔ شاہد احمد دہلوی''گنجینہ ءگوہر''دیباچہ از جمیل جالبی۔مکتبہ اسلوب کراچی ۱۹۸۶ء
۱۱۵۔ ڈاکٹر سید محمد عارف''شاہد احمد دہلوی۔حالات وآثار''ص نمبر۱۵۶
۱۱۶۔ حیدر قریشی''میری محبتیں،،ص نمبر۱۱۶
۱۱۷۔ حیدر قریشی''میری محبتیں،،ص نمبر۱۶۳
۱۱۸۔ حیدر قریشی''میری محبتیں،،پس ورق از جوگندر پال
۱۱۹۔ مرتّبین ،نذیر فتح پوری۔سنجے گوڑ بولے،''حیدر قریشی فن اور شخصیت''ص نمبر۱۱۶
۱۲۰۔ حیدر قریشی''میری محبتیں،،ص نمبر۲۲
۱۲۱۔ حیدر قریشی''میری محبتیں،،ص نمبر۱۴۲
۱۲۲۔ مرتّبین ،نذیر فتح پوری۔سنجے گوڑ بولے،''حیدر قریشی فن اور شخصیت''ص نمبر۱۲۱
۱۲۳۔ مرتّبین ،نذیر فتح پوری۔سنجے گوڑ بولے،''حیدر قریشی فن اور شخصیت''ص نمبر۱۱۵
۱۲۴۔ مرتّبین ،نذیر فتح پوری۔سنجے گوڑ بولے،''حیدر قریشی فن اور شخصیت''ص نمبر۱۱۸
۱۲۵۔ حیدر قریشی''میری محبتیں،،ص نمبر۲۱
۱۲۶۔ حیدر قریشی''میری محبتیں،،ص نمبر۱۷
۱۲۷۔ حیدر قریشی''میری محبتیں،،ص نمبر۶۶
۱۲۸۔ حیدر قریشی''میری محبتیں،،ص نمبر۶۷
۱۲۹۔ مرتّبین ،نذیر فتح پوری۔سنجے گوڑ بولے،''حیدر قریشی فن اور شخصیت''ص نمبر۱۲۲
۱۳۰۔ مرتّبین ،نذیر فتح پوری۔سنجے گوڑ بولے،''حیدر قریشی فن اور شخصیت''ص نمبر۱۶۰
۱۳۱۔ ادبی جریدہ''جدید ادب جرمنی''ص نمبر۲۰۳،سرور ادبی اکادمی جرمنی،مئی ۲۰۰۰ء
۱۳۲۔ ادبی جریدہ''جدید ادب جرمنی''ص نمبر۲۰۳
۱۳۳۔ ادبی جریدہ''جدید ادب جرمنی''ص نمبر۲۰۵۔۲۰۶
۱۳۴۔ ادبی جریدہ''جدید ادب جرمنی''ص نمبر۲۱۱
۱۳۵۔ ادبی جریدہ''جدید ادب جرمنی''ص نمبر۲۱۱۔۲۱۲
۱۳۶۔ ادبی جریدہ''جدید ادب جرمنی''ص نمبر۲۱۳

۱۳۷۔ ادبی جریدہ ''جدید ادب جرمنی''، ص نمبر ۲۱۷

۱۳۸۔ حیدر قریشی، ''کھٹی میٹھی یادیں'' (زیر اشاعت)

۱۳۹۔ حیدر قریشی، ''کھٹی میٹھی یادیں'' (زیر اشاعت)

۱۴۰۔ حیدر قریشی، ''کھٹی میٹھی یادیں'' (زیر اشاعت)

۱۴۱۔ حیدر قریشی، ''کھٹی میٹھی یادیں'' (زیر اشاعت)

۱۴۲۔ حیدر قریشی، ''کھٹی میٹھی یادیں'' (زیر اشاعت)

۱۴۳۔ حیدر قریشی، ''کھٹی میٹھی یادیں'' (زیر اشاعت)

۱۴۴۔ حیدر قریشی، ''کھٹی میٹھی یادیں'' (زیر اشاعت)

باب پنجم

حیدر قریشی

بحیثیت نقاد

حیدر قریشی بحیثیت نقاد

تنقید کسی فن پارے کے حسن وقبح کو پرکھ کر منصفانہ اظہار رائے کا نام ہے۔تنقید کو نقدِ حیات کا منصب حاصل ہے کیونکہ ہر فن پارہ زندگی یا اس کے کسی نہ کسی پہلو کی ترجمانی وعکاسی کرتا ہے۔اس لئے تنقید کے مقاصد تبھی حاصل کیے جاسکتے ہیں۔اگر نقاد زندگی کی صداقتوں کا شعور وادراک رکھتا ہو۔خود اِن صداقتوں کے تخلیقی اظہار کی قدرت رکھتا ہو اور سب سے اہم بات یہ کہ اس تجزیاتی شعور تعصب سے پاک اور غیر جانبدارانہ ہو۔اردو ادب میں صحت مند تنقید کی روایت کی بدولت لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی ہوتی رہی ہے اور ان کا تخلیقی جوہر ترقی کی منزلیں طے کرتا رہا ہے۔تنقید کی اسی صحت مند روایت کی پاسداری کرنے والوں میں حیدر قریشی کو شمار کیا جاسکتا ہے۔حیدر قریشی کا تنقیدی شعور اگر چہ ان کی شعری ونثری نگارشات میں بھی جلوہ گر ہے مگر اُن کی تنقیدی کتب میں اُن کا یہ جوہر خاص طور پر نمایاں نظر آتا ہے۔ حیدر قریشی کی کی تنقیدی کتب مندرجہ ذیل ہیں۔

(الف) ڈاکٹر وزیر آغا۔عہد ساز شخصیت

(ب) اُردو میں ماہیا نگاری

(ج) اُردو ماہیے کی تحریک

(د) اُردو ماہیے کے بانی۔ہمت رائے شرما

آئندہ صفحات میں ان کتب کا الگ الگ جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

۱۔ڈاکٹر وزیر آغا۔ عھد ساز شخصیت:

’’ڈاکٹر وزیر آغا۔عہد ساز شخصیت‘‘ حیدر قریشی کے تنقیدی مضامین پر مشتمل کتاب ہے۔جس میں انہوں نے ڈاکٹر وزیر آغا کی ہمہ جہت اور ہمہ رنگ شخصیت اور اس کے فنی وفکری گوشوں کو فکر انگیز عقیدیت سے بیان کیا ہے۔حیدر قریشی اپنی اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں۔

’’میری یہ کتاب ان مضامین کا مجموعہ ہے جو میں نے گزشتہ دس برس کے دوران ڈاکٹر وزیر آغا کے فن کی مختلف جہات پر وقتاً فوقتاً تحریر کیے ہیں۔جب مجھے انہیں یکجا کرنے کا خیال

> آیا تب اندازہ ہوا کہ یہ بکھرے ہوئے مضامین الگ الگ ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے مربوط ہیں اوران سے علم وفن کی کسی سطح کا سہی، ڈاکٹر وزیر آغا کے بارے میں ایک واضح تاثر سامنے آتا ہے۔(۱)

۱۹۹۵ء میں نایاب پبلی کیشنز خان پور کی جانب سے شائع ہونے والی اس کتاب ''ڈاکٹر وزیر آغا۔عہد ساز شخصیت'' میں حیدر قریشی نے ''ابتدائیہ'' کے نام سے دیباچہ خود تحریر کیا ہے۔اس ابتدائیہ میں ڈاکٹر وزیر آغا کے بارے میں حیدر قریشی لکھتے ہیں۔

> ''ڈاکٹر وزیر آغا ہمارے ادب کی عہد ساز شخصیت ہیں۔عہد ساز شخصیت کے الفاظ میں نے محبت یا مروت میں نہیں لکھے بلکہ ایک حقیقت بیان کی ہے۔یوں تو ان کی مجموعی ادبی کارکردگی کے اثرات پاکستان اور ہندوستان کے ادب پرا تنے نمایاں ہیں کہ سنجیدہ ترقی پسند ناقدین نے بھی برملاطور پراس کا اقرار کیا ہے تاہم جیسے جیسے وقت گزرے گا ان کے گہرے اثرات کا دائرہ وسیع تر ہوتا جائے گا۔'' (۲)

''ابتدائیہ'' کے بعد حیدر قریشی نے ڈاکٹر وزیر آغا کے مختصر کوائف زمانی تسلسل سے تحریر کیے ہیں جو کہ اُن کی وسیع خدمات کا ثبوت ہیں۔

مضمون ''عہد ساز شخصیت'' میں حیدر قریشی نے ڈاکٹر وزیر آغا کی شخصیت کے بارے میں اپنے تاثرات اور تجربات کو بیان کرتے ہوئے ناقدانہ رائے کا اظہار کیا ہے۔مضمون کے آغاز میں حیدر قریشی خود کو ادبی دنیا کا نووارد کہتے ہوئے، ڈاکٹر وزیر آغا سے اپنی ذہنی اور علمی ملاقاتوں کا ذکر کرتے ہیں۔

> ''میں ادبی دنیا میں نووارد تھا......اس دوران مجھے ''تنقید اور احتساب'' پڑھنے کا موقع ملا تو یوں لگا میرے مبہم اور غیر واضح تصورات کو اصل صورت ملنے لگی ہے۔یہ ڈاکٹر وزیر آغا سے علمی سطح پر میری پہلی ملاقات تھی۔اس کے بعد ''نظم جدید کی کروٹیں'' اور ''نئے مقالات'' کے ذریعے ڈاکٹر وزیر آغا سے مزید دو ملاقاتیں ہوئیں اور مجھے احساس ہوا کہ ادب کے بارے میں جو کچھ میں سوچتا ہوں مگر میری گرفت میں نہیں آیا وہ سب وزیر آغا کی گرفت میں ہے۔(۳)

پھر جب حیدر قریشی نے باقاعدہ طور پر ادبی دنیا میں قدم رکھا اور ادبی رسالہ ''جدید ادب'' کے اجراء کا پروگرام بنایا تو ڈاکٹر انور سدید کے ذریعے حیدر قریشی کی باقاعدہ قلمی ملاقات ہوئی اور ڈاکٹر وزیر آغا نے معمولی سی درخواست پر نہ صرف محبت سے اپنی نگارشات ''جدید ادب'' کے لیے دے دیں بلکہ ایک استاد اور رہنما کے طور پر حیدر قریشی کو ادبی دنیا میں آگے بڑھنے میں مدد بھی دی۔اسی رہنمائی کی بدولت حیدر قریشی نے انشائیہ نگاری کی صنف کو اپنایا۔اس کے علاوہ اُن کی اکثر تخلیقات بھی ڈاکٹر وزیر آغا کے مجلّہ ''اوراق'' میں شائع

ہونے لگیں۔ ڈاکٹر وزیر آغا کے مشفقانہ رویے اور پُر خلوص رہنمائی نے حیدر قریشی پر اُن کی شخصیت کے متعدد پہلوؤں کو اُجاگر کیا۔

حیدر قریشی ''ابتدائیہ'' میں ڈاکٹر وزیر آغا کی زندگی اور اُن کی شخصیت کے بارے میں اپنی رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> ''وزیر آغا دشمن کے تیر سہنے کا حوصلہ رکھتے ہیں مگر دوستوں کے مارے ہوئے پھول نہیں سہہ سکتے۔ ہاں اگر دوست کھل کر دشمن بن جائے تو پھر ان کی زہریلی مخالفت کو بھی ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ پی لیتے ہیں۔'' (۴)

ڈاکٹر وزیر آغا کی سوانح عمری ''شام کی منڈیر سے'' پر اپنے تنقیدی مضمون میں حیدر قریشی نے نہ صرف اُن کی زندگی کے چھپے ہوئے گوشوں کو کھولنے کی کوشش کی ہے بلکہ قارئین کے لیے بھی ڈاکٹر وزیر آغا کو سمجھنے کا موقعہ فراہم کیا ہے۔ ''شام کی منڈیر سے'' کے بارے میں اپنی ناقدانہ رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> ''شام کی منڈیر سے'' ادب کے ان قارئین کے لیے گائیڈ بک کا کام بھی دیتی ہے جنہیں عام طور پر یہ شکایت ہے کہ وزیر آغا کی شاعری پوری طرح انہیں سمجھ نہیں آتی۔ مجھے یقین ہے اگر ایسے قارئین ایمان داری سے ''شام کی منڈیر سے'' پڑھ لیں تو ان کی عدم تفہیم کی شکایت نہ صرف دور ہو جائے گی بلکہ انہیں وزیر آغا کے تصورات کو ان کے حقیقی روپ میں دیکھنے کا موقع بھی ملے گا۔'' (۵)

''شام کی منڈیر سے'' میں موجود ڈاکٹر وزیر آغا کی زندگی کے پہلوؤں کو ''اُن کی تخلیقات کا ایک نیا جہان معنی'' قرار دیتے ہوئے حیدر قریشی ڈاکٹر وزیر آغا کے سائنسی، اسلامی اور فلسفیانہ اندازِ بیان کے بارے میں اظہارِ رائے کرتے ہیں۔

> ''سائنس کو وہ اس کے وسیع تر مفہوم میں لیتے ہیں اور کائناتِ اصغر کی نئی نئی دریافتوں سے خوش گوار حیرتوں میں مبتلا ہوتے ہیں...... روحانیت اور سائنس کے حیرت افزاء انکشافات کو وہ ادبی زاویے سے بھی دیکھتے ہیں اور اپنی تخلیقات کو ان سے منور بھی کرتے ہیں۔ یوں ان کے ہاں ادب محض حسن و عشق کا بیان یا محض احتجاج نہیں بنتا بلکہ وہ تو زندگی اور کائنات کے بے شمار اسرار و رموز کی نقاب کشائی کا موجب بنتا ہے پھر وہ اپنے کشف کو اپنے تک محدود نہیں رکھتے بلکہ اپنے قارئین کو بھی اس کی حیرتوں اور مسرتوں میں شریک کرتے ہیں۔'' (۶)

''شام کی منڈیر سے'' میں موجود ادبی اور روحانی موضوعات کا مطالعہ کرنے سے حیدر قریشی اپنے اندر پیدا ہونے والی نئی کیفیت کا اقرار بھی کرتے ہیں۔

> ''اس کتاب کے مطالعہ نے نہ صرف نئی سائنسی معلومات کے باعث مجھے بارہا حیرت زا

مسرت سے دوچار کیا ہے، بلکہ روحانی سطح پر بھی میرے اندر ایک تبدیلی پیدا کی ہے۔ میرے الہیاتی تصورات میں ٹوٹ پھوٹ ہوئی ہے اور پھر ایک نئی تعمیر کا عمل بھی جاری ہوا ہے۔''

(۷)

محمد وسیم انجم بھی حیدر قریشی کی تخلیقات اور ڈاکٹر وزیر آغا کی سوانح عمری ''شام کی منڈیر سے'' میں موجود مشترکہ کیفیات کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''شام کی منڈیر سے'' جہاں دیہات کی زندگی کی عکاسی ہوتی ہے، وہاں اسلامی واقعات، سائنسی انکشافات، روحانی اسرار و رموز بڑے دلکش انداز میں قارئین کے سامنے پیش کرتی ہے اور یہی کیفیات حیدر قریشی کی نگارشات میں بدرجہء اُتم پائی جاتی ہیں۔''

(۸)

حیدر قریشی اپنے مضمون ''شام کی منڈیر سے'' میں وزیر آغا کی زندگی کے چند واقعات اور اُن کے ذہنی ارتقاء کو پیش کرنے کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر وزیر آغا کی سوانح عمری کے اسلوبیاتی انداز کے بارے میں بھی اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔

''شام کی منڈیر سے'' اپنے اسلوب کے لحاظ سے سوانح عمری، سیاحت نامہ اور سفر نامہ نگاری کا خوب صورت امتزاج ہے۔ وزیر آغا نے عمرِ رفتہ کو آواز نہیں دی بلکہ اب تک کی بیتی ہوئی زندگی کے نہاں خانے میں اپنے سارے سفر کو دہرایا ہے۔ یہ سفر کہیں ایک مسافر کے انداز میں سر ہوا ہے تو کہیں کسی سیاح کے روپ میں۔'' (۹)

حیدر قریشی اپنے چوتھے مضمون ''دو نظموں کا مطالعہ'' میں ڈاکٹر وزیر آغا کی دو طویل نظموں ''آدھی صدی کے بعد'' اور ''اک کتھا انوکھی'' کا فنی و فکری نقطہء نظر سے تجزیہ کرتے ہیں۔

''آدھی صدی کے بعد'' ڈاکٹر وزیر آغا کی منظوم آپ بیتی کے طور پر ۱۹۸۱ء میں منظرِ عام پر آئی جبکہ ''اک کتھا انوکھی'' منظوم جگ بیتی کے روپ میں ۱۹۹۰ء میں شائع ہوئی۔ اِن دونوں نظموں کا تنقیدی تجزیہ کرتے ہوئے حیدر قریشی اپنے نقطہء نظر کا اظہار کرتے ہیں۔

''آدھی صدی کے بعد'' وزیر آغا کی منظوم آپ بیتی ہے جبکہ ''اک کتھا انوکھی'' منظوم جگ بیتی ہے۔ آپ بیتی کا کمال یہ ہے کہ اس میں جگ بیتی کی ایک زیریں لہر ساتھ ساتھ چلی جاتی ہے جبکہ موجودہ جگ بیتی کا کمال یہ ہے کہ اس میں آپ بیتی کی ایک زیریں لہر ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ دونوں نظموں کے سفر اندر کے رستے سے طے ہوئے ہیں۔'' (۱۰)

دونوں طویل نظمیں اپنے اندر رمزیت اور اشاریت کے ساتھ ساتھ زندگی کے اُتار چڑھاؤ کو لیے ڈاکٹر وزیر آغا کی داستانِ حیات بیان کرتی محسوس ہوتی ہیں۔ اِسی لیے حیدر قریشی دونوں نظموں ''آدھی صدی کے بعد'' اور ''اک کتھا انوکھی'' کو ڈاکٹر وزیر آغا کے ''اندر کا

سفر'' قرار دیتے ہوئے، قارئین پر اِن کی اہمیت یوں اجاگر کرتے ہیں۔

''دونوں نظمیں وزیر آغا کی بہترین ہی نہیں جدید ادب کی اعلیٰ ترین اور خوبصورت ترین نظمیں ہیں۔''آدھی صدی کے بعد'' نے نو سال کے عرصہ میں جدید نظم نگاروں پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔''اک کتھا انوکھی'' بھی جدید نظم نگاروں کی ایک نسل کو متاثر کرے گی اور نظم نگاری میں مزید تبدیلیاں پیدا کرے گی۔'' (۱۱)

''چہک اُٹھی لفظوں کی چھاگل'' ڈاکٹر وزیر آغا کے ۱۹۴۶ء سے لے کر ۱۹۹۰ء کے دوران تخلیق کردہ مطبوعہ شعری مجموعوں پر مشتمل کلیات ہے جو ۱۹۹۱ء میں منظر عام پر آیا۔ حیدر قریشی نے اس کلیات میں موجود نظموں کا فنی اور فکری تجزیہ کرتے ہوئے ڈاکٹر وزیر آغا کی شاعری کے ساتھ ساتھ، اُن کی شخصیت کے متعدد پہلوؤں کو بھی اپنے قارئین کے سامنے پیش کیا ہے۔

اپنے مضمون ''چہک اُٹھی لفظوں کی چھاگل'' میں حیدر قریشی ڈاکٹر وزیر آغا کی کائناتی اور سماجی دائروں میں سانس لیتی فلسفیانہ انداز و فکر سے بھرپور نظموں سے وزیر آغا کو ملنے والی اہمیت اور عظمت کی پیش گوئی کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''مجید امجد کی زندگی میں اس کی تفہیم پر توجہ نہیں دی گئی تھی لیکن اب مجید امجد کو سمجھا جانے لگا ہے۔ جب مجید امجد کو پوری طرح سمجھ لیا جائے گا تب وزیر آغا کی نظموں کی اہمیت اور عظمت کا بھی کھل کر اعتراف کیا جائے گا کیونکہ وزیر آغا کی نظم مجید امجد کی نظم سے آگے کی تخلیق ہے۔تب ادبی سیاست دانوں کی سیاست گری کا طلسم وزیر آغا کی عظمت کی تخلیقات کے سامنے اسی طرح دھواں ہو جائے گا جس طرح مجید امجد کی نظم کے سامنے ہوا ہو گیا ہے۔'' (۱۲)

اپنے مضمون ''وزیر آغا کی غزلیں'' میں حیدر قریشی ڈاکٹر وزیر آغا کی روایت اور جدت سے مزین موضوعات اور علامتوں سے بھرپور غزلوں کو موضوعِ بحث بناتے ہوئے اپنے تنقیدی خیالات بیان کیے ہیں۔ ڈاکٹر وزیر آغا کی غزلیں اپنے فطری اور جدت و ندرت سے ہم آہنگ نئی جہتوں کو روشناس کراتی ہے۔غزلوں کے اس حقیقی اور فطری اظہار پر حیدر قریشی لکھتے ہیں۔

''وزیر آغا کی منزل اپنے عصر کو عبور کرنے کے بعد زیادہ با معنی ہو جائے گی اور ایک عرصہ تک اس کے منفرد لہجے اور ذائقے سے نئی غزل کی عزت اور توقیر بنی رہے گی۔'' (۱۳)

''پہلا ورق'' ڈاکٹر وزیر آغا کے مجلّہ ''اوراق'' کے اداریوں پر مشتمل مرتب کردہ کتاب پر ہے۔ اس کو حیدر قریشی اور راغب شکیب نے اپنی مشترکہ کوششوں سے ترتیب دیا۔ اِس میں اوراق کے سب سے پہلے شمارہ کے اداریہ، ۱۹۶۶ء سے لے کر شمارہ جون، جولائی ۱۹۸۹ء تک کے تمام اداریے شامل کیے گئے ہیں۔ حیدر قریشی نے اس کتاب کا پیش لفظ ''پہلا ورق'' کے عنوان سے تحریر کیا اور یہی پیش لفظ حیدر

قریشی کی کتاب ''ڈاکٹر وزیر آغا۔عہد ساز شخصیت'' میں شامل کیا گیا ہے۔''پہلا ورق'' میں حیدر قریشی دعویٰ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''عہد آفریں رسالہ'' ''اوراق'' کے اداریوں کا یہ مجموعہ غالباً کسی ادبی جریدے کے اداریوں کا پہلا مجموعہ ہے۔'' (۱۴)

حیدر قریشی اِس مضمون میں ''اوراق'' کی اہمیت اور افادیت کی وضاحت کے ساتھ ساتھ اُردو انشائیہ کے فروغ میں اہم کردار ادا کرنے پر ''اوراق'' کے اداریوں کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''تخلیقی سچائی کے اظہار میں ''اوراق نے آسمان کو نظرانداز نہیں کیا، لیکن زمین کی اہمیت کو بھی اجاگر کیا۔'' (۱۵)

''پہلا ورق'' کو ''ڈاکٹر وزیر آغا کی شخصیت کا اظہار'' کہتے ہوئے حیدر قریشی اپنی ناقدانہ بصیرت کا یوں اظہار کرتے ہیں۔

''اُن کے مزاج کا دھیما پن ''پہلا ورق'' کے ایک لفظ سے عیاں ہے۔تنقید میں ان کا انداز ہ عموماً تمثیلی ہوتا ہے، چنانچہ ''پہلا ورق'' کا اسلوب بھی تمثیلی ہے۔انشائیہ کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس میں مزید سوچ کی گنجائش بھی رہتی ہے۔......انشائیہ ایک صنف ادب ہونے کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر وزیر آغا کی شخصیت کا ایک رنگ بھی ہے اور اس رنگ کی چمک ''پہلا ورق'' میں بھی نظر آتی ہے۔'' (۱۶)

اپنی کتاب ''ڈاکٹر وزیر آغا۔عہد ساز شخصیت'' کے مضمون ''اردو انشائیہ اور اس کے بانی کی انشائیہ نگاری'' میں حیدر قریشی اُردو ادب میں انشائیہ نگاری اور ڈاکٹر وزیر آغا کو انشائیہ نگاری کے بانی کے طور پر متعارف کراتے ہیں۔حیدر قریشی انشائیہ کے سلسلے میں کی جانے والی کوششوں اور وزیر آغا کو انشائیہ کا ''اظہار اولین'' قرار دیئے جانے پر اصرار کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

''وزیر آغا پہلے انشائیہ نگار بھی ہیں اور کمال فن کے لحاظ سے آخری بھی، لیکن انہوں نے اس صنف کے ارتقاء میں اپنی ذمہ داریوں سے کبھی پہلو تہی نہیں کی۔'' (۱۷)

اس کے ساتھ ساتھ ہی حیدر قریشی انشائیہ نگاری کے بارے میں دوٹوک لفظوں میں اپنا نقطہء نظر پیش کرتے ہیں۔

''معترفین اور مخالفین کی تمام تر منفی کاوشوں کے باوجود اُردو انشائیہ کے بانی وزیر آغا ہی رہیں گے۔'' (۱۸)

حیدر قریشی زیر تبصرہ مضمون میں ڈاکٹر وزیر آغا کی نظموں اور انشائیوں کے درمیان موجود ربط اور مشترک موضوعاتی رجحانات کے بارے میں بھی تجزیہ کرتے ہوئے ڈاکٹر وزیر آغا کی ناقدانہ صلاحیتوں کا بھی اعتراف کرتے ہیں۔حیدر قریشی زیر تبصرہ کتاب کے مضمون ''ڈاکٹر وزیر آغا کی تنقید نگاری کا اجمالی جائزہ'' میں ڈاکٹر وزیر آغا کی ادبی زندگی کے آغاز و ارتقاء کے منفرد پہلوؤں کو اُن کی تصانیف کے حوالے سے پیش کرتے ہیں۔حیدر قریشی اپنے اس مضمون میں وزیر آغا کی ادبی زندگی کے پہلے قلمی نام کا انکشاف کرتے ہیں۔

''وزیر آغا شروع میں نصیر آغا کے قلمی نام سے ''ادبی دنیا'' میں مضامین لکھتے رہے۔
''محبت کا تدریجی ارتقاء'' ان کا پہلا مضمون تھا جوان کے موجودہ نام کے ساتھ شائع ہوا۔''
(۱۹)

مضمون ''ڈاکٹر وزیر آغا کی تنقید نگاری کا اجمالی جائزہ'' میں حیدر قریشی نے ڈاکٹر وزیر آغا کی جس تنقیدی کتب پر روشنی ڈالی ہے، اُن کی ایک فہرست محمد وسیم انجم اِس ترتیب سے پیش کرتے ہیں۔

''(۱) مسرت کی تلاش ۱۹۵۳ء (۲) اُردو ادب میں طنز و مزاح ۱۹۵۸ء (۳) نظم جدید کی کروٹیں ۱۹۶۳ء (۴) اُردو شاعری کا مزاج ۱۹۶۵ء (۵) تنقید اور احتساب ۱۹۶۸ء (۶) تخلیقی عمل ۱۹۷۰ء (۷) نئے تناظر ۱۹۷۹ء (۸) نئے مقالات ۱۹۷۲ء (۹) تصورات عشق وخرد (اقبال کی نظر میں) ۱۹۷۷ء (۱۰) تنقید اور مجلسی تنقید ۱۹۸۱ء (۱۱) دائرے اور لکیریں ۱۹۸۶ء (۱۲) تنقید اُردو تنقید ۱۹۸۹ء (۱۳) انشائیہ کے خدو خال ۱۹۹۰ء (۱۴) ساختیات اور سائنس ۱۹۹۱ء۔'' (۲۰)

''ڈاکٹر وزیر آغا۔ایک مطالعہ'' ڈاکٹر انور سدید کی ڈاکٹر وزیر آغا پر ایک تنقیدی کتاب ہے۔ زیر تبصرہ مضمون میں حیدر قریشی کے وزیر آغا سے عقیدت و محبت سے بھرے تعلق اور اُن پر تنقیدی کتب تحریر کرنے پر ڈاکٹر انور سدید کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''ڈاکٹر انور سدید مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ڈاکٹر وزیر آغا ایسی عہد آفریں ادبی شخصیت کی زندگی میں ہی ان کے بارے میں ایک پر مغز کتاب لکھ دی۔'' (۲۱)

کتاب ''ڈاکٹر وزیر آغا۔عہد ساز شخصیت'' کے آخر میں حیدر قریشی نے ڈاکٹر وزیر آغا سے کیے گئے انٹرویو کو ''وزیر آغا سے کچھ باتیں'' کے عنوان سے شامل کیا ہے۔ یہ انٹرویو وزیر آغا کے فکر وفن کے متعدد گوشوں کو بے نقاب کرتا ہے اور ساتھ ہی اُن کے تصوف، سائنسی، انشائیہ نگاری، ماہیا نگاری اور اُن کی تخلیقات کے بارے میں تاثرات و خیالات کا احوال بھی پیش کرتا ہے۔

زیر تبصرہ کتاب میں حیدر قریشی ڈاکٹر وزیر آغا کو ''عہد ساز شخصیت'' کا خطاب دیتے ہوئے اُن کی تخلیقی شخصیت کے بارے میں اپنی عقیدت و محبت کا یوں اظہار کرتے ہیں۔

''اُردو انشائیہ کے بانی۔ جدید تر نظم کے پیش رو، اُردو تنقید کی منفرد اور عالمانہ آواز۔ ڈاکٹر وزیر آغا عہد ساز شخصیت ہیں۔ اپنی بعض بشری کمزوریوں کے باوجود ہمارے ادب اور ہمارے عہد کا بہت بڑا سرمایہ ہیں۔ مجھے فخر ہے کہ مجھے ان سے اکتسابِ علم اور نیاز مندی کا شرف حاصل ہے۔'' (۲۲)

حیدر قریشی کے تنقیدی فکر وفن کو دیکھتے ہوئے اُن کی کتاب ''ڈاکٹر وزیر آغا۔عہد ساز شخصیت'' کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ

انہوں نے اپنے ذاتی تعلقات کو پیش نظر رکھتے ہوئے وزیر آغا کی شخصیت کے متعدد گم شدہ پہلوؤں کو قاری کے سامنے پیش کیا ہے۔ اِسی لیے حیدر قریشی کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''میری اس کتاب کا مقصد وزیر آغا کو منوانا نہیں ہے کیونکہ وہ ماننے منوانے کی سطح سے بہت اُوپر ہیں۔ اس کا مقصد صرف اتنا ہے کہ جو لوگ وزیر آغا سے واقف نہیں ہیں وہ ان سے ملاقات کر سکیں اور جو پہلے سے واقف ہیں وہ ایک نئی ملاقات محسوس کر سکیں۔'' (۲۳)

محمد وسیم انجم بھی حیدر قریشی کی اِس کتب ''عہد ساز شخصیت'' کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''بحیثیت مجموعی حیدر قریشی کا ایسی شخصیت پر قلم اٹھانے کا مقصد تعارف کرانا نہیں بلکہ اُن کی زندگی کے بعض ایسے گوشے بے نقاب کرنا مقصود ہے جو قاری کے لیے دلچسپی کا باعث ہیں۔ چنانچہ شخصیت نگار کو زیر بحث شخصیت سے قربت کا دعویٰ ہے......جس کی بدولت ڈاکٹر وزیر آغا ایسی مشہور شخصیت کے بارے میں یہ کتب معتبر دستاویز کی حیثیت اختیار کر گئی ہے۔'' (۲۴)

بلاشبہ حیدر قریشی کی یہ کتاب ڈاکٹر وزیر آغا سے متعلق تمام معلومات فراہم کرتی ہے۔ اپنی سادہ زبان اور مخصوص تنقیدی انداز کی بدولت ادب میں خاص اہمیت کی حامل سمجھی جائے گی۔

(ب)اُردو میں ماہیا نگاری:

''اُردو میں ماہیا نگاری'' حیدر قریشی کی تحقیقی و تنقیدی تصنیف ہے۔ ۱۵۹ صفحات پر مشتمل اِس کتاب کی اشاعت ۱۹۹۷ء میں فرہاد پبلی کیشنز اسلام آباد کی جانب سے کی گئی۔ کتاب کا انتساب حیدر قریشی نے یوں تحریر کیا ہے۔

''قمر جلال آبادی اور ساحر لدھیانوی کے نام جنہوں نے اُردو میں درست ماہیا نگاری کے مثالی نمونے عطا کیے اور خوبصورت گلوکاروں محمد رفیع، آشا بھونسلے اور مسرت نذیر کے نام جن کے گائے ہوئے ماہیے، ماہیا نگاری کی بحث میں مستقل حوالہ بن گئے ہیں۔''(۲۵)

''اُردو میں ماہیا نگاری'' کے ابتدائیہ میں حیدر قریشی ماہیا نگاری کی تحریک اور ماہیا کے بارے میں اختلافات پر اظہار رائے کرتے ہوئے اپنی کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''ماہیا ''کتابِ دل ہے۔ اس کتاب میں ماہیے کی .... پنجابی اور اُردو ماہیے کی مختصر سی کہانی کے ساتھ ''کتاب دل'' کی چھوٹی سی تفسیر بھی کی گئی ہے۔''(۲۶)

زیر تبصرہ کتاب میں حیدر قریشی اپنی تحقیق و تنقید کے جوہر دکھاتے ہوئے ماہیا کو پنجاب لوک گیت کا نام دیتے ہیں۔ ماہیا کا لفظ ماہی

سے نکلا ہے جو کہ محبوب، عاشق وغیرہ کے معنوں میں استعمال ہوتا آیا ہے۔حیدر قریشی ماہیے کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''ماہیے میں پنجاب کے عوام کے جذبات، احساسات اور خواہشات کا خوب صورت اور براہ راست اظہار ملتا ہے۔عوام نے اپنی امنگوں، آرزوؤں اور دعاؤں کو اس شاعری کے ذریعے سینہ بہ سینہ آگے بڑھایا اور زندہ رکھا۔اسی لیے یہ عوامی گیت اپنی ظاہری صورت میں انفرادی ہونے کے باوجود اپنی سوسائٹی کی ترجمانی کرتا ہے۔''(۲۷)

ماہیے کے وزن کا مسئلہ بیان کرتے ہوئے حیدر قریشی ماہیا کی تحریری صورت کے بارے میں اختلاف رائے کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''جب ماہیے کو تحریری صورت میں دیکھنے کے باعث اس کے دوسرے مصرعہ کے وزن کا مسئلہ اتنا الجھا ہوا ہے تو کسی درست نتیجے تک کیسے پہنچا جا سکتا ہے؟......اس سلسلے میں میرا مؤقف یہ ہے کہ ماہیا اصلاً لوک گیت ہے جس کی اپنی مخصوص دھن ہے۔بس اسی دھن میں ہی اس کا اصل وزن موجود ہے۔''(۲۸)

پھرانہی دھنوں کو ماہیے کے اصل وزن کا معیار بنا کر حیدر قریشی ماہیا کے اصل وزن کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''ماہیے کا پہلا مصرع اور تیسرا مصرع ہم وزن ہوتے ہیں لیکن دوسرا مصرع ان کے وزن سے ایک سبب یعنی دو حرف کم ہوتا ہے۔''(۲۹)

ماہیا نگاری کے فن میں حیدر قریشی کی اس قدر عمدہ تنقید و تحقیق کی تعریف کرتے ہوئے ڈاکٹر انور سدید اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔

''یہ بات نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ بعض شعراء نے محض لاعلمی میں ماہیا کے تین مصرعوں کو ہم وزن کر دیا تو جناب حیدر قریشی نے اس ''بے شعوری'' غلطی کی طرف نہ صرف توجہ دلائی بلکہ غلطی کے استیصال کے لیے تحریک بھی جاری کر دی......کوششیں رنگ لا رہی ہیں اور اب ماہیا اوزان کی صحیح تکنیک میں لکھا جا رہا ہے۔''(۳۰)

مذکورہ کتاب میں حیدر قریشی ''اُردو میں ماہیا نگاری کی ابتداء'' مضمون میں ابتدائی ماہیا نگاروں چراغ حسن حسرت اور قمر جلال آبادی کے ماہیوں کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے بحث کرتے ہیں۔چراغ حسن حسرت کے ماہیوں کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''چراغ حسن حسرت......نے ۱۹۳۷ء میں پنجابی ماہیے کے حسن سے متاثر ہو کر اُردو میں چند ''ماہیے'' کہے......پنجابی ماہیے کی جادوگری اور چراغ حسن حسرت کی ماہیے سے محبت سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن حسرت پنجابی ماہیے کے وزن کی نزاکت کا خیال نہیں رکھ

سکے۔‘‘(۳۱)

چراغ حسن حسرت کے ماہیوں کے تقریباً ۲۰ سال بعد فلم پھاگن کے لیے پہلی باراُردو ماہیے قمر جلال آبادی سے لکھوا کر پیش کیے گئے۔ان ماہیوں کو محمد رفیع اور آشا بھونسلے نے بڑی مہارت سے گایا تھا۔ماہیوں کے بول یہ تھے۔

تم روٹھ کے مت جانا　　　کیوں ہوگیا بے گانہ
مجھ سے کیا شکوہ　　　ترا مرا کیا رشتہ
دیوانہ ہے دیوانہ　　　یہ تو نے نہیں جانا (۳۲)

قمر جلال آبادی کے ان ماہیوں کے وزن پر حیدر قریشی تبصرہ کرتے ہوئے اِس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔

’’یہ ماہیے اُردو کے سب سے پہلے ماہیے ہیں جو پنجابی ماہیے کے وزن پر پورے اترتے ہیں۔اس لحاظ سے قمر جلال آبادی اُردو کے سب سے پہلے ماہیا نگار قرار پاتے ہیں۔‘‘ (۳۳)

چراغ حسن حسرت اور قمر جلال آبادی کی ماہیا نگاری پر بات کرنے کے ساتھ ساتھ حیدر قریشی ایسے ماہیا نگاروں پر بھی تبصرہ کرتے ہیں جنہوں نے تین ہم وزن مصرعوں کے ثلاثی ماہیے تخلیق کیے۔حیدر قریشی اِن ثلاثی ماہیا نگاروں میں علی محمد فرشی،نصیر احمد ناصر اور سیدہ زاہدہ حنا کا ذکر کرتے ہیں۔

’’ماہیے کے وزن اور مزاج کی بحث ۱۹۹۲ء تا ۱۹۹۳ء‘‘ مضمون میں حیدر قریشی ۱۹۹۲ء سے لے کر ۱۹۹۳ء کے دورانیہ میں ماہیا نگاری کے فن پر چھپنے والے مضامین کا تنقیدی تجزیہ کرتے ہوئے اِن مضمون نگاروں کی آراء کو بیان کرتے ہیں۔زیرِ بحث مضمون میں ہی حیدر قریشی ۱۹۹۲ء تا ۱۹۹۳ء میں چھپنے والے مضامین اور نئے درست وزن پر لکھنے والے ماہیا نگاروں کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔

’’۹۳-۱۹۹۲ء اُردو ماہیے کی تاریخ میں اس لحاظ سے بے حد اہم برس ہیں کہ ان دو برسوں میں ماہیے کے خدوخال اور مزاج کی بحث کے سلسلے میں نو مضامین لکھے گئے اور ہر مضمون میں ہمارے بیان کردہ وزن کو بہر حال تسلیم کیا گیا...... اِن دو برسوں میں درست وزن میں ماہیا نگاری کی طرف سے بھی پیش قدمی ہوئی۔امین خیال،سعید شباب،خاور اعجاز، نذیر فتح پوری،رشید اعجاز،غزالہ طلعت،رانا غلام شبیر،نوید رضا،تنویر نوازش،اجمل جنڈیالوی، شبہ طراز،ارشد نعیم،نذر عباس ان دو برسوں میں ماہیا نگار کی حیثیت سے ابھر کر سامنے آئے۔‘‘(۳۴)

مضمون ’’ماہیے کے وزن اور مزاج کی بحث (۱۹۹۴ تا ۱۹۹۶ء)‘‘ میں بھی حیدر قریشی مختلف ماہیا نگاروں کے خطوط اور مضامین کو

پیش کرتے ہیں اور اُن کے ماہیے کے بارے میں فنی وفکری سوچ اور خیالات کو موضوع بناتے ہیں۔۱۹۹۴ تا ۱۹۹۶ء کے دورانیہ میں ماہیا نگاری پر ہونے والی بحث وتکرار کو سامنے رکھتے ہوئے حیدر قریشی یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں۔

''۱۹۹۶ء کے آخر تک ماہیے کے وزن اور مزاج کو سمجھنے کے لیے اور حقیقت کو واضح کرنے کے لیے جو مخلصانہ کوششیں ہوئیں ان سے نہ صرف ان مسئلوں کے کئی پہلو کھل کر سامنے آئے بلکہ اصل حقائق بھی روز روشن کی طرح عیاں ہوگئے...... ماہیے کے مزاج کی تفہیم میں بھی پیش رفت ہوئی۔ وزن اور مزاج کو ملحوظ رکھتے ہوئے ماہیے کے موضوعات میں بتدریج وسعت پیدا ہورہی ہے، الفاظ کے برتاؤ میں بھی عمدہ تجربے ہورہے ہیں۔ یہ ساری صورت حال خوش کن ہے۔''(۳۵)

مذکورہ کتاب میں حیدر قریشی ماہیا نگاری کے فروغ کے لیے کی گئی کوششوں اور بحثوں کو اپنے مضمون ''حاصل بحث'' میں حتمی انداز سے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''ماہیے کے وزن کے بارے میں اب پورے یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ تین یکساں وزن کے مصرعوں والے ''ماہیے'' حقیقتاً ماہیے نہیں۔ ماہیے کی پنجابی اور عوامی دھن سے یہ وزن اُردو ماہیے کے لیے بالکل واضح ہو چکا ہے۔''

فعلن فعلن فعلن
فعلن فعلن فع
فعلن فعلن فعلن

''اس کی رو سے ماہیے کے دوسرے مصرعہ میں ایک ''سبب'' یعنی دو حرف کا کم ہونا ضروری ہے اس وزن میں ماہیا پنجابی دھن کے مطابق پوری طرح رواں دواں ہوجاتا ہے۔
یہ دوسرا وزن بھی ماہیے کے لیے قابل قبول ہے۔

مفعول مفاعیلن
فعل مفاعیلن
مفعول مفاعیلن''(۳۶)

ماہیا نگاری میں حیدر قریشی کے تحقیقی وتنقیدی رجحانات اور کوششوں کو تسلیم کرتے ہوئے عارف فرہاد لکھتے ہیں۔

''مجھ سمیت ماہیا نگاروں کا پورا قبیلہ اس بات کو تسلیم کرچکا ہے کہ حیدر قریشی نے ماہیا نگاروں کو درست وزن کی نشاندہی کرانے کے ساتھ ساتھ اُردو ادب کی تاریخ میں ماہیے کی

ہیئت، مزاج اور وزن کے حوالے سے انفرادی نوعیت کا نہایت اہم تحقیقی اور تنقیدی کام کیا ہے۔‘‘(۳۷)

مضمون ’’ہمارے ماہیا نگار‘‘ میں حیدر قریشی نے اُردو ادب کے معلوم تمام ماہیا نگاروں کے تعارف کے طور پر اُن کے ماہیوں کو درج کیا ہے۔ان ماہیا نگاروں کی کل تعداد کے بارے میں حیدر قریشی لکھتے ہیں۔

’’قاضی اعجاز محور سے شاہدہ ناز تک درج ماہیا نگاروں کی تعداد ۶۲ بنتی ہے۔اس کی تعداد میں قمر جلال آبادی، ساحر لدھیانوی اور حیدر قریشی کے نام بھی شامل کر لیں تو تادم تحریر ماہیا نگاروں کی تعداد ۶۵ تک جا پہنچتی ہے۔ان ماہیا نگاروں میں قمر جلال ابادی اور ساحر لدھیانوی کو اُردو ماہیے کے بانی قرار دیا جا سکتا ہے۔‘‘(۳۸)

مضمون ’’اُردو ماہیے کے موضوعات‘‘ میں حیدر قریشی مختلف ماہیا نگاروں کے ماہیوں کے موضوعاتی برتاؤ پر تبصرہ کرتے ہوئے اُن کے ماہیوں کو بطور مثال پیش کرتے ہیں۔حمد، نعت، دعا، رشتے داریاں، دھرتی، دیہاتی ماحول، تقریبات، زندگی کے مسائل، محبت اور اس سے جڑے ہوئے مضامین سب ماہیے کے موضوعات کی ترجمانی کرتے ہیں۔

متعدد شعراء کرام کی ماہیے کے لیے رغبت کو دیکھتے ہوئے حیدر قریشی اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

’’یہ ابھی اُردو ماہیے کی ابتداء ہے۔ مجھے امید ہے کہ آنے والے برسوں میں ماہیا اپنے خدوخال اور مزاج کو برقرار رکھتے ہوئے اپنے موضوعات میں وسعت پیدا کرے گا اور پنجاب کا یہ لوک گیت اپنے رس اور مٹھاس کے باعث، ’’اُردو شاعری کی ایک مقبول صنف‘‘ قرار پائے گا۔‘‘(۳۹)

کتاب ’’اُردو میں ماہیا نگاری‘‘ کے آخر میں حیدر قریشی نے ’’خصوصی مطالعہ‘‘ میں چند ماہیا نگاروں کے فن پر تنقیدی اور فکری تجزیہ کیا ہے۔ اِن ماہیا نگاروں کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔(۱) امین خیال (۲) عارف فرہاد (۳) ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی (۴) پروفیسر قمر ساحری (۵) پروین کمار اشک (۶) نذیر فتح پوری (۷) یوسف اختر (۸) انور مینائی (۹) سعید شباب۔کتاب کے آخری حصے میں اختتامیہ اور فہرست کتب، رسائل اور اخبارات شامل ہیں۔

کتاب ’’اُردو میں ماہیا نگاری‘‘ میں حیدر قریشی نے اپنی تنقیدی اور تحقیقی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے مستقبل کے ماہیا نگاروں کے لیے علمی، ادبی اور تحقیقی سطح پر ہزاروں در کھول دیئے ہیں جن میں سے ہر در اپنے اندر محققانہ انداز و بیاں اور جدت و ندرت کو سموئے اپنے قارئین اور ساتھی نقادوں کو متاثر کرتا محسوس ہوتا ہے۔اِسی لیے حیدر قریشی اپنی تصنیف ’’اُردو میں ماہیا نگاری‘‘ کے بارے میں دعویٰ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

’’اُردو میں ماہیا نگاری‘‘ کا یہ اختتامیہ ماہیے کی بحث کا اختتام نہیں ہے بلکہ علمی، ادبی اور تحقیقی زبان میں بات کرنے والوں کے لیے ایک بڑی سطح پر یہ نقطہ آغاز ہے۔ مجھے امید ہے

کہ ماہیے کے خدوخال کونکھارنے اور سنوارنے کے لیے تخلیقی اور تحقیقی دونوں لحاظ سے مزید پیش رفت ہوگی۔"(۴۰)

(ج)اُردو ماہیے کی تحریک:

"اُردو ماہیے کی تحریک" حیدرقریشی کے تنقیدی مضامین اور خطوط پرمبنی کتاب ہے جوفرہاد پبلی کیشنز، راول پنڈی سے ۱۹۹۹ء میں شائع ہوئی۔ حیدرقریشی نے اس کا انتساب، "اُردو ماہیے کے بانی، ہمت رائے شرما جی کے نام" کیا ہے۔ ۱۶۶ صفحات پر مشتمل اِس کتاب میں حیدرقریشی نے متعدد مضامین اور خطوط کوشامل کیا ہے جو ماہیا نگاری کے فن کے کئی اسرار ورموز کوقاری پرفاش کرتے ہیں۔

حیدرقریشی کتاب کے "حرف اول" میں "اُردو ماہیے کی تحریک" کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اُردو میں ماہیا نگاری" یک موضوعی کتاب تھی۔ اسے لکھتے وقت میں ۱۹۹۴ء کے پائیدان پر کھڑا ہوکر گزشتہ چھ برسوں کی بحث کا منظر دیکھ رہا تھا۔ جبکہ "اُردو ماہیے کی تحریک" کے مضامین فاصلے سے منظر کو دکھانے کی بجائے لحہ لحہ کی کہانی سناتے ہیں۔ ماہیے کی بحث کے ریکارڈ کی درستی کے لیے چند اہم خطوط بھی اس مجموعہ میں شامل ہیں۔ ان مضامین اور خطوط سے انداز ہ کیا جاسکتا ہے کہ ماہیے کو سمجھنے کے عمل میں بتدریج بہتری آتی گئی ہے۔"(۴۱)

حیدرقریشی ماہیا اوراس کے دوسرے مصرعے کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ماہیا بنیادی طور پر گائی جانے والی صنف ہےاور مختلف دھنوں میں گائے جانے کے باوجود ہر دھن میں اس کا اصل وزن واضح ہوجاتا ہے۔ گانے کی دھن پر ماہیے کے مصرعوں کے وزن کے بارے میں حیدرقریشی لکھتے ہیں۔

"کسی بھی گانے کی دھن میں ماہیے کا پہلا مصرعہ اٹھاتے وقت جو لَے ہوتی ہے تیسرے مصرعے کو بھی اسی طرح اٹھایا جاسکتا ہے لیکن دوسرے مصرعے کو پہلے مصرعہ کے انداز میں اٹھانا چاہیے تو لَے ٹوٹ جاتی ہے اور آخری دونوں مصرعے یکساں وزن کے ہیں لیکن دوسرا مصرعہ اس وزن میں نہیں ہے۔"(۴۲)

اِسی طرح مضمون "ماہیے کے بارے میں چند باتیں" میں حیدرقریشی ماہیے کے وزن پر واضح انداز سے اظہار خیال کرتے ہیں۔

"ماہیے کو گہری نظر سے نہ دیکھا جائے تو یہ تین مساوی الوزن مصرعوں کی مختصر نظم دکھائی دیتی ہے لیکن اس کی مخصوص دھن میں چھپے ہوئے اس کے اصل وزن کو دریافت کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا پہلا اور تیسرا مصرعہ مساوی الوزن ہیں لیکن درمیان والا دوسرا مصرعہ

اس وزن سے دو حرف کم ہے۔'' (۴۳)

زیر تبصرہ کتاب میں حیدر قریشی ماہیا کو بنیادی طور پر لوک شاعری قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں۔

''ایسے تمام اُردو ماہیے جو پنجابی ماہیے کی دھن پر آسانی سے گنگنائے جا سکتے ہیں وہی درست ماہیے ہیں۔ اُردو میں تین یکساں مصرعوں کے ثلاثی کو اور جو نام دے دیا جائے لیکن وہ ماہیے نہیں ہیں۔'' (۴۴)

مجموعہ کلام ''محبت کے پھول'' کے پیش لفظ میں حیدر قریشی ماہیے کے وزن کو ایک مثال سے واضح کرتے ہیں۔

''اُردو میں ماہیے کا وزن ابھی تک دو صورتوں میں سامنے آیا ہے اور یہ دونوں وزن پنجابی ماہیے کے مطابق درست ہیں۔

(۱) فعلن فعلن فعلن	کچھ رشتے ٹوٹ گئے
فعلن فعلن فع	برتن مٹی کے
فعلن فعلن فعلن	ہاتھوں سے چھوٹ گئے
(۲) مفعول مفاعیلن	مل مہکی فضاؤں سے
فعل مفاعیلن	یار نکل باہر
مفعول مفاعیلن	اندر کے خلاؤں سے'' (۴۵)

حیدر قریشی اپنے مضامین ''اُردو ماہیا ۱۹۹۶ء میں'' اور اُردو ماہیا ۱۹۹۷ء میں'' اُردو ماہیا کے اصل وزن کے مطابق شاعری کرنے والوں کی طویل فہرست کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی رائے کا کچھ یوں اظہار کرتے ہیں:

''پنجابی ماہیے کے وزن والا ماہیا اب اُردو میں نہ صرف ٹھیک طرح پہچانا جا چکا ہے بلکہ تمام تر مخالفتوں کے باوجود شعراء کرام میں مسلسل مقبولیت بھی حاصل کر رہا ہے۔ مجھے امید ہے کہ اب ماہیے کی تفہیم اور ترویج کے لیے بات اس کے وزن کی بحث سے آگے بڑھے گے اور ادب میں اس کے ادبی اور ثقافتی کردار کی اہمیت پر غور کیا جائے گا۔'' (۴۶)

مضمون ''ماہیے کی کہانی'' میں حیدر قریشی نے ڈاکٹر کرسٹینا اوسٹر ہیلڈ کے ماہیا پر اٹھائے جانے والے سوالات کے جوابات درست ماہیا لکھنے والے ماہیا نگاروں کے ذریعے اور خود اپنے تنقیدی اور شعوری اندازِ بیان کے ذریعے دیئے ہیں۔ حیدر قریشی ڈاکٹر کرسٹینا کے سوالات کو ماہیا نگاروں کے لیے مشعل راہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ڈاکٹر کرسٹینا نے اپنے اہم سوالات اٹھا کر ماہیے کی تحریک کو مزید آگے کی راہ سجھائی ہے۔ امید کرتا ہوں کہ ماہیے سے دلچسپی رکھنے والے سنجیدہ ناقدین اور خود ہمارے ماہیا نگار

بھی ادب میں ماہیے کے رول پر غور وفکر سے کام لیں گے''۔ (۴۷)

زیر تبصرہ کتاب میں حیدر قریشی ماہیا کی پابند لے پر اپنے موقف کو مزید دہراتے ہیں کہ ماہیا پنجابی لوک گیت ہے۔اس کی مخصوص لے ہے اور ماہیا اپنی لے کا پابند ہے۔اگر اس لے کے مطابق کہے گئے ماہیے تحریری صورت میں دیکھ کر کسی کو جھٹکا لگتا ہے یا اس کی ''موزونی طبع'' متاثر ہوتی ہے تو صرف اس لیے کہ اس نے ماہیا لوک گیت کے طور پر نہیں سنا۔ (۴۸)

فن ماہیا نگاری میں ان تنقیدی اور تحقیقی نکتوں کو ''اُردو ماہیے کی تحریک'' میں بیان کرنے کے علاوہ حیدر قریشی نے اس کتاب میں '' اردو ماہیے کے بانی ہمت رائے شرما'' کے بارے میں بھی اپنا تحقیقی مضمون شامل کیا ہے جو اُن کی تحقیقی تصنیف ''اردو ماہیے کے بانی، ہمت رائے شرما'' میں بھی موجود ہے۔اس کے علاوہ حیدر قریشی نے ''اردو ماہیے کی تحریک'' کے سلسلے میں چند خطوط بھی شامل کیے ہیں جو کہ اُردو ماہیا کے رجحانات اور اُن کے بارے میں ماہیا نگاروں کی مختلف آراء کی ترجمانی کرتے ہیں۔

بحیثیت مجموعی حیدر قریشی کی یہ کتاب اُردو ماہیا اور اس کی تحریک کے متعلق معلومات سے بھرپور ہے اور تحقیقی وتنقیدی موضوعات نے اس کی مقبولیت اور ادبی قدر و قیمت میں اضافہ کر دیا ہے۔

(د) اُردو ماہیے کے بانی ،ہمت رائے شرما:

''اُردو ماہیے کے بانی ہمت رائے شرما'' حیدر قریشی کی تحقیق وتنقید پر مشتمل کتاب ہے۔ ۷۲ صفحات پر مبنی یہ کتاب ۱۹۹۹ء میں ''معیار پبلی کیشنز، دہلی'' کی جانب سے شائع ہوئی۔

زیر تبصرہ کتاب کا انتساب ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کے نام ہے جنھوں ے اُردو ماہیے کے بانی ہمت رائے شرما جی کو پہلی بار دریافت کیا۔ (۴۹)

کتاب کی ترتیب میں پیش لفظ ''اردو ماہیے کے بانی ہمت رائے شرما''، ''اُردو ماہیے کے بانی ہمت رائے شرما''، فلم ''خاموشی'' کے گیت اور تحقیق مزید، ''میاں آزاد'' کا سفرنامہ''، ''ہمت رائے شرما کی شاعری۔ایک تعارف''، ''ہمت رائے شرما کی دو کتابیں''، ''ہمت رائے شرما بنام حیدر قریشی'' اور آخر میں ''ہمت رائے شرما کے ماہیے'' شامل کیے گئے ہیں۔

حیدر قریشی زیر تبصرہ کتاب کے ''پیش لفظ'' میں ''اردو ماہیے کے بانی'' کے بارے میں اپنی سابقہ تحقیق جو چراغ حسن حسرت اور قمر جلال آبادی کے متعلق تھی کو مدلل انداز سے رد کرتے ہوئے اس کا جواز پیش کرتے ہیں:

> ''اب قمر جلال آبادی کی جگہ ہمت رائے شرما جی ہی اردو ماہیے کے بانی ہیں، کسی بھی دوسری ''سہ مصرعی صنف'' کے مصنف کو اردو ماہیے کے بانی، ہمت رائے شرما جی کی جگہ نہیں دی جاسکتی''۔(۵۰)

اپنے مضمون ''اردو ماہیے کے بانی۔۔۔ہمت رائے شرما'' میں حیدر قریشی، ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کی تحقیق وتنقید کو مد نظر رکھتے ہوئے

اپنی تازہ تحقیق اور ہمت رائے شرما جی کی اولیت پر ہونے والے اعتراضات کا جواب دیتے ہیں۔

مذکورہ مضمون میں حیدر قریشی، ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کی تحقیق کے معاملے میں آنے والے دو ردعملوں کا ذکر کرتے ہیں کہ ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کی تحقیق کے بعد ایک ردعمل یہ آیا کہ اکثر ماہیا نگاروں نے ان کی تحقیق کو سراہتے ہوئے تسلیم کیا کہ ''ہمت رائے شرما'' ہی اردو ماہیا کے بانی ہیں۔ دوسرا ردعمل، حسرت کے ثلاثی ماہیوں کی پیروی کرنے والے ماہیا نگاروں مثلاً علی محمد فرشی، نصیر احمد ناصر، سیدہ حنا، دیپک قمر کی طرف سے یہ آیا کہ ڈاکٹر مناظر نے اردو ماہیے کے بنیاد گزاروں میں قمر جلال آبادی اور ساحر لدھیانوی کے ساتھ چراغ حسن حسرت کو بھی تسلیم کیا ہے اور ساتھ ہی یہ موقف بھی بیان کیا گیا کہ اولیت کا سہرا پھر بھی حسرت کے سر بندھتا ہے۔ کیونکہ شرما جی کہتے ہیں۔ فلم ''خاموشی ۱۹۳۹ء میں آئی جب کہ فلم ''باغباں'' میں حسرت کے ماہیے ۱۹۳۷ء میں آ گئے تھے۔ (۵۱)

مزید تحقیق کوششوں اور چند ادبی شواہد کو مدنظر رکھتے ہوئے ''ہمت رائے شرما'' کے بارے میں حیدر قریشی لکھتے ہیں:

> ''۱۹۱۹ء میں ۱۷ سال جمع کیے جائیں تو فلم ''خاموشی'' کے ماہیے لکھنے کا سال ۱۹۳۶ء بنتا ہے جب تک کوئی نیا تحقیقی ثبوت نہیں ملتا تب تک فلم ''خاموشی'' کے لیے شرما جی کے اردو ماہیے لکھنے کا سال ۱۹۳۶ء ثابت ہے۔'' (۵۲)

ڈاکٹر عاشق ہرگانوی کی تحقیق کو مزید موثر بنانے کے لیے حیدر قریشی نے خود ''ہمت رائے شرما'' سے براہ راست رابطہ قائم کیا، جس سے حاصل ہونے والی معلومات اور حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے حیدر قریشی اپنی رائے کا اظہار ان لفظوں میں کرتے ہیں:

> ''ان تمام شواہد اور حقائق کی بنیاد پر یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ قمر جلال آبادی اور ساحر لدھیانوی سے بھی پہلے اردو ماہیے کے درست وزن کا اولین اظہار ہمت رائے شرما جی نے ۱۹۳۶ء میں کیا تھا۔۔۔۔ سو بلاشک و شبہ ہمت رائے شرما اردو ماہیے کے بانی ہیں۔''
> (۵۳)

''اردو ماہیے کے بانی ہمت رائے شرما''، فلم ''خاموشی''، اور تحقیقِ مزید'' مضمون میں حیدر قریشی ہمت رائے پوری کے بارے میں اپنی مزید تحقیق کو بیان کرتے ہیں۔ اس تحقیق کا اہم سبب فلم ''خاموشی'' کی بک لیٹ تھی۔ جس سے یہ تصدیق ہوئی کہ:

> ''فلم ''خاموشی'' کی بک لیٹ پر مئی ۱۹۳۶ء کا اندراج یہ ثابت کرتا ہے کہ ہمت رائے شرما جی نے ۱۹۳۶ء میں پہلی بار اس فلم کے لیے اردو ماہیے لکھے''۔ (۵۴)

اس تصدیق کے علاوہ حیدر قریشی نے فلم ''خاموشی'' کی بک لیٹ (Booklet) پر درج گیتوں کو بھی اپنے مضمون کا حصہ بنایا۔

اپنے مضمون ''میاں آزاد کا سفرنامہ'' میں حیدر قریشی نے ہمت رائے شرما کو بطور ایک عمدہ پیروڈی نگار، خوبصورت مزاح نگار اور زبان پر حیرت انگیز قدرت رکھنے والا ادیب قرار دیتے ہوئے ان کی تخلیقی صلاحیتوں کا اعتراف کیا ہے جو ''میاں آزاد کا سفرنامہ'' لکھ کر سامنے آتی ہیں۔ حیدر قریشی اس کتاب کا تحقیقی و تنقیدی تجزیہ کرتے ہوئے ''ہمت رائے شرما'' کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''ہمت رائے شرما جی نے رتن ناتھ سرشار کے انداز بیان کو اپنانے میں اپنی مہارت کا کمال دکھایا۔ ''میاں آزاد کا سفرنامہ'' صرف پیروڈی ہی نہیں ہے۔ پیروڈی کے روپ میں ہمیں اپنے کلاسیکل لٹریچر کی اہمیت کا احساس دلایا گیا ہے۔ اس کی طرف راغب کرنے کے لیے ایک تخلیقی کاوش کی گئی ہے۔'' (۵۵)

زیرِ تبصرہ کتاب کے مضمون ''ہمت رائے شرما کی شاعری۔ ایک تعارف'' میں حیدر قریشی، ہمت رائے شرما جی کے شعری مجموعہء کلام ''شہابِ ثاقب'' کا تنقیدی اور فکری تجزیہ کرنے کے ساتھ ساتھ ہمت رائے شرما جی کی تعریف کرتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں:

> ''ہمت رائے شرما جی کا یہ بیان سو فی صد درست ہے کہ شاعری فقیروں کا حصہ ہے ہمت رائے شرما نے خوبصورت شاعری کی، جب فلمی دنیا میں مقتدر ہستی تھے تب اپنے اس فقیری اثاثے کو چھپائے رکھا۔ جب فلمی دنیا سے الگ ہو گئے تو اپنا فقیری سرمایہ لے آئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ۱۹۶۴ء کی بجائے ۱۹۸۴ء میں اپنا مجموعہ چھپوانے کی اصل وجہ یہی فقیرانہ جذبہ تھا۔'' (۵۶)

شاعری کے علاوہ حیدر قریشی نے مذکورہ کتاب میں ہمت رائے شرما کی دو کتابوں ''ہندو مسلمان'' اور ''نکات زباندانی'' پر بھی اپنا نقطہء نظر پیش کیا ہے۔ اس کے علاوہ حیدر قریشی نے اپنے نام لکھے گئے ہمت رائے شرما کے خط کو بھی صفحہ ۵۲ پر شامل کیا ہے جو کہ ان دونوں کے درمیان رابطے کا ثبوت پیش کرتا ہے۔

کتاب ''اردو ماہیے کے بانی۔ ہمت رائے شرما'' کے آخر میں حیدر قریشی نے ہمت رائے شرما کے ماہیے تحریر کیے ہیں۔ جن میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں:

''ماہیے کی کہانی ہے
ماہیے کی دھن میں
ماہیے کی زبانی ہے''

دو پھول گلاب کے ہیں
بھنگڑا اور ماہیا
تحفے پنجاب کے ہیں (۵۷)

جی کو بہلاتے ہیں
پیار بھرے ارماں
ماہیے کہلاتے ہیں

ٹھنڈک بھی، حرارت بھی
ہوتی ہے ماہیے میں
شوخی بھی، شرارت بھی (۵۸)

''ہمت رائے شرما'' نے انہی ماہیوں میں حیدر قریشی کے لیے بھی ایک ماہیا تخلیق کیا ہے جو حیدر قریشی کی ماہیا نگاری میں اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔

''فن میں لاثانی ہیں
حیدر ''ماہیے کی
تحریک'' کے بانی ہیں (۵۹)

''ہمت رائے شرما'' پر اس قدر مکمل اور تنقیدی کتاب لکھنے پر ڈاکٹر وزیر آغا، حیدر قریشی کو مبارک باد دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہمت رائے شرما'' پر آپ کا مضمون بہت متوازن ہے اور متاثر کرتا ہے۔ آپ کی شاعر، افسانہ نگار، انشائیہ نگار اور خاکہ نگار کی حیثیت تو پہلے ہی مسلم ہے اور ان اصناف کے سلسلے میں آپ کے دستخط با آسانی پہچانے جاسکتے ہیں مگر اب تنقید کے میدان میں بھی آپ کسی سے پیچھے نہیں رہے بلکہ اگلی صف میں نظر آ رہے ہیں۔''

(۶۰)

نذیر فتح پوری بھی حیدر قریشی کو ''لفظوں کا مسیحا'' کا خطاب دیتے ہوئے ان کے تنقیدی ذوق وشوق کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جرمنی میں بیٹھے بیٹھے موصوف نے بمبئی جیسے گنجان شہر میں کھوئے ہمت رائے شرما جی کو دریافت کر کے نئی زندگی عطا کی ہے۔ ہم اسے حیدر قریشی کا مسیحانہ عمل قرار دیتے ہیں کہ ۱۹۳۶ء سے فلمی دنیا میں نام کمانے والے شرما جی آج پھر قرطاس وقلم سے منسلک ہو گئے ہیں اور خوبصورت ماہیے کہہ رہے ہیں۔'' (۶۱)

مختصر یہ کہ اس کتاب کو اردو ماہیا نگاری کی تاریخ میں ایک دستاویز کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔ جس سے حیدر قریشی کی اردو ماہیا

سے وابستگی اور شیفتگی کے ساتھ ساتھ اس کے مقام و مرتبہ کا تعین بھی ممکن ہو گیا ہے جو بلاشبہ قابل قدر ہے۔

حوالہ جات

۱۔ حیدر قریشی، ''ڈاکٹر وزیر آغا۔عہد ساز شخصیت''، ص نمبر ۸، نایاب پبلی کیشنز، خان پور ۱۹۹۵ء
۲۔ حیدر قریشی، ''ڈاکٹر وزیر آغا۔عہد ساز شخصیت''، ص نمبر ۷
۳۔ حیدر قریشی، ''ڈاکٹر وزیر آغا۔عہد ساز شخصیت''، ص نمبر ۱۹
۴۔ حیدر قریشی، ''ڈاکٹر وزیر آغا۔عہد ساز شخصیت''، ص نمبر ۲۴
۵۔ حیدر قریشی، ''ڈاکٹر وزیر آغا۔عہد ساز شخصیت''، ص نمبر ۲۹
۶۔ حیدر قریشی، ''ڈاکٹر وزیر آغا۔عہد ساز شخصیت''، ص نمبر ۳۰
۷۔ حیدر قریشی، ''ڈاکٹر وزیر آغا۔عہد ساز شخصیت''، ص نمبر ۳۱
۸۔ محمد وسیم انجم، ''حیدر قریشی۔فکر و فن'' ص نمبر ۵۰، انجم پبلی کیشنز، راول پنڈی، ۱۹۹۹ء
۹۔ حیدر قریشی، ''ڈاکٹر وزیر آغا۔عہد ساز شخصیت''، ص نمبر ۳۶
۱۰۔ حیدر قریشی، ''ڈاکٹر وزیر آغا۔عہد ساز شخصیت''، ص نمبر ۳۷
۱۱۔ حیدر قریشی، ''ڈاکٹر وزیر آغا۔عہد ساز شخصیت''، ص نمبر ۷۰
۱۲۔ حیدر قریشی، ''ڈاکٹر وزیر آغا۔عہد ساز شخصیت''، ص نمبر ۱۰۸
۱۳۔ حیدر قریشی، ''ڈاکٹر وزیر آغا۔عہد ساز شخصیت''، ص نمبر ۱۲۲
۱۴۔ حیدر قریشی، ''ڈاکٹر وزیر آغا۔عہد ساز شخصیت''، ص نمبر ۱۲۳
۱۵۔ حیدر قریشی، ''ڈاکٹر وزیر آغا۔عہد ساز شخصیت''، ص نمبر ۱۲۴
۱۶۔ حیدر قریشی، ''ڈاکٹر وزیر آغا۔عہد ساز شخصیت''، ص نمبر ۱۲۶
۱۷۔ حیدر قریشی، ''ڈاکٹر وزیر آغا۔عہد ساز شخصیت''، ص نمبر ۱۳۳
۱۸۔ حیدر قریشی، ''ڈاکٹر وزیر آغا۔عہد ساز شخصیت''، ص نمبر ۱۳۴
۱۹۔ حیدر قریشی، ''ڈاکٹر وزیر آغا۔عہد ساز شخصیت''، ص نمبر ۱۴۴
۲۰۔ محمد وسیم انجم، ''حیدر قریشی۔فکر و فن'' ص نمبر ۵۴
۲۱۔ حیدر قریشی، ''ڈاکٹر وزیر آغا۔عہد ساز شخصیت''، ص نمبر ۱۵۳
۲۲۔ حیدر قریشی، ''ڈاکٹر وزیر آغا۔عہد ساز شخصیت''، ص نمبر ۲۶
۲۳۔ حیدر قریشی، ''ڈاکٹر وزیر آغا۔عہد ساز شخصیت''، ص نمبر ۹
۲۴۔ محمد وسیم انجم، ''حیدر قریشی۔فکر و فن'' ص نمبر ۵۶

۲۵۔ حیدرقریشی، ''اردو میں ماہیا نگاری''، ص نمبر۳،فرہاد پبلی کیشنز اسلام آباد۔۱۹۹۷ء
۲۶۔ حیدرقریشی، ''اردو میں ماہیا نگاری''، ص نمبر۸
۲۷۔ حیدرقریشی، ''اردو میں ماہیا نگاری''، ص نمبر۹
۲۸۔ حیدرقریشی، ''اردو میں ماہیا نگاری''، ص نمبر۱۷
۲۹۔ حیدرقریشی، ''اردو میں ماہیا نگاری''، ص نمبر۱۸
۳۰۔ حیدرقریشی، ''اردو میں ماہیا نگاری''، پس ورق از ڈاکٹر انور سدید
۳۱۔ حیدرقریشی، ''اردو میں ماہیا نگاری''، ص نمبر۲۱
۳۲۔ حیدرقریشی، ''اردو میں ماہیا نگاری''، ص نمبر۲۱
۳۳۔ حیدرقریشی، ''اردو میں ماہیا نگاری''، ص نمبر۲۲
۳۴۔ حیدرقریشی، ''اردو میں ماہیا نگاری''، ص نمبر۳۹۔۴۰
۳۵۔ حیدرقریشی، ''اردو میں ماہیا نگاری''، ص نمبر۵۹
۳۶۔ حیدرقریشی، ''اردو میں ماہیا نگاری''، ص نمبر۶۰
۳۷۔ حیدرقریشی، ''اردو میں ماہیا نگاری''، ص نمبر۳۳
۳۸۔ حیدرقریشی، ''اردو میں ماہیا نگاری''، ص نمبر۶۷
۳۹۔ حیدرقریشی، ''اردو میں ماہیا نگاری''، ص نمبر۹۹
۴۰۔ حیدرقریشی، ''اردو میں ماہیا نگاری''، ص نمبر۱۵۷
۴۱۔ حیدرقریشی، ''اردو ماہیے کی تحریک''، ص نمبر۷، فرہاد پبلی کیشنز، راول پنڈی،۱۹۹۹ء
۴۲۔ حیدرقریشی، ''اردو ماہیے کی تحریک''، ص نمبر۱۴
۴۳۔ حیدرقریشی، ''اردو ماہیے کی تحریک''، ص نمبر۲۵
۴۴۔ حیدرقریشی، ''اردو ماہیے کی تحریک''، ص نمبر۳۲
۴۵۔ حیدرقریشی، ''اردو ماہیے کی تحریک''، ص نمبر۳۳۔۳۴
۴۶۔ حیدرقریشی، ''اردو ماہیے کی تحریک''، ص نمبر۹۷
۴۷۔ حیدرقریشی، ''اردو ماہیے کی تحریک''، ص نمبر۱۰۰
۴۸۔ حیدرقریشی، ''اردو ماہیے کی تحریک''، ص نمبر۱۰۳
۴۹۔ حیدرقریشی،''اردو ماہیے کے بانی۔ہمت رائے شرما''،ص نمبر۳،معیار پبلی کیشنز،دہلی،۱۹۹۹ء
۵۰۔ حیدرقریشی،''اردو ماہیے کے بانی۔ہمت رائے شرما''،ص نمبر۹
۵۱۔ حیدرقریشی،''اردو ماہیے کے بانی۔ہمت رائے شرما''،ص نمبر۱۲
۵۲۔ حیدرقریشی،''اردو ماہیے کے بانی۔ہمت رائے شرما''،ص نمبر۱۵
۵۳۔ حیدرقریشی،''اردو ماہیے کے بانی۔ہمت رائے شرما''،ص نمبر۲۱
۵۴۔ حیدرقریشی،''اردو ماہیے کے بانی۔ہمت رائے شرما''،ص نمبر۲۴
۵۵۔ حیدرقریشی،''اردو ماہیے کے بانی۔ہمت رائے شرما''،ص نمبر۳۶
۵۶۔ حیدرقریشی،''اردو ماہیے کے بانی۔ہمت رائے شرما''،ص نمبر۴۵
۵۷۔ حیدرقریشی،''اردو ماہیے کے بانی۔ہمت رائے شرما''،ص نمبر۵۳
۵۸۔ حیدرقریشی،''اردو ماہیے کے بانی۔ہمت رائے شرما''،ص نمبر۵۴
۵۹۔ حیدرقریشی،''اردو ماہیے کے بانی۔ہمت رائے شرما''،ص نمبر۵۷

۶۰۔ حیدر قریشی، ’’اردو ماہیے کی تحریک‘‘، پس ورق از ڈاکٹر وزیر آغا

۶۱۔ مرتبین نذیر فتح پوری۔ سنجے گوڑ بوئے، ’’حیدر قریشی۔فن اور شخصیت‘‘، ص نمبر ۲۰۔اسباق پبلی کیشنز۔پونا۔۲۰۰۲ء

باب ششم

حیدر قریشی کی مرتب کردہ کتب

(الف) شفق رنگ:

’’شفق رنگ‘‘ حیدر قریشی کا مرتب کردہ مجموعۂ کلام ہے جو ۳۰۔اپریل ۱۹۷۹ء کو ’’جدید ادب پبلی کیشنز، خان پور‘‘ سے شائع ہوا۔

حیدرقریشی نے اس مرتب کردہ مجموعہءکلام میں ضلع رحیم یارخان کے نمائندہ شعراء کا تعارف اور منتخب کلام پیش کیا ہے۔

''شفق رنگ'' کی کتابت عطا اللہ طارق دھریجہ نے کی ہے اور اس کا سرورق اسلم کمال نے تیار کیا ہے جبکہ پس ورق میں میرزا ادیب، انورسدید اور ذوالفقاراحمد تابش نے اس مرتب کردہ مجموعے کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار کیا ہے۔اس مجموعہ کا انتساب ڈاکٹر وزیر آغا کے نام ہے۔

مجموعہ ''شفق رنگ'' میں حیدرقریشی، صفدرصدیق رضی، میاں مقبول احمد، سید نردوش ترابی، آسی خان پوری، کرم چوہدری، حفیظ شاہد، صدیق طاہر، شیما سیال اور فرحت نواز کی شاعری کا انتخاب شامل ہے۔ پس ورق پر ''ذوالفقاراحمد تابش'' حیدرقریشی کے ان منتخب شعراء کے بارے میں اظہارِرائے کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''زیرِنظر مجموعہ جو ضلع رحیم یارخاں کے نمائندہ شعراء کا تعارف بھی ہے اور ان کے کلام کا انتخاب بھی، حیدرقریشی کی ادب سے محبت اور گہری وابستگی کا ایک اور ثبوت ہے کہ اس میں اس نے نہ صرف صحرا میں کھلے ہوئے پھولوں کا ایک گلدستہ تیار کر کے آپ کے سامنے رکھا ہے بلکہ ان کی پہچان اور شناخت بھی کرائی ہے۔'' (۱)

حیدرقریشی اس مرتب کردہ مجموعہءکلام میں سب سے پہلے ہر شاعر کے بارے میں تعارف اور پھر اس کی شاعری میں سے منتخب اور معیاری کلام کو پیش کرتے ہیں۔اسی لیے ڈاکٹر انورسدید اس مجموعہءکلام پر اپنے مدلل انداز میں لکھتے ہیں:

> ''اس مجموعے کے دس شعراء۔۔۔۔۔ میں سے ہر ایک کا اسلوبِ غزل اپنی ایک الگ شخصیت اور انفرادی پہچان رکھتا ہے۔تاہم ان میں ایک قدرِمشترک بھی ہے اور وہ یہ کہ ان غزلوں کے شعراء کے باطن میں ان کی اپنی زمین کی بُوباس موجود ہے''۔ (۲)

''شفق رنگ'' حیدرقریشی کے شاعرانہ ذوق اور ناقدانہ اندازِفکر کی نمائندگی کرتا ہے۔حیدرقریشی منتخب شعراء کو ان کے فن کے آئینے میں پرکھتے ہوئے پرت در پرت کھولتے چلے جاتے ہیں کہ ہر شاعر اپنے منفرد لہجے اور جداگانہ اسلوب کو لیے اپنی پہچان کراتا نظر آتا ہے۔مثلاً صفدرصدیق رضی کی شاعری میں زندگی کے گرم وسرد رویّوں کو محسوس کرتے ہوئے حیدرقریشی اپنا خوشگوار تاثر یوں بیان کرتے ہیں:

> ''بہتی ہوئی صاف وشفاف ندیا کی گنگناہٹوں، جھومتی ہواؤں کی مستیوں اور مسکراتے ہوئے پھولوں کی خوشبوؤں کو اگر لفظوں کے جسم دیدیئے جائیں تو وہ صفدرصدیق رضی کی شاعری سے مختلف نہ ہوں گے۔'' (۳)

حیدرقریشی نے اپنی اس رائے کے ساتھ صفدرصدیق رضی کی جو منتخب غزلیں پیش کی ہیں ان میں سے چند مثالیں درج ذیل ہیں:

وہ شیریں لب جب تک میرے پاس رہا

مجھ کو شاعر ہونے کا احساس رہا (۴)
گنگناتی ہوئی لہروں کو سنا کرتا ہوں
گھول کر شہد سمندر میں تیری باتوں کا
تیری ہر سانس میں ہے میری دعا کی خوشبو
تو مہکتا ہوا پرتو ہے مرے ہاتھوں کا (۵)

رنگوں، پھولوں سے معموراس تاثر کے علاوہ حیدر قریشی صفدر صدیق رضی کی شاعری میں موجود ''فکری وفنی نشیب وفراز'' کو بھی ان کی انفرادیت قرار دیتے ہیں:

ہر ایک پاؤں مجھے روندتے ہوئے گذرا
نہ جانے کون سی منزل کا راستہ ہوں میں (۶)
''ہم تہی دست'' آبلہ پا لوگ
پھول چن لائے ہیں اجاڑوں سے (۷)

''شفق رنگ'' میں حیدر قریشی، میاں مقبول احمد کی شاعری میں موجود روایت اور جدیدیت کے امتزاج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''میاں مقبول احمد کی شاعری میں ہمیں ہر دونوع کی مقصدیت اور افادیت کا واضح طور پر اظہار ملتا ہے۔ وہ شاعری کے قابل فہم ہونے پر اصرار بھی کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں ابلاغ کی کوئی پیچیدگی پیدا نہیں ہوتی۔ وہ اپنے خیالات کا اظہار سیدھے سادے الفاظ میں کرتے ہیں اور یہی سادگی ان کی شاعری کی خوبصورتی ہے۔'' (۸)

''شفق رنگ'' میں موجود میاں مقبول احمد کی غزلوں میں سے نمونہء کلام درج ذیل ہیں:

کرلوں میں کچھ حساب دلِ لخت لخت کا
دم لے ذرا اجل ، ابھی فرصت کہاں مجھے
(شفق رنگ، ص نمبر۲۳)

کیا کیجئے ناقدریء عالم کی شکایت
پتھر ہی زمانے میں صداقت کا صلہ ہے
(شفق رنگ ، ص نمبر ۲۵)

کافرِ نظر آئے کہ مسلمان نظر آئے

میں ڈھونڈ رہا ہوں کوئی انساں نظر آئے
(شفق رنگ ، ص نمبر ۳۲)

پھرتا ہوں غمِ دل میں سموئے غمِ دنیا
اک میرے فسانے میں فسانے ہیں کئی اور
(شفق رنگ،ص نمبر۳۴)

''شفق رنگ'' میں سید نردوش ترابی کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے حیدر قریشی ان کے عوامیت اور ترقی پسند رجحانات کا یوں ذکر کرتے ہیں:

''سید نردوش ترابی کی شاعری کا بنیادی وصف بھی یہی ہے کہ وہ ترقی پسند شاعروں کی طرح لیڈر رہنے بغیر اپنے معاشرے کے سیاسی، معاشی اور سماجی مسائل کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ان کے کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے گھٹن زدہ ماحول سے فرار کی بجائے اس سے آنکھیں چار کرنے کی جرات رکھتے ہیں۔ان کے ہاں جو موضوعات زیادہ اہم رہے ہیں ان میں زر پرستی، غریبی، منافقت، ریاء کاری، سماجی تفریق اور سیاسی گھٹن زیادہ اہم ہیں۔'' (۹)

''شفق رنگ'' میں حیدر قریشی کی منتخب کردہ غزلوں میں سے سید نردوش ترابی کے چند اشعار درج ذیل ہیں۔

ہر پھول کی آنکھوں میں چھلکتے ہوئے آنسو
یہ ظلم ہے کیا بادِ صبا چیخ رہی ہے
(شفق رنگ ، ص نمبر۳۸)

تھیں شہر میں ہوس کی دکانیں کھلی ہوئیں
جس شخص کو بھی دیکھا وہی بدحواس تھا
(شفق رنگ ، ص نمبر۳۹)

جو لوگ دمکتے ہوئے کندن کی طرح تھے
دل ان کا مگر کھوٹ کے پیتل کی طرح تھا
(شفق رنگ،ص نمبر۴۰)

آج بھی ظلم سہے جاتے ہیں خاموشی سے
مفلسی، ضبط کا اک کوہِ گراں ہو جیسے

(شفق رنگ ، ص نمبر ۴۵)

حیدر قریشی ''شفق رنگ'' میں آسی خان پوری کی شاعری میں موجود فکر و خیال کی سچائیوں اور جذبوں کی تازگی کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی ناقدانہ رائے کا یوں اظہار کرتے ہیں:

''آسی خان پوری کی شاعری میں روایات کی مٹی کی سوندھی خوشبو بھی ہے اور نئے رجحانات کی رعنائیاں بھی۔ وہ روایات کی زمین میں جدت کے گلہائے رنگا رنگ اگاتے ہیں۔ وہ ماضی سے اپنے رشتوں کا تقدس بھی برقرار رکھتے ہیں اور حال کی عظمتوں سے بھی اپنا تعلق جوڑتے ہیں''۔ (۱۰)

''شفق رنگ'' میں موجود آسی خان پوری کی منتخب غزلوں میں سے چند اشعار درج ذیل ہیں:

پھر کہوں میں بھی غزل کس شوق سے آسیؔ اگر
میرے جذبوں کو کوئی تازہ توانائی ملے

(شفق رنگ ، ص نمبر ۵)

نظروں کے اشارے پہ قدم رقص کریں گے
گونجے کی صدا تیری تو ہم رقص کریں گے

(شفق رنگ ، ص نمبر ۵۵)

جل جانا کڑی دھوپ میں ارمانوں کی آسیؔ
صحرا میں گھنی چھاؤں کا ارمان نہ کرنا

(شفق رنگ، ص نمبر ۵۷)

''کرم چوہدری'' کا تعارف کرواتے ہوئے حیدر قریشی ان کی شاعری اور شخصیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں:

''کرم چوہدری کی شاعری کا مطالعہ کرتے وقت ہمیں ایک خوش فکر کھلنڈرے اور لا ابالی شاعر سے واسطہ پڑتا ہے اور کرم چوہدری کی شخصیت بھی اس شاعر سے مختلف نہیں ہے ۔۔۔۔۔ جو شاعری کے روایتی ہیرو کی طرح محبوب کے حسن کی تعریف میں رطب اللسّان نظر آتا ہے۔ کبھی ماضی کے دھندلکوں میں کھو کر ہجر و فراق کا کرب جھیل رہا ہوتا ہے تو کبھی وصال کی لذت سے شرف یاب ہوتا نظر آتا ہے۔۔۔۔۔'' (۱۱)

کرم چوہدری کی شاعری میں موجود ان متنوع رنگوں کو حیدر قریشی نے ''شفق رنگ'' میں موجود منتخب غزلوں سے پیش کرنے کی

بہترین کوشش کی ہے چند مثالیں درج ذیل ہیں:

رشتۂ دل عجیب ہوتا ہے
فاصلہ بھی قریب ہوتا ہے
(شفق رنگ ، ص نمبر ۶۰)

زلفوں کی گھنی چھاؤں میں جب ساری کٹی ہے
اب یاد کے انگاروں پہ اک شب تو گزارو
(شفق رنگ ، ص نمبر ۶۲)

جب بھی روٹھی ہے وہ نظر مجھ سے
ہر نظر مجھ پہ مسکرائی ہے
(شفق رنگ، ص نمبر ۶۶)

''شفق رنگ'' میں حیدر قریشی نے رحیم یار خان کے نمائندہ شاعروں کے ساتھ ساتھ وہاں کی شاعرات کو بھی نمائندگی دی ہے۔'' شفق رنگ'' میں حیدر قریشی شیما سیال کی سوگوار اداسی سے بھرپور شاعری اور کچھ مبہم انداز بیان کے متعلق لکھتے ہیں:

''شیما میرے لیے ایک بند کتاب ہے بلکہ وہ اپنے لیے بھی ایک بند کتاب ہے۔ پھر جب وہ خود بھی اپنے آپ کو نہیں پڑھ سکی تو کسی اور کے لئے اسے پڑھنے اور سمجھنے کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے۔ لیکن ظاہری طور پر میں جہاں تک سمجھ سکا ہوں شیما کا یہ طرزِ عمل اپنے آپ کو ''جھٹلا'' کر اپنے ''اقرار'' کا غماز ہے۔'' (۱۲)

شیما سیال کی منتخب غزلوں میں سے چند اشعار مندرجہ ذیل ہیں:

میرے قرار کی تسخیر تیرا روگ نہیں
میری ریاضتیں تجھ کو رہ پر لائیں گی
(شفق رنگ ، ص نمبر ۹۲)

ہر لمحہ میرے اندر اک طور سا جلتا ہے
اک سوز کلیمی ہے ہر بار تڑپتا ہوں
(شفق رنگ ، ص نمبر۹۴)

''شفق رنگ'' میں فرحت نواز کو '' جاگتی آنکھوں میں خواب دیکھنے والی اور جاگتے ذہن میں خواب سوچنے والی ایک لڑکی'' کا خطاب دیتے ہوئے حیدر قریشی ان کی خوابوں اور خواہشوں سے بھری شاعری کے بارے میں اپنا تجزیہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''فرحت کی شاعری کا مطالعہ کرتے ہیں تو ایک خوب صورت وادی میں پہنچ جاتے ہیں ۔ جہاں خواہشوں کے ہرے بھرے پہاڑوں پر جمی ہوئی برف کی پتلی پتلی تہیں آہستہ آہستہ پگھلتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں ۔ لفظوں کی ایک گنگناتی ہوئی ندیا ہے جس میں فرحت کے خوابوں کے سینکڑوں عکس ہیں ۔ رنگوں کے خواب' موسموں کے خواب' چاند اور سورج کے خواب' ستاروں کے خواب' آسمانوں کے خواب اور بہت سے خواب ۔'' (۱۳)

''شفق رنگ'' میں فرحت نواز کی منتخب غزلیں اپنے جذباتی تاثر اور پاکیزگی سے بھرپور احساس سے ہمیں متاثر کرتی ہیں ۔ ان کی غزلوں میں سے چند اشعار بطور نمونہ درج ذیل ہیں:

میں چاند بن نہ سکی جب کسی طرح فرحتؔ
بکھر گئی ہوں اندھیروں میں کہکشاں کی طرح
(شفق رنگ ، ص نمبر ۱۰۰)

کھل کے اظہارِ محبت تو مری فطرت نہ تھی
وہ سمجھتے رہ گئے ان سے مجھے الفت نہ تھی
(شفق رنگ ، ص نمبر ۱۰۲)

''شفق رنگ'' کے آخر میں حیدر قریشی نے اپنی غزلوں کا انتخاب پیش کیا ہے ۔ اپنے تعارف اور ''شفق رنگ'' کے دیباچے میں خود کو ترقی پسند قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''میں نے بیک وقت فیض اور وزیر آغا سے اثرات قبول کیے ۔۔۔۔ اس لیے مجھے خود کو ترقی پسند کہلاتے ہوئے فخر محسوس ہوتا ہے لیکن میری ترقی پسندی کی جڑیں اپنی دھرتی کے سینے میں ہی ہیں ۔'' (۱۴)

''شفق رنگ'' میں موجود حیدر قریشی کی غزلوں میں سے چند اشعار درج ذیل ہیں:

عبث ہے اب تو تلاش اور جستجو حیدرؔ
وہ کھو چکے ہیں وفا کی نشانیوں کی طرح
(شفق رنگ، ص نمبر ۱۰۹)

منزلوں نے تو مجھے ڈھونڈ لیا تھا حیدرؔ
پھر مرا شوق سفر مجھ کو چرا لایا تھا
(شفق رنگ ، ص نمبر ۱۱۰)

جیسے خاموشی چٹخنے کی صدا آئی ہو
یوں گرا ٹوٹ کے ان زرد خزاؤں کا فریب
(شفق رنگ ، ص نمبر ۱۱۳)

میں منزلوں کے کھوج میں خود سے بچھڑ گیا
پھر عمر بھر تلاش ہی اپنی رہی مجھے
(شفق رنگ ، ص نمبر ۱۱۴)

فرحت نواز اور حیدر قریشی کے پہلے اشعار اور مطلعوں کو دیکھ کر آسانی سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ وزیر آغا گروپ کے یہ دونوں شاعر کسی زمانے میں طرحی غزلیں کہتے رہے ہیں۔ حیدر قریشی کے مرتب کردہ مجموعہء کلام ''شفق رنگ'' کے تمام شعراء اپنے منفرد اسلوب اور جدید شعری رجحانات کے ساتھ اپنے شہر کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اسی لیے ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

''شفق رنگ'' کی اشاعت اس بات کو سامنے لاتی ہے کہ اچھی کتاب خان پور جیسے دور افتادہ شہر سے بھی پیش کی جا سکتی ہے اور اس کتاب کی شاعری پاکستان کی نمائندہ شاعری کی صف میں جگہ حاصل کرنے کی صلاحیت بھی رکھتی ہے۔ اس کتاب کی اشاعت پر حیدر قریشی کو مبارک باد پیش کرتا ہوں''۔ (۱۵)

گویا یہ کہا جا سکتا ہے کہ ''شفق رنگ'' کی اشاعت اور انتخاب اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ حیدر قریشی نے اپنی ادبی کوششوں کو بروئے کار لاتے ہوئے شہر کے نمائندہ شعراء کو ادبی دنیا میں متعارف کروایا۔ اسی لیے پس ورق پر ''میرزا ادیب'' حیدر قریشی کی صلاحیتوں کو سراہتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''شفق رنگ''۔۔۔۔۔۔۔ اردو ادب کے افق کی وہ شفق ہے جو ہمیں احساس دلاتی ہے کہ آدمی باہمت اور بلند ہمت ہو تو ایک ویرانے میں بھی خوش منظر پھول مہک سکتے ہیں''۔
(۱۶)

''شفق رنگ'' کی ترتیب میں تدوین کی خوش ذوقی، فنی دسترس اور ادبی سلیقے کی مدبرانہ شان نظر آتی ہے۔ جس سے حیدر قریشی کے ادبی قد و قامت میں یقیناً اضافہ ہوا لیکن ایک حقیقت کی طرف بھی اشارہ کرنا ضروری ہے اور وہ یہ کہ حیدر قریشی جدید عہد کے نقاد ہونے کے باوجود ''شفق رنگ'' میں تذکرہ نگاروں میں آگے نہیں بڑھ سکے بلکہ بعض حوالوں سے تو ان سے بھی کئی فرسنگ پیچھے نظر آتے ہیں۔

(ب) کرنیں:

''کرنیں'' بہاول پور ڈویژن کے اہم شعراء کے تعارف اور منتخب کلام پر مشتمل مجموعہ ہے۔ ''کرنیں'' حیدر قریشی اور اظہر ادیب کی مشترکہ کاوش ہے۔ یہ مجموعہ کلام اپریل ۱۹۸۰ء میں ۵۰۰ کی تعداد میں شائع ہوا۔ اس کی اشاعت ''جدید ادب پبلی کیشنز' خان پور'' سے ہوئی۔

اس مجموعے کا انتساب حیدر قریشی نے ''اُن دوستوں کے نام'' کیا ہے جو دشمنی کا سلیقہ نہیں جانتے۔'' جبکہ مجموعے کے پس ورق پر ''میرزا ادیب' ڈاکٹر تبسم کاشمیری اور اظہر جاوید'' کی آراء درج ہیں۔ مجموعے میں بہاول پور ڈویژن سے کل بارہ شعراء ''نقوی احمد پوری، کرم چوہدری، مظہر مسعود، صفدر صدیق رضی، آسی خان پوری، خورشید ناظر، فرحت نواز، ثمینہ راجہ، ممتاز حیدر ڈاہر، سید نردوش ترابی، اظہر ادیب اور حیدر قریشی کی شاعری سے منتخب کلام پیش کیا گیا ہے۔

مجموعہ کلام کے دیباچے میں حیدر قریشی لکھتے ہیں:

> ''یہ کتاب بہاول پور ڈویژن کی نئی نسل کے شاعروں کی ڈائریکٹری نہیں ہے۔ البتہ یہ اس ڈویژن میں موجود مختلف نئے اور صحت مند شعری رویوں کا بھرپور اظہار ہے۔'' (۱۷)

اگر انہی شعری رویوں کو معیار اور بنیاد بنایا جائے تو ''کرنیں'' کے تمام شعراء اپنے جداگانہ اور منفرد انداز کے ساتھ مختلف شعری رویوں کی پاسداری کرتے نظر آتے ہیں۔

نقوی احمد پوری اپنی شاعری میں ترقی پسندانہ رجحانات کی نمائندگی کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کا یہ ترقی پسند لہجہ کہیں اپنے اندر زم سی کڑواہٹ اور کہیں دھیما پن لیے محسوس ہوتا ہے۔ وہ ایک پختہ کار شاعر ہیں جو عصری تقاضوں کو سمجھتے اور اظہار کی قدرت رکھتے ہیں۔ نقوی احمد پوری کے بارے میں سید صغیر احمد رضوی اپنی رائے دیتے ہیں:

> ''نقوی احمد پوری ترقی پسند تو ہیں مگر ان کا شعری لہجہ فیض کی طرح بے حد دھیما ہے ان کے اندر کا فنکار ان کے باہر کے ترقی پسند پر حاوی نظر آتا ہے۔'' (۱۸)

نقوی احمد پوری کی منتخب غزلوں میں سے چند اشعار درج ذیل ہیں۔

میں تو اُس کرب کے صحرا میں کھڑا ہوں نقویؔ
کوئی سایہ میرے سینے سے لپٹتا ہی نہیں

(کرنیں، ص نمبر ۷)

اک تنے کے خون کی رو منقسم ہوتی گئی
کتنی شاخوں میں شجر کا بانکپن بٹتا گیا

(کرنیں، ص نمبر ۸)

جلا وطن کی طرح میں نقویؔ یہ سوچتا ہوں
زمیں پہ رہتا تو ہوں ، پر میرا وطن کہاں ہے
(کرنیں،ص نمبر۱۲)

''کرم چوہدری'' کی غزل روایات سے جڑی ہوئی ہے۔جو ان کے اندر کی کشمکش کو ابھارتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔اسی لیے حیدر قریشی کرم چوہدری کے تعارف میں لکھتے ہیں:

''کرم چوہدری صرف زندگی کے معلوم مناظر و مظاہر تک ہی محدود نہیں ہیں بلکہ ان کا تخلیقی وجدان مسلسل اس عالم کشف کی طرف بھی رواں دواں ہے جہاں نامعلوم کی دریافت کا تحیر خیز اور مسرت آمیز جہان آباد ہے۔'' (۱۹)

''کرنیں''میں موجود منتخب غزلوں میں سے''کرم چوہدری'' کے چند اشعار درج ذیل ہیں۔

شمع تمنا طوفانوں میں کتنی دیر جلاؤ گے
عشق تو ہے خوابوں کا صحرا، گم ہو کر رہ جاؤ گے
(کرنیں،ص نمبر۱۶)

ہزاروں برق و شرر ہیں مزاج میں اپنے
ہمیں سے خیر ہمیں سے تباہیاں ہوں گی
(کرنیں،ص نمبر۱۸)

مرے تو ہاتھ ہیں سورج تراشنے والے
جو ملتی مجھ کو امامت جہاں سنور جاتا
(کرنیں،ص نمبر۲۲)

''کرنیں''میں شامل تمام شعراء اپنے لہجے کے لطیف پیراؤں کو لیے جدیدیت کی منزل کی طرف محوِ سفر نظر آتے ہیں۔''کرنیں'' کے شعراء اپنی غزلوں میں زندگی کے تمام روشن و تاریک پہلوؤں کو سموئے ،زمان و مکاں کی قید سے رہائی پانے کی کوشش کرتے ہیں۔اُن کی شاعری انسان کے اندر کی شاعری ہے جو مادی دنیا کے مسائل کو افشا کرنے پر تلی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ایسی ہی شاعری کی چند مثالیں ''کرنیں''میں بھرپور توانائی کے ساتھ جلوہ گر نظر آتی ہیں۔مثلاً مظہر مسعود کے یہ شعر دیکھئے:

ڈوبتی لو سے نہ گھبراؤ کہ آخر دیپ ہوں
صبح کے روشن ستارے تک تو پھر بھی جاؤں گا

(کرنیں، ص نمبر ۳۱)

پکارو چارہ گروں کے خلوت کدوں پہ جا کر
کہ لوگ مسعوؔد بر سرِ عام رو رہے ہیں

(کرنیں، ص نمبر ۳۳)

زندگی کے حبس میں دم گھٹ کے مر جائیں گے ہم
سوچ کا گر اس طرح سے بند دروازہ ہوا

(کرنیں، ص نمبر ۴۳)

''کرنیں'' میں موجود بھرپور تاثر کی شاعری کے بارے میں ڈاکٹر تبسم کاشمیری رقم طراز ہیں:

''ان شعراء کی شعری لغت، ان کی تمثالیں اور ان کی علامتیں جدید شاعری کے ہم عصر رویوں کو پیش کرتی ہیں۔ ان میں آج کی زندگی کے مسائل اور ان مسائل کا کرب احساس کی پوری توانائی کے ساتھ موجود ہے۔'' (۲۰)

''کرنیں'' کے ایک شاعر خورشید ناظر کی غزل کی معنویت اور علامتیت روحِ عصر کو اپنے دامن میں سمیٹے ایسی فکر انگیز شاعری ہے جو اپنے قاری کو پوری طرح متوجہ کرتی ہے۔ اپنے مشکل پیرایہ اظہار کے باوجود وہ بڑی بات سہولت سے کہنے میں مہارت اور قدرت رکھتے ہیں۔ نمونہ کلام دیکھئے:

محیط مجھ پہ کڑی رات کا سمندر تھا
میں شہر میں تھا مگر دشت جیسا منظر تھا

(کرنیں، ص نمبر ۵۳)

راہ میں کتنے دریچے تھے مگر لمحوں نے
مجھ کو ویران صداؤں کا سفر سونپا ہے

(کرنیں، ص نمبر ۵۴)

خوابیدہ سڑکوں پر بہتی ریت کے منظر بیت گئے
اب تو شام سمندر برسوں برس برس کر سوکھ گیا

(کرنیں، ص نمبر ۵۸)

سید نردش ترابی بھی اپنے بلند آہنگ انداز بیاں سے ترقی پسند شاعری کے نمائندہ شاعر ہیں۔

کیونکہ بقول حیدر قریشی:

''وہ (سید نردوش ترابی) زندگی کو سرسری نظر سے دیکھ کر آگے بڑھ جانے کے قائل نہیں بلکہ وہ جہاں کوئی غیر معمولی صورت حال دیکھتے ہیں ٹھہر جاتے ہیں اور پھر صرف خاموش تماشائی بننے کے بجائے اس پر اپنی رائے کا بے لاگ اظہار بھی کرتے ہیں۔'' (۲۱)

''کرنیں''میں شامل سید نردوش ترابی کی منتخب غزلوں کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

غفلت میں ہم گزار رہے ہیں یہ زندگی
برسے گا اُس کا ابرِ کرم قہر کی طرح

(کرنیں،ص نمبر ۷۰)

اک نام ہے احسان فراموشی بھی اس کا
یہ دنیا فقط زود فراموش نہیں ہے

(کرنیں،ص نمبر ۷۲)

ثمینہ راجہ کی شاعری اپنے بھرپور نسوانی حوالے کو لیے ''کرنیں'' میں جلوہ گر نظر آتی ہے۔ثمینہ راجہ کی شاعری میں اُردو ادب کی دوسری شاعرات کی طرح بھرپور جذباتی رویوں کی چھاپ ملتی ہے۔ثمینہ راجہ کی شاعری میں پروین شاکر کا رنگ ڈھنگ نظر آتا ہے۔ایسے ہی چند اشعار ''کرنیں'' کی منتخب غزلوں سے درج ذیل ہیں:

شوخی بھی اس پر سجتی ہے لیکن جانے کیوں
مجھ کو تو وہ برہم برہم اچھا لگتا ہے

(کرنیں،ص نمبر ۷۶)

کب تلک اڑتی پھروں گی خوشبوؤں کے ساتھ ساتھ
گھیر ہی لے گی تھکاوٹ موسموں کے ساتھ ساتھ

(کرنیں،ص نمبر ۷۸)

فرحت نواز کی شاعری میں خوابوں کا منظر اُس کی لطافت کو مزید بڑھاتا ہے۔خوابوں کی صورت میں اپنے جذبات کو بیان کرنے والی ''خوابوں کی شاعرہ'' فرحت اپنی تخلیقات میں بھی خوابوں کو پروتی نظر آتی ہے۔

ٹوٹے ہوئے خوابوں میں خود بھی نہ چٹخ جاؤں
بہتر ہے کہ سب بکھری یادوں کو بھلا رکھوں

(کرنیں،ص نمبر ۸۴)

آنکھوں میں جب خواب نہ کوئی بھی اترے
فرحت بن لیتی ہوں میں لفظوں کے خواب

(کرنیں، ص نمبر۸۶)

خود بخود ہونٹ مسرت سے کھلے جاتے ہیں
یوں تصور میں کوئی نقش سا ڈھلتا ہی رہا

(کرنیں، ص نمبر۸۸)

''کرنیں'' کے شعراء میں ایک اہم نام اظہر ادیب کا بھی ہے۔ اظہر ادیب کی شاعری میں ترقی پسندی اور روایت پسندی کا خوب صورت امتزاج ہے۔ یہی امتزاج اُن کی شاعری میں نئے لفظوں اور پرانے لفظوں کے مفاہیم کو اجاگر کرتا ہے۔ ''کرنیں'' میں شامل اظہر ادیب کی منتخب غزلوں کے چند شعر درج ذیل ہیں۔

جہاں وہ بچھڑا تھا خود کو لیے کھڑا ہوں وہیں
بس اس یقیں پہ کہ وہ شخص لوٹ آئے گا

(کرنیں، ص نمبر۹۳)

سدا میں کانٹوں سے اظہؔر لڑا ہوں جس کے لیے
وہ پھول جیسا تھا پر دے گیا خراش مجھے

(کرنیں، ص نمبر۹۴)

کون نکلے گا بہاروں کے سندیسے لے کر
اب کے اظہؔر درِ خوشبو پہ بھی تالے دیکھوں

(کرنیں، ص نمبر۹۸)

حیدر قریشی اپنے منفرد اور پختہ اندازِ بیان کو لیے فن کے جمالیاتی اور تخیلاتی رویوں کی بھرپور نمائندگی کرتے ہیں۔ بقول سید صغیر احمد رضوی:

''زندگی کی ہر مثبت اور منفی جہت کو دیکھنے کے باوجود ان کے ہاں فن کا جمالیاتی زاویہ ہمیشہ مقدم رہتا ہے۔'' (۲۲)

''کرنیں میں شامل حیدر قریشی کی غزلوں میں سے نمونہ کلام:

اس کو پانے کی تمنا پہ یقیں کب ہے مگر
ہاتھ جب اٹھ ہی گئے ہیں تو دعا ہی مانگوں

(کرنیں،ص نمبر۱۰۳)

تمام روشنیاں، خوشبوئیں بجا حیدرؔ
پر اس گلاب بدن سا کوئی ہوا بھی نہیں

(کرنیں،ص نمبر۱۰۶)

حیدر قریشی اور اظہر ادیب کا مرتب کردہ مجموعہ کلام ''کرنیں'' اپنے تمام نئے اور پرانے رویوں کو لیے تمام شعراء کی نمائندگی کرتا ہے۔اسی لیے مرزا ادیب اپنی رائے کا یوں اظہار کرتے ہیں:

''بہاول پور ڈویژن کے ان شاعروں اور شاعرات میں جو تازگی فکر، ندرتِ فکر اور اسلوب فکر موجود ہے۔اس کا اظہار ادب و تہذیب کے مرکزی شہروں میں بہت کم محسوس ہوتا ہے۔'' (۲۳)

گویا ہم کہہ سکتے ہیں کہ حیدر قریشی اور اظہر ادیب کی ''کرنیں'' اپنے تمام نمائندہ شعراء اور ان کے منتخب کلام کی بدولت اردو شاعری کی دوسری مرتب کردہ کتابوں اور مجموعوں میں اپنی علیحدہ پہچان پیدا کرنے میں کامیاب ہوئی ہے کیونکہ یہ مشہور شہروں کے شعراء کی نہیں بلکہ بہاول پور کے چھوٹے اور گمنام شہروں میں موجود اعلیٰ شعری رجحانات کی ذہانتوں کو پیش کرتی ہے۔اس لیے اظہر جاوید بہاول پور ڈویژن کے نئی نسل کے ان شعراء کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں:

''کرنیں کے حوالے سے ان شاعروں کو آسمان ادب کے ایسے تارے بھی کہا جاسکتا ہے جو چٹکی ہوئی چاندنی میں بھی اپنے ہونے کا بھرپور ثبوت دیتے ہیں اور اپنی روشنی اور چمک کو ماند نہیں پڑنے دیتے۔'' (۲۴)

''کرنیں'' کے حوالے سے دو ایک باتیں بہت اہم ہیں۔اول یہ کہ یہ بھی ''شفق رنگ'' کی طرح ایک نا کام تذکرہ سے آگے نہیں بڑھتی۔دوسری اہم بات یہ ہے کہ اندازہ نہیں ہوتا کہ آخر اس میں شعراء کا تذکرہ کس اُصول کی بنیاد پر کیا گیا ہے۔اگر جدید شعراء کا ذکر ہے تو نقوی احمد پوری کیوں؟ اور اگر مقام و مرتبہ کے حوالے سے کیا گیا ہے تو تابش الوری، سہیل اختر اور عابد صدیق کیوں نہیں؟ آخری بات یہ ہے کہ یوں لگتا ہے جیسے کسی اُصول کی بجائے شعراء کے نام اپنی ذاتی پسند و ناپسند کے حوالے سے رکھے گئے ہیں۔ساتھ ہی یہ بات بھی اہم ہے کہ شفق رنگ ۱۹۷۹ء میں اور کرنیں ۱۹۸۰ء میں چھپیں تو کیا صرف ایک ہی برس میں حیدر قریشی اور فرحت نواز کی شاعری میں ایسا فنی فرق آ گیا تھا کہ نوٹ از سر نو لکھنے پڑے؟

(ج)۔ سرائیکی غزل:

''سرائیکی غزل'' سرائیکی شاعری کا منتخب مجموعہ ہے جس میں چند اہم شاعروں کی سرائیکی غزلوں کا انتخاب پیش کیا گیا ہے۔اس مجموعہ کلام کو حیدر قریشی نے مرتب کیا۔ حیدر قریشی نے ستمبر ۱۹۸۰ء کو ''جدید ادب پبلی کیشنز، خان پور'' سے ''سرائیکی غزل'' کی اشاعت کروائی۔اس مجموعہ کا سرورق ''شفیق فاروقی'' نے تیار کیا جبکہ کتابت کی ذمہ داری ''عطااللہ طارق دھریجہ نے سرانجام دی۔حیدر قریشی نے اس مجموعے کا انتساب اپنے ''اباجی دے ناں'' کیا ہے۔

حیدر قریشی کی مرتب کردہ کتاب سرائیکی غزل کے انتخاب کے ساتھ ساتھ سرائیکی کی تنقیدی کتاب کا درجہ بھی رکھتی ہے۔''سرائیکی غزل'' کو تخلیق کرنے کے بارے میں حیدر قریشی بتاتے ہیں:

> ''ایک سرائیکی دوست م۔ی۔قیصرانی نے اپنے مضموں ''غزل تے سرائیکی دامزاج''
> سرائیکی غزل کے ردّ میں لکھا تو میں نے اُن کے مضمون کے جواب میں سرائیکی غزل کی تائید
> کی اور اپنے مختصر سے انتخاب کو اس کے جواز کے طور پر پیش کیا تھا۔'' (۲۵)

حیدر قریشی نے اس مجموعے کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔پہلے حصے میں سرائیکی غزل پر چند تنقیدی مضامین لکھے گئے ہیں۔جن میں سے تین مضمون ''گفتگو، سرائیکی غزل اور فن دا اظہار'' حیدر قریشی نے تحریر کیے ہیں جبکہ غزل تے سرائیکی دا مزاج'' ن۔م۔قیصرانی کا مضمون ہے جو حیدر قریشی نے اپنی کتاب میں شامل کر کے اس انتخاب کی وجہ بیان کی ہے۔جبکہ دوسرے حصے میں حیدر قریشی نے ۳۸ شعراء کی منتخب معیاری غزلیات پیش کی ہیں۔ان سرائیکی شعراء میں سے اہم نام: محسن نقوی،نقوی احمد پوری،قیس فریدی،صدیق طاہر، ممتاز حیدر ڈاہر،اقبال سوکڑی،عزیز شاہد، فانی اللہ آبادی، طاہر تونسوی،فرحت نواز، پروین عزیز، رحمٰن یاد، نیاز حسین لکھویرا، حامد علی شاکر، مشتاق ثمر،جعفر بلوچ، جی اے کاوش،شفیق صابر اور حیدر قریشی کے ہیں۔

حیدر قریشی نے مجموعہ ''سرائیکی غزل'' کے ذریعے اپنی مادری زبان کو اپنے اس سرائیکی انتخاب کے ذریعے آگے بڑھایا۔حیدر قریشی میں اپنی زبان کے بارے میں یہ اندازِ فکر اُن کے اندر موجود تخلیقی انسان کی نشاندہی کرتا ہے جو اپنی مادری زبان کو کبھی فراموش نہیں کرتا اور اُس کا حق ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے۔

(د) جدید ادب کی ۹ سال تک ادارت (پاکستان):

حیدر قریشی نے مرتب کردہ کتابوں کے علاوہ اپنے شہر خان پور سے ایک رسالے جدید ادب کا اجراء بھی کیا جو کہ اپنے منفرد مضامین اور انتخاب کی بدولت پاکستان میں خاص اہمیت کا حامل سمجھا جاتا تھا۔

''جدید ادب ''کا اجراء:

پاکستان میں ''جدید ادب'' کا پہلا شمارہ اکتوبر ۱۹۷۸ء میں ''خان پور'' سے شائع ہوا۔اس رسالے کے مدیرِ اعلیٰ ''حیدر قریشی'' اعزازی مدیر، ''صفدر صدیق رضی'' اور معاون مدیران میں ''آسی خان پوری، فرحت نواز اور مبارکہ شوکت'' کے نام شامل تھے۔''جدید

ادب'' کی اشاعت ''جدید ادب پبلی کیشنز، خان پور (پاکستان) سے کروائی جاتی تھی۔

حیدر قریشی کی شاعری اور تنقیدی مضامین مختلف رسائل اور جرائد میں شائع ہوتے تھے۔ اسی تخلیقی تڑپ کی بدولت انہوں نے اپنے شہر خان پور سے یہ رسالہ ''جدید ادب'' نکالنے کا پروگرام بنایا۔ اس سلسلے کے بارے میں حیدر قریشی خود لکھتے ہیں:

''۱۹۷۸ء کے آخر میں ''جدید ادب'' کتابی سلسلے کے اجراء کا پروگرام بنا۔ میں خان پور سے چل کر لاہور آیا۔ علی اکبر عباس پہلے ادیب تھے جو بڑی محبت سے ملے۔ میری حوصلہ افزائی کی۔۔۔ لاہور کے ادیبوں سے نگارشات لے کر دیں۔ ''جدید ادب'' کے اولین کرم فرماؤں میں سراج منیر، اقبال ساجد، سلام عظمی، خالد احمد اور بعض دیگر ادباء شامل تھے۔''
(۲۶)

''جدید ادیب'' کی اشاعت کی بڑی وجہ حیدر قریشی کے مطابق یہ تھی:

''جدید ادیب'' کے اجراء کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ بڑے شہروں کے ادیبوں کی اجارہ داری کے باوجود چھوٹے شہروں کے ٹیلنٹ کو بھی سامنے آنے کا موقعہ ملنا چاہیے'' (۲۷)

حیدر قریشی اپنے ایک انٹرویو میں جدید ادب کی اشاعت کے متعلق لکھتے ہیں:

''اس وقت تو ذہن میں ایک ہی بات تھی کہ بڑے شہر کے ادیبوں کو بتایا جائے کہ اچھا کام محض بڑے شہروں کی میراث نہیں بلکہ چھوٹے شہر والے بھی ایسا کام کر سکتے ہیں۔''
(۲۸)

پاکستان میں ''جدید ادیب'' ۹ سال تک جاری رہا۔ اس دورانیہ یعنی ۱۹۷۸ء سے ۱۹۸۶ء تک ''جدید ادیب'' کے تقریباً ۱۶ شمارے شائع ہوئے۔ ان شماروں میں اکثر مضمون نگار اور شاعر خاص اہمیت اور شہرت کے حامل تھے۔ بقول حیدر قریشی:

''جدید ادب'' کی مقبولیت اور کامیابی کی ایک وجہ اس میں پیش کیے جانے والے خصوصی گوشے تھے۔ یہ گوشے مشہور ادیبوں اور شاعروں کے فکر و فن پر ترتیب دیئے جاتے تھے۔ ان میں اہم لوگوں مثلاً میرزا ادیب، جمیل جالبی، شمیم احمد، ڈاکٹر وزیر آغا اور جوگندر پال جیسے ادیبوں شاعروں کے گوشے زیادہ اہم ہیں۔'' (۲۹)

''جدید ادیب'' کتابی سلسلے کے طور پر شائع کیا جاتا تھا۔ اس کی باقاعدہ طور پر اشاعت نہیں ہوتی تھی۔ ''جدید ادیب'' کے باقاعدہ مرتبین حیدر قریشی، صفدر صدیق رضی اور فرحت نواز تھے۔

''جدید ادیب'' کو عموماً چھ حصوں میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ ان حصوں کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) مضامین　　(۲) افسانے　　(۳) غزلیں

(۴)فن وشخصیت (۵) نظمیں (۶) تبصرے، تذکرے

کسی بھی ادبی رسالے کی اہمیت اس کے تخلیق کاروں کے سبب ہوتی ہے۔ ''جدید ادیب'' کی کامیابی کی بنیادی وجہ بھی یہ تھی کہ اس میں لکھنے والے نامور ادیب اور شعراء تھے۔ اس کے علاوہ ''جدید ادیب'' میں نئے لکھنے والوں کی معیاری اور منفرد نگارشات کو بھی اہمیت دی جاتی تھی۔ اس سلسلے میں حیدر قریشی کی کوششوں کا زیادہ عمل دخل تھا کہ انہوں نے ''جدید ادیب'' کے لیے خود بڑے بڑے ادیبوں سے درخواست کی اور انہیں ''جدید ادیب'' میں لکھنے کی طرف مائل کیا۔

اسی لیے جدید ادب کے شمارہ نمبر ا، ۱۹۷۸ء میں کچھ غیر اہم ادیبوں اور شعراء کے ساتھ ساتھ چند اہم ادیبوں، مضمون نگاروں، شاعروں کے نام بھی شامل تھے۔ ''جدید ادیب'' کے ابتدائی شمارے میں ڈاکٹر سید عبداللہ، ممتاز مفتی، اصغر ندیم سید، سراج منیر اور دوسرے کئی اہم نام نظر آتے ہیں۔

''جدید ادیب'' کا شمارہ مطبوعہ نومبر ۱۹۸۰ء ۴۹۰ صفحات پر مشتمل تھا اور اس میں متعدد موضوعات پر بحث کی گئی تھی اور ساتھ ہی شاعری کا ایک معیاری انتخاب، خصوصی مطالعہ کے طور پر اپنے شہر کے شعراء کی غزلیں اور نظمیں شائع کی گئیں۔ ۱۹۸۰ء کے اس شمارے میں اہم مضمون نگاروں میں ڈاکٹر وزیر آغا، شمیم احمد، ڈاکٹر انور سدید، شمس الحق عثمانی اور ڈاکٹر ملک حسن اختر وغیرہ کے نام شامل تھے۔ افسانوں میں ممتاز مفتی، آغا بابر، جوگندر پال، انور سجاد، رشید امجد اور مرزا حامد بیگ اور دیگر کے افسانے شائع کیے گئے۔

فن وشخصیت کے حصے میں فیض احمد فیض، ڈاکٹر وزیر آغا، مرزا ادیب، صدیق سالک، شمیم احمد، ڈاکٹر انور سدید اور احمد ظفر جیسی شخصیات پر مضمون پیش کیے گئے۔ شاعری میں بھی متعدد مشہور شعراء فیض احمد فیض، ڈاکٹر وزیر آغا، سلیم احمد، مظہر امام، احمد فراز اور مناظر عاشق ہرگانوی کے علاوہ دوسرے کئی شعراء کا منتخب کلام پیش کیا گیا۔

''جدید ادیب'' کے اکثر خصوصی شمارے بھی شائع کیے گئے، جن میں خصوصی گوشے مرتب کیے جاتے تھے۔ مثلاً مارچ ۱۹۸۳ء کے شمارے میں ''ڈاکٹر جمیل جالبی کے لیے ایک گوشہ'' مرتب کیا گیا جس میں بڑے بڑے ادیبوں نے جمیل جالبی کی شخصیت اور فن پر مضامین تحریر کیے۔ ان مضمون نگاروں میں ڈاکٹر احسن فاروقی، میرزا ادیب، ڈاکٹر انور سدید، شمیم احمد اور قرۃ العین طاہرہ کے نام شامل ہیں۔ اس کے علاوہ اس خصوصی شمارے میں ڈاکٹر جمیل جالبی کے انٹرویوز بھی شائع کیے گئے۔ اس شمارے کے بارے میں حیدر قریشی بتاتے ہیں:

''مارچ ۱۹۸۳ء میں جمیل جالبی کے بارے میں ایک گوشہ پیش کیا گیا، تو شمارے پر اس کا بہت اچھا اثر پڑا۔'' (۳۰)

پھر ۱۹۸۴ء اور ۱۹۸۵ء کے شمارے میں ''جدید ادیب'' کا جوگندر پال نمبر بھی شائع کیا گیا جو اپنی نوعیت کا ایک منفرد رسالہ شمار کیا جاتا ہے۔ اس شمارے کے بارے میں سعید شباب لکھتے ہیں:

''اُردو کے ادیب جہاں بھی ادب کی خدمت کر رہے ہیں، انہیں جغرافیائی سطح پر دیکھنے کی بجائے ادبی سطح پر دیکھا اور یوں جوگندر پال جیسے بڑے افسانہ نگار اور ناول نگار کے فن و

شخصیت پر ایک پورا نمبر کتابی صورت میں ''جدید ادیب'' نے پیش کیا جو بھارت کے کسی زندہ ادیب کے بارے میں پاکستان سے شائع ہونے والا پہلا نمبر ہے۔'' (۳۱)

''جدید ادیب' جوگندر پال نمبر'' میں ان کے فن اور شخصیت پر متعدد مضامین کے ساتھ ساتھ ان کا تازہ اور غیر مطبوعہ ناول ''نادیدہ'' بھی شائع کیا گیا۔

خصوصی شماروں میں سے ایک شمارہ ۱۹۸۶ء میں ''سات ادیب'' کے نام سے شائع کیا گیا۔ اس شمارے میں تمام ادیبوں کے لیے علیحدہ علیحدہ گوشے ترتیب دیئے گئے۔ یہ ادیب جیلانی کامران، محمد علی صدیقی، مظہر امام، طارق محمود، ذکاء الدین شایاں، حفیظ شاہد اور تسلیم الہی زلفی تھے۔

''جدید ادیب'' نو سال تک خان پور سے جاری رہا۔ پھر محدود وسائل اور مالی مشکلات کی وجہ سے بند ہو گیا۔ ''جدید ادیب'' کا آخری شمارہ خان پور (پاکستان) سے ۱۹۸۶ء میں شائع ہوا۔ ''جدید ادیب، خان پور'' کی انفرادیت کے بارے میں حیدر قریشی لکھتے ہیں:

''یہ پرچہ ۸۰ صفحات سے لے کر ۵۰۰ صفحات تک گیا۔ ۱۶۰، ۲۶۰ اور ۳۱۲ صفحات پر مشتمل شمارے بھی شائع ہوئے۔ تاہم اس پرچے نے بہت جلد اپنا تشخص قائم کر لیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا ۸۰ صفحات کا شمارہ بھی تحرک پیدا کرتا تھا۔ کسی چھوٹے شہر سے ابھرنے والی غالباً یہ پہلی آواز تھی جس نے ادب کے مراکز کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ اچھا ادب تخلیق کرنے کے لیے اور اچھا ادبی کام کرنے کے لیے مرکزی نوعیت کے شہروں میں مقیم ہونا ضروری نہیں۔''
(۳۲)

''جدید ادیب، خان پور'' کی ایک خاص بات یہ تھی کہ اس میں ڈاکٹر وزیر آغا اور اُن کے ساتھی ادیبوں اور شاعروں کے بارے میں اہتمام سے لکھا جاتا اور اُن کی تحریروں کو خاص جگہ دی جاتی تھی۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ حیدر قریشی ڈاکٹر وزیر آغا کی ادبی تحریک کے باقاعدہ رکن بن چکے تھے۔ اس لیے ان کے رسالے ''جدید ادب'' میں ڈاکٹر وزیر آغا کے متعلق زیادہ تحریر کیا جاتا۔ وزیر آغا اور ان کے قریبی ساتھیوں کے لیے خصوصی گوشے کا اہتمام بھی کیا جاتا۔ ڈاکٹر وزیر آغا اور ان کی تحریک سے وابستہ ہونے کا ایک بڑا ثبوت یہ بھی ہے کہ ''جدید ادب'' میں احمد ندیم قاسمی اور اُن کی تحریک سے وابستہ ادیبوں، شاعروں کی کوئی تحریر شائع نہیں ہوتی تھی اور نہ ہی یہ گروپ اپنی تحریریں ''جدید ادیب'' میں شائع کرواتا تھا اور نہ ہی احمد ندیم قاسمی کے رسالے ''فنون'' میں حیدر قریشی کی کوئی تحریر کبھی شائع ہوئی۔

''جدید ادب'' (جرمنی):

رسالہ ''جدید ادب، خان پور'' کی اشاعت معطل ہونے کے کچھ عرصہ بعد حیدر قریشی ۳۱ دسمبر ۱۹۹۳ء کو جرمنی منتقل ہو گئے۔ جرمنی

میں قیام کے دوران میں حیدر قریشی نے خود کو علمی، ادبی اور تخلیقی کاموں میں مصروف رکھا اور اس کے ساتھ ساتھ جرمنی سے بھی ادبی جریدہ ''جدید ادب'' کو شائع کروانے کے لیے اپنی کوششوں کو جاری رکھا۔ انہی کوششوں کی بدولت حیدر قریشی ۱۹۹۹ء میں ادبی مجلّہ ''جدید ادب'' جرمنی سے شائع کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

جرمنی میں ادبی جریدہ ''جدید ادب'' کا پہلا شمارہ مئی ۱۹۹۹ء میں ''سرور ادبی اکادمی'' جرمنی کے زیر اہتمام شائع ہوا۔ اس شمارے کے مدیران ''حیدر قریشی اور ڈاکٹر کرسٹینا اوسٹر ہیلڈ'' تھے اور مجلس مشاورت کے فرائض احمد حسین مجاہد (پاکستان)، امین خیال (پاکستان)، محمد آصف خواجہ (ڈنمارک)، ڈاکٹر خوشی محمد (جرمنی)، نافر نظامی (ہالینڈ) اور ارشاد ہاشمی (جرمنی) نے سرانجام دیئے۔

ادبی مجلّہ ''جدید ادب'' جرمنی کے شمارہ نمبر ا کے آغاز میں اداریہ، حمد اور نعت کے بعد شمارے کو درج ذیل حصوں میں تقسیم کیا گیا۔

(۱) مقالات	(۲) ماہیا	(۳) تجزیاتی مطالعہ
(۴) دوہا	(۵) رفتگاں	(۶) نظم
(۷) افسانہ	(۸) غزل	(۹) انشائیہ
(۱۰) نثری شاعری	(۱۱) ہائیکو	(۱۲) کتابوں پر تبصرہ

جبکہ آخر میں خطوط کو جگہ دی گئی۔

جرمنی سے ''جدید ادب'' کا دوسرا شمارہ مئی ۲۰۰۰ء کو شائع ہوا۔ اس شمارہ میں پہلے شمارے کی نسبت زیادہ تعداد میں اصنافِ ادب پیش کی گئیں۔ مثلاً مضامین ماہیے، غزلیں، افسانے، خودنوشت، کتابوں پر تبصرے اور خطوط وغیرہ۔ ان کے علاوہ ''جدید ادیب'' کے اس شمارے میں خصوصی مطالعے بھی پیش کیے گئے۔ خصوصی مطالعے میں ان شاعروں کی تحریریں شامل تھیں۔

(۱) ماہیے۔ ترنم ریاض
(۲) ڈاکٹر وزیر آغا کی نظمیں
(۳) علی محمد فرشی کی نظمیں
(۴) اکبر حمیدی کی غزلیں
(۵) افتخار مغل کی غزلیں
(۶) عباس تابش کی غزلیں
(۷) عارف فرہاد کی شاعری

خصوصی مطالعے میں ہی کچھ حصہ تنقیدی مضامین پر بھی مشتمل تھا۔ اُن تنقیدی مضامین اور مصنفین کے نام درج ذیل ہیں۔

(۱) یادوں کے سفینے	ہارون الرشید
(۲) بیسویں صدی میں غالبیات	شاہد ماہلی
(۳) زین العابدین خان عارف اور ان کی شاعری	ڈاکٹر وسیم بیگم
(۴) ڈاکٹر خالد حسین قادری کی نئی آواز	محمود ہاشمی

(۵) پرماتما کے نام آتما کے پتر حقانی القاسمی

(۶) اُردو ماہیے کی تحریک محمد وسیم انجم

''جدید ادب''، جرمنی کے شماروں کی اہم بات یہ تھی کہ اس میں ماہیے اور ماہیے کے فروغ کے لیے باقاعدہ حصے مقرر کیے گئے۔ اس شمارے میں ایک بڑی تعداد میں ماہیا نگاروں کے ماہیے بھی شائع کیے گئے۔ اُن ماہیا نگاروں میں ہمت رائے شرما، امین خیال، مناظر عاشق ہرگانوی، فراز حامدی، ثریا شہاب، سلطانہ مہر، سعید شباب اور مشتاق احمد کے نام شامل تھے۔

''جدید ادیب'' کے شمارہ نمبر ۲ میں غزلوں کے حصے کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ پہلا حصہ ۱۱۹ صفحے سے لے کر ۱۲۴ صفحے تک تھا اور اس حصے میں آصف ثاقب، رؤف امیر، نسیم عباس، طارق نعیم، ہارون الرشید اور واحد اعجاز کی غزلیں شامل تھیں۔

غزلوں کا دوسرا حصہ ۱۳۰ صفحے سے لے کر ۱۴۲ صفحے تک ہے اور اس حصے میں ۲۲ شعراء کی غزلوں کو شامل کیا گیا جبکہ غزلوں کا تیسرا حصہ شمارے کے ۲۱۹ صفحے سے ۲۲۴ صفحے تک ہے۔ اس حصے میں بارہ شعراء کی غزلیں پیش کی گئیں، جن میں حیدر قریشی کی غزل بھی شامل ہے۔

حیدر قریشی ''جدید ادب'' کی اشاعت کو جرمنی میں اپنی مکمل کوششوں کے باوجود جاری نہ رکھ سکے۔ جرمنی میں ''جدید ادب'' کے دو شمارے مئی ۱۹۹۹ء اور مئی ۲۰۰۰ء ہی شائع ہو سکے۔ اُس کے بعد چند وجوہ کی بناء پر اس کی اشاعت معطل کر دی گئی۔ ''جدید ادب'' جرمنی کی اشاعت معطل کرنے کے بارے میں حیدر قریشی بتاتے ہیں:

> ''جدید ادب، جرمنی'' کی کمپوزنگ اور اشاعت کے تمام معاملات سب کچھ پاکستان کے دوستوں کے ہاتھوں میں تھا۔ اس لیے میرا عمل دخل بہت کم تھا اور دوسری وجہ، میری مرضی سے ترتیب وانتخاب بھی نہیں ہو پاتا تھا، اس لیے بند کر دیا گیا''۔ (۳۳)

''جدید ادب''، جرمنی کے مدیر رہنے کے علاوہ حیدر قریشی جرمنی کے ماہانہ ادبی خبرنامہ ''اُردو دنیا'' جرمنی کے ادبی پینل کے چیئرمین کی حیثیت سے بھی کام کر چکے ہیں۔ ان تمام رسائل کو دیکھ کر ہم بلا تردد کہہ سکتے ہیں کہ حیدر قریشی ایک اچھے مدیر کے مرتبے پر فائز ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ حیدر قریشی، ''شفق رنگ''، پس ورق از ذوالفقار احمد تابش، جدید ادب پبلی کیشنز، خان پور ۔۔۔

۱۹۷۹ء

۲۔ حیدر قریشی، ''شفق رنگ''، پس ورق از ڈاکٹر انور سدید۔

۳۔ حیدر قریشی، ''شفق رنگ''، ص نمبر ۹

۴۔ حیدر قریشی، ''شفق رنگ''، ص نمبر ۱۱

۵۔ حیدر قریشی، ''شفق رنگ''، ص نمبر ۱۳

۶۔ حیدر قریشی، ''شفق رنگ''، ص نمبر ۱۴

۷۔ حیدر قریشی، ''شفق رنگ''، ص نمبر ۱۷

۸۔ حیدرقریشی، ''شفق رنگ''، ص نمبر ۲۱

۹۔ حیدرقریشی، ''شفق رنگ''، ص نمبر ۳۶

۱۰۔ حیدرقریشی، ''شفق رنگ''، ص نمبر ۴۶

۱۱۔ حیدرقریشی، ''شفق رنگ''، ص نمبر ۵۸

۱۲۔ حیدرقریشی، ''شفق رنگ''، ص نمبر ۹۰

۱۳۔ حیدرقریشی، ''شفق رنگ''، ص نمبر ۹۷

۱۴۔ حیدرقریشی، ''شفق رنگ''، ص نمبر ۱۰۵

۱۵۔ حیدرقریشی، ''شفق رنگ''، پس ورق از انورسدید

۱۶۔ حیدرقریشی، ''شفق رنگ''، پس ورق از مرزاادیب

۱۷۔ حیدرقریشی۔اظہرادیب، ''کرنیں'' ص نمبر ۱۰۲، جدیدادب پبلی کیشنز، خان پور ۔۔۔۔ اپریل۱۹۸۰ء

۱۸۔ ''جدیدادب'' ، ص نمبر ۴۷۰، جدیدادب پبلی کیشنز، خان پور، نومبر ۱۹۸۰ء

۱۹۔ ''کرنیں'' ، نمبر ۱۵

۲۰۔ حیدرقریشی۔اظہرادیب، ''کرنیں''، پس ورق ازڈاکٹرتبسم کاشمیری،

۲۱۔ ص نمبر۶۸

۲۲۔ ''جدیدادب'' ، ص نمبر ۴۷۲

۲۳۔ حیدرقریشی۔اظہرادیب، ''کرنیں'' ، پس ورق از مرزاادیب

۲۴۔ حیدرقریشی۔اظہرادیب، ''کرنیں'' ، پس ورق از اظہرجاوید

۲۵۔ حیدرقریشی۔تحریری انٹرویوبسلسلہ سوالنامہ، یکم نومبر ۲۰۰۲ء ، جرمنی

۲۶۔ حیدرقریشی، ''میری محبتیں'' ص نمبر۱۰۷، معیارپبلی کیشنز،دہلی،۱۹۹۸ء

۲۷۔ حیدرقریشی۔ ''میری محبتیں'' ص ۱۰۷

۲۸۔ حیدرقریشی، تحریری انٹرویوبسلسلہ سوال نامہ، یکم نومبر۲۰۰۲ء، جرمنی

۲۹۔ حیدرقریشی، تحریری انٹرویوبسلسلہ سوال نامہ، یکم نومبر۲۰۰۲ء، جرمنی

۳۰۔ حیدرقریشی، تحریری انٹرویوبسلسلہ سوال نامہ، یکم نومبر۲۰۰۲ء، جرمنی

۳۱۔ ''جدیدادب''، ص نمبر۶، جدید پبلی کیشنز، خان پور، ۱۹۸۶ء

۳۲۔ ''جدیدادب،جرمنی'' ص نمبر۹، سرورادبی اکادمی جرمنی، مئی۲۰۰۰ء

۳۳۔ حیدرقریشی، تحریری انٹرویوبسلسلہ سوال نامہ، یکم نومبر۲۰۰۲ء، جرمنی

محاکمه

ادب زندگی کا عکاس وترجمان ہے اور زندگی کی عکاسی وترجمانی ایک سچے اور کھرے ادیب وشاعر کی مرہونِ منت ہوتی ہے۔ اسی لئے ادیب وشاعر انسانی زندگی کے نبّاض قرار دیئے جاتے ہیں۔ تاریخ ادب کے مطالعے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ جو تخلیق کار اس معیار پر پورے اترے انہیں مقامِ فضیلت نصیب ہوا۔ تخلیق کا یہ عمل بدلتی زندگی کے بدلتے تقاضوں کے مطابق بدلتا اور اپنا راستہ بناتا سنوارتا چلا جاتا ہے۔ ہر تخلیق کار اپنی توفیق، استطاعت اور صلاحیت کے مطابق اس عمل میں شریک ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ حیدر قریشی جیسے ہمہ جہت ادیب وشاعر کا یہ مطالعہ دراصل اسی صلاحیت کار اور کوشش کو سمجھنے کی کاوش ہے۔

حیدر قریشی بیک وقت شاعر، نثر نگار اور نقاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اُن کی نثر کو پانچ اصناف میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، جن میں افسانہ نگاری، خاکہ نگاری، انشائیہ نگاری، سفرنامہ نگاری اور خود نوشت شامل ہیں۔ ان کی نثری تصانیف میں روشنی کی بشارت اور قصے کہانیاں (افسانوی مجموعے)، میری محبتیں (خاکے)، سوئے حجاز (سفرنامہ)، فاصلے، قربتیں (انشائیے) اور کھٹی میٹھی یادیں (خود نوشت) شامل ہیں جبکہ شعری تصانیف میں سلگتے خواب، عمر گریزاں، محبت کے پھول اور دعائے دل شامل ہیں جبکہ ان چاروں شعری مجموعوں کی کلیات ''غزلیں، نظمیں، ماہیے'' کے نام سے ہے۔ حیدر قریشی نقاد بھی ہیں، اُن کی تنقیدی کتابوں میں ''ڈاکٹر وزیر آغا۔ عہد ساز شخصیت''، اُردو میں ماہیا نگاری، ماہیے کی تحریک اور اُردو ماہیے کے بانی۔ ہمت رائے شرما'' شامل ہیں۔

حیدر قریشی شاعر، نثر نگار اور نقاد ہونے کے ساتھ ساتھ مرتب کی حیثیت سے بھی پہچانے جاتے ہیں۔ اُن کی مرتب کردہ کتب میں شفق رنگ، کرنیں اور سرائیکی غزل شامل ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے اپنی ذاتی کاوشوں کی بدولت اپنے چھوٹے سے شہر (خان پور) سے کتابی صورت میں شائع ہونے والا رسالہ ''جدید ادب'' کا اجراء بھی کیا۔ یہ رسالہ ''جدید ادب'' نو سال (۱۹۷۸ء تا ۱۹۸۶ء) تک اپنی پوری آب وتاب سے خان پور (پاکستان) سے جاری رہا۔ پھر جرمنی منتقل ہونے پر آپ نے جرمنی سے بھی یہ ادبی رسالہ ''جدید ادب'' ۲ سال یعنی مئی ۱۹۹۹ء اور مئی ۲۰۰۰ء میں ۲ شمارے شائع کیے۔ حیدر قریشی کی اس قدر کثیر الجہت ادبی خدمات کی بدولت فرحت نواز صاحبہ کی اس رائے سے مکمل اتفاق کرنا پڑتا ہے۔

> ''اگر مغربی ممالک میں قیام پذیر اُردو کے سارے شاعروں، ادیبوں کا جائزہ لیا جائے تو اپنے اپنے اضافی دائرے میں سب اچھا کام کر رہے ہیں۔ کوئی شاعر ہے تو کوئی افسانہ نگار۔۔۔ کوئی نقاد اور محقق ہے تو کوئی خاکہ نگار۔۔۔ کوئی انشائیہ نگار ہے تو کوئی سفرنامہ نگار۔۔۔ کوئی سوانح نگار ہے تو کوئی یاد نگار۔۔۔ بعض ادباء نے ایک سے زیادہ اصناف میں بھی کام کیا ہے لیکن حیدر قریشی نے جتنا کثیر الجہت کام کیا ہے اور اس میں جس طرح اپنا عمومی معیار بھی برقرار رکھا ہے، اس کے باعث مغربی ممالک کے شاعروں اور ادیبوں میں تو حیدر قریشی کا بالکل الگ ایک مقام بن چکا ہے جس میں وہاں کوئی بھی ان کا مدمقابل دکھائی نہیں دیتا۔'' (۱)

حیدر قریشی ایک بے باک، صاف گو اور صاحب ادراک شخص ہیں۔ ان کی تخلیقات زندگی کے حقائق کا فکری اور فنی دونوں سطحوں پر جائزہ لیتی محسوس ہوتی ہیں۔ حیدر قریشی کی تحریروں میں ہمیں شائستگی، فکر انگیز آ گہی اور جدید و قدیم رجحانات ساتھ ساتھ چلتے نظر آتے ہیں۔ ان کی شاعری اپنے دلکش خیالات، پختہ لب و لہجے اور فکری تازگی سے اپنے قاری پر نت نئے انکشافات کراتی محسوس ہوتی ہے۔ ان کے ہاں فلسفیانہ اظہار کے ساتھ جذبے کی رنگا رنگی، ولولہ انگیزی، زندگی کے فلسفے کی دلفریب جھلک اور بلا کی خود اعتمادی ملتی ہے۔ انہوں نے اپنی شاعری میں اپنے تجربات و مشاہدات کے ساتھ ساتھ طبقاتی کشمکش اور عہدِ حاضر کے اجتماعی رویوں کو بڑی مہارت سے پیش کیا ہے۔ اُن کی شاعری کا پس منظر محض شاعرانہ اظہار بیان ہی نہیں بلکہ اعلیٰ انسانی اقدار کو اپنے داخلی اور خارجی عوامل کے ساتھ پیش کرنا ہے۔ بلاشبہ اُن کے اعلیٰ بیان کی سادگی اور بے ساختگی اپنے قاری کو خوش گوار تاثر سے روشناس کرواتی ہے:

اک فرشتہ ہے عشق کا حیدرؔ
مجھ پہ جو شاعری اتارتا ہے (۲)

غم ہو یا خوشی ہو، وہ محبت ہو کہ نفرت
ہم نے کوئی جذبہ بھی چھپا کر نہیں رکھا (۳)

دُکھوں کو جھیل جانا آ گیا ہے
ہمیں بھی مسکرانا آ گیا ہے (۴)

اس کو پانے کی تمنا پہ یقیں کب ہے مگر
ہاتھ جب اٹھ ہی گئے ہیں تو دعا ہی مانگوں (۵)

اُن کی منفرد غزل کے ساتھ ایک اور صنفِ شاعری بھی نمایاں ہے جو حیدر قریشی کے نام سے اب جانی اور پہچانی جاتی ہے اور وہ صنف ''ماہیا'' ہے۔ حیدر قریشی نے ماہیا کے فروغ کے لیے اپنی ذات اور توانائیوں کو وقف کیے رکھا۔ اُن کے ماہیوں میں زندگی کی صداقتوں اور سچے کھرے جذبوں کی بھرپور عکاسی اُن کی قادرالکلامی کی آئینہ دار ہے۔ بقول فرحت نسیم ہاشمی:

> ''حیدر قریشی کے ماہیے اُردو ادب میں پنجابی کا ایک منفرد اور انوکھا اضافہ ہیں جو دلوں کو مٹی کی خوشبو کے احساس و رنگ کے ساتھ ہی نہیں لے جاتے بلکہ لمحہ بہ لمحہ دل کو کیفیتوں کے اچھوتے احساسات عطا کرتے ہیں۔'' (۶)

بلاشبہ حیدر قریشی کے ماہیے روایت اور جدت کا امتزاج لیے فکری رویوں اور خیال کی رفعت کو پیش کرتے ہیں۔ حیدر قریشی کے ماہیوں کی چند مثالیں:

پھولوں کی ہے نرمی بھی
اس کی محبت میں
صحراؤں کی گرمی بھی (۷)

کیسی تحریریں ہیں
دشمن اپنے ہی
ہاتھوں کی لکیریں ہیں (۸)
کوئی عجب سی بھول ہوئی
پیار کے سودے میں
قیمت بھی وصول ہوئی (۹)

اگرچہ حیدر قریشی نے نثر کے میدان میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ اُن کے افسانے، انشائیے، خاکے اور خودنوشت، زندگی کے مختلف پہلوؤں کی ترجمانی وعکاسی کرتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ مگر درست بات یہ ہے کہ حیدر قریشی کا حقیقی میدان شاعری ہی ہے جہاں اُن کی ندرتِ خیال اپنی پوری توانائی اور بھرپور سلیقے کے ساتھ اپنے مخصوص سانچے میں ڈھلتی چلی جاتی ہے۔ اُن کی نظموں کے موضوعات میں تنوع اور رنگارنگی اپنے جلوے دکھاتی ہے تو اُن کے ماہیے اپنی دھرتی کی بوباس سے سرشار نظر آتے ہیں اور سب سے بڑھ کر اُن کی غزل میں زندگی کے حقیقی رنگ، بدلتے رویوں اور کروٹ لیتے ہوئے حالات میں نمایاں ہوتے چلے جاتے ہیں اور یہی ایک اچھے شاعر کا طرہء امتیاز ہوتا ہے کہ وہ زندگی کے رنگ ڈھنگ اور طور طریقوں کے ترقی پذیر انداز کو محسوس کرے اور ہر ممکن شعوری کاوش سے انہیں اپنے فن پاروں میں متشکل کر کے روحِ عصر کے ساتھ ہم آہنگ ہو جائے۔ یہ ہم آہنگی ہی ایک بڑے شاعر اور تخلیق کار کے ذوقِ سلیم کو پروان چڑھاتی اور مرحلہ ہائے شوق طے کرنے میں آسانیاں پیدا کرتی ہے۔ بلاشبہ حیدر قریشی کی شاعری، بالخصوص اُن کے ماہیے اور غزل اس معیار پر بہت حد تک پورا اترنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

حیدر قریشی کا ادبی سفر جاری ہے۔ اُن کی مضطرب روح نئی منزلوں تک رسائی کے لیے بے چین و بے قرار ہے اور ان کا شعری وجدان انہیں خوب سے خوب تر کی جستجو میں مصروف و مگن رکھتا ہے مگر اس سفر اور جستجو میں ثابت قدمی اور لگن بنیادی زادِ راہ ہے۔ انہی کے سہارے حیدر قریشی کو اپنی لغزشوں پہ قابو پانا ہے، اپنی خامیوں کو دور کرنا ہے اور اپنے چاروں طرف پھیلے ہوئے زندگی کے جلوہ ہائے صد رنگ اپنی تخلیق کے دامن میں سمیٹ کر اپنی طبعِ رسا کے جوہر دکھانے ہیں۔ حیدر قریشی اگر اسی لگن، تڑپ اور عزم کے ساتھ مصروفِ عمل رہے تو یقیناً ادبی دنیا میں نئی فتوحات اُن کی منتظر ہیں۔

؏ اللہ کرے مرحلہ ء شوق نہ ہو طے

حوالہ جات

۱۔ فرحت نواز۔تحریرانٹرویو۔بسلسلہ سوال نامہ، ۳ اگست ۲۰۰۲ء۔رحیم یار خان

۲۔ حیدرقریشی، ’’غزلیں،نظمیں،ماہیے‘‘ ص نمبر ۲۰۹، سرور ادبی اکادمی، جرمنی، ۱۹۹۸ء

۳۔ حیدرقریشی، ’’غزلیں،نظمیں،ماہیے‘‘ ص نمبر ۲۱۴

۴۔ حیدرقریشی، ’’غزلیں،نظمیں،ماہیے‘‘ ص نمبر ۲۲۲

۵۔ حیدرقریشی، ’’غزلیں،نظمیں،ماہیے‘‘ ص نمبر ۳۰

۶۔ محمد وسیم انجم، ’’حیدرقریشی۔فکروفن‘‘، ص ۳۴، انجم پبلی کیشنز، راول پنڈی۔۱۹۹۹ء

۷۔ حیدرقریشی، ’’غزلیں،نظمیں،ماہیے‘‘ ص نمبر ۳۲۹

۸۔ حیدرقریشی، ’’غزلیں،نظمیں،ماہیے‘‘ ص نمبر ۳۵۴

۹۔ حیدرقریشی، ’’غزلیں،نظمیں،ماہیے‘‘ ص نمبر ۳۶۲

کتابیات

تصنیف	پبلشر	سالِ اشاعت
۱۔ اُردو ماہیے کے بانی۔ ہمت رائے شرما	معیار پبلی کیشنز، دہلی	۱۹۹۹ء
۲۔ اُردو ماہیے کی تحریک	فرہاد پبلی کیشنز، راول پنڈی	۱۹۹۹ء
۳۔ اُردو میں ماہیا نگاری	فرہاد پبلی کیشنز، راول پنڈی	۱۹۹۷ء
۴۔ افسانے	معیار پبلی کیشنز، دہلی	۱۹۹۹ء
۵۔ ایٹمی جنگ	معیار پبلی کیشنز، دہلی	۱۹۹۹ء

٦۔ دعائے دل	نصرت پبلی کیشنز، دہلی	۱۹۹۷ء
۷۔ ڈاکٹر وزیر آغا۔عہد ساز شخصیت	نایاب پبلی کیشنز، لاہور	۱۹۹۵ء
۸۔ سلگتے خواب	تجدید اشاعت گھر، لاہور	۱۹۹۱ء
۹۔ سوئے حجاز	معیار پبلی کیشنز، دہلی	۲۰۰۰ء
۱۰۔ سرائیکی غزل	جدید ادب پبلی کیشنز، خان پور	۱۹۸۰ء
۱۱۔ شفق رنگ	جدید ادب پبلی کیشنز، خان پور	۱۹۷۹ء
۱۲۔ عمر گریزاں	تجدید اشاعت گھر، لاہور	۱۹۹۶ء
۱۳۔ غزلیں، نظمیں، ماہیے	سرور ادبی اکادمی، جرمنی	۱۹۹۸ء
۱۴۔ کرنیں	جدید ادب، پبلی کیشنز، خان پور	۱۹۸۰ء
۱۵۔ محبت کے پھول	نایاب پبلی کیشنز، خان پور	۱۹۹۶ء
۱۶۔ میری محبتیں	نایاب پبلی کیشنز، خان پور	۱۹۹۶ء

دیگر کتب

مصنف	تصنیف	پبلشر
۱۷۔ آل احمد سرور	تنقید کیا ہے؟	اُردو اکیڈمی سندھ، کراچی
۱۸۔	آکسفورڈ انگلش ڈکشنری۔ایڈیشن ۱۹۶۱ء	
۱۹۔ انور سدید، ڈاکٹر	ڈاکٹر وزیر آغا۔ایک مطالعہ	لاہور
۲۰۔ خاطر غزنوی	جدید اُردو ادب	سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۵ء
۲۱۔ سید محمد عارف، ڈاکٹر	شاہد احمد دہلوی (حالات و آثار)	انجمن ترقی اُردو پاکستان، کراچی، ۲۰۰۰ء
۲۲۔ سلام سندیلوی، ڈاکٹر	ادب کا تنقیدی مطالعہ	مکتبہ میری لائبریری لاہور، ۱۹۸۶ء
۲۳۔ سلیم اختر، ڈاکٹر	اُردو ادب کی مختصر ترین تاریخ	سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۶ء
۲۴۔ شفیق احمد، ڈاکٹر، روشن آراء راؤ، ڈاکٹر (مرتبین)	انتخاب انشائیہ نمبر	کاروانِ ادب، ملتان، ۱۹۸۸ء
۲۵۔ شاہد احمد دہلوی	گنجینۂ گوہر	مکتبۂ اسلوب کراچی، ۱۹۸۶ء
۲۶۔ فرمان فتح پوری	اُردو نثر کا فنی ارتقاء	وقار پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۷ء
۲۷۔ مولوی عبدالحق	چند ہم عصر	اُردو اکیڈمی سندھ، کراچی، ۲۰۰۰ء
۲۸۔ محمد وسیم انجم	حیدر قریشی۔فکر و فن	انجم پبلی کیشنز، راول پنڈی، ۱۹۹۹ء
۲۹۔ ''نذیر فتح پوری۔سنجئے گوڑبولے'' (مرتبین)	حیدر قریشی۔فن اور شخصیت	اسباق پبلی کیشنز، پونہ، ۲۰۰۲ء
۳۰۔ یحییٰ امجد	فن اور فیصلے	کتابیات حمید، نظامی روڈ لاہور، ۱۹۶۹ء

رسائل

۱۔ ''ادب عالیہ'' انٹرنیشنل وہاڑی	اپریل، مئی، جون، ۲۰۰۲ء
۲۔ الزبیر، بہاول پور	۱۹۹۸ء

۳۔ اوراق، لاہور	جون، جولائی۱۹۸۹ء
۴۔ تخلیقی ادب، کراچی	اکتوبر، نومبر،۱۹۸۳ء
۵۔ جدید ادب، خان پور	اگست ۱۹۷۸ء
۶۔ جدید ادب، خان پور	نومبر ۱۹۸۰ء
۷۔ جدید ادب، خان پور	مارچ ۱۹۸۳ء
۸۔ جدید ادب، خان پور	۱۹۸۶ء
۹۔ جدید ادب، جرمنی	مئی ۱۹۹۹ء
۱۰۔ جدید ادب، جرمنی	مئی ۲۰۰۰ء
۱۱۔ ہفت روزہ میرٹھ میلہ	۲۶ اکتوبر ۱۹۹۸ء

انٹرویوز

۱۔ خورشید ناظر	بہاول پور	۱۷ اکتوبر ۲۰۰۲ء
۲۔ ڈاکٹر محمد انور صابر	بہاول پور	۲۰ اکتوبر ۲۰۰۲ء

(سوال نامے کا تحریری جواب)

۳۔ حیدر قریشی	جرمنی	۲۷ جون ۲۰۰۲ء
۴۔ فرحت نواز	رحیم یار خان	۳ اگست ۲۰۰۲ء
۵۔ مبارکہ حیدر	جرمنی	۲۴ اکتوبر ۲۰۰۲ء
۶۔ رضوانہ حیدر	جرمنی	۲۴ اکتوبر ۲۰۰۲ء
۷۔ شعیب حیدر	جرمنی	۲۴ اکتوبر ۲۰۰۲ء
۸۔ تسنیم شعیب	جرمنی	یکم نومبر ۲۰۰۲ء
۹۔ نادیہ عثمان	جرمنی	یکم نومبر ۲۰۰۲ء
۱۰۔ خورشید اقبال	انڈیا	۳ نومبر ۲۰۰۲ء
۱۱۔ نذر خلیق	خان پور	۶ نومبر ۲۰۰۲ء
۱۲۔ سعید شباب	خان پور	۸ نومبر ۲۰۰۲ء
۱۳۔ حیدر قریشی	جرمنی	۸ نومبر ۲۰۰۲ء

۱۴۔ گفتگو، ڈاکٹر صابر کلوروی، بحوالہ ڈاکٹر شفیق احمد بمقام ایبٹ آباد۔

غیر مطبوعہ

۱۔ ڈاکٹر شفیق احمد	حیدر قریشی کی شاعری	(مضمون)
۲۔ حیدر قریشی	کھٹی میٹھی یادیں	(یادنگاری)
۳۔ حیدر قریشی	فاصلے، قربتیں	(انشائیے)